باتیں ملاقاتیں

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

افسانے

رنگ کائنات

دوشیزہ میگزین

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)......890 روپے

ایشیا' افریقہ' یورپ......5000 روپے

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا......6000 روپے

پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: سٹی OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی۔

Phone : 021-35893121 - 35893122

Email : pearlpublications@hotmail.com

نیا سال، نئے رنگ

آپ کے اپنے سچی کہانیاں کے سنگ

انعام یافتہ کہانیاں:

پہلی تین کہانیاں، پہلے تین انعام

ہر ماہ کی تین منتخب کردہ، انعام یافتہ کہانیوں پر انعام پائیں۔

پہلی انعام یافتہ کہانی پر=/5000

دوسری انعام یافتہ کہانی پر=/4000

تیسری انعام یافتہ کہانی پر=/3000

بھارت میں بلیک لسٹ:

برطانیہ میں خزاں کے بعد ایشیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا اصل چہرہ بے نقاب کرتا۔ نامور صحافی محمود شام کے بے باک قلم سے سفرنامہ بھارت ...... ماہ جنوری سے سچی کہانیاں کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

سُپر ریڈر ایوارڈ:

سب سے زیادہ ٹوکن بھیجنے والے قاری کے لیے ہر ماہ احوال میں 'سپر ریڈر رائٹر ایوارڈ' کی سند کا اعلان کیا جائے گا۔

ایک تصویر، ایک کہانی:

زندگی کے شب و روز میں کبھی کبھی نظریں بہت خاص تصویر کو دیکھ کر ٹھہر جاتی ہیں۔ آنکھ کے کیمرے میں Save ہو جانے والے ان مناظر کو آپ فراموش نہیں کر سکتے۔ ہر ماہ دیکھیے ایک تصویر ایک کہانی۔

روایات سے جڑی جنتا

'مہاتما گاندھی' کون اس نام سے واقف نہیں، کمزور سا بوڑھا آنکھوں پر نظر کا چشمہ ہاتھ میں لاٹھی اور جسم پر چادر...... محبتیں پھیلانے کا خواہش مند، عدم برداشت سے خوفزدہ، دنیا اور خاص کر اپنی جنم بھومی بھارت کو تمام انسانوں کے لیے محفوظ آماجگاہ بنانے کا خواہش مند یہ خواہش دل میں ہی لیے اپنے ہی ہم وطن اور ہم مذہب کے ہاتھوں قتل ہوا......

باپو بھی تو یہی کہتے تھے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال آگے کر دینا...... وہ بھی تو یہی چاہتے تھے کہ بھارت Secular State بنے...... تب بھی بھارتیوں نے ان کی نہ سنی اور ان کا خون بہا کر ان تمام 12 کروڑ بھارتیوں کے منہ پر تھپڑ مار دیا جو باپو کے پیروکار تھے...... اور آج بھارت میں لوگوں کے منہ پر تھپڑ مارنے پر انعام دیا جا رہا ہے وہ لوگ جنہوں نے فلم انڈسٹری کے ذریعے پوری دنیا میں بھارت کا Soft image بنایا...... بھارت کے پاسپورٹ کو دنیا بھر میں معتبر کیا...... مگر ہائے ری قسمت...... کاش کہ بھارتی جان سکیں کہ عامر خان، شاہ رُخ خان، دلیپ کمار یا کسی بھی مسلمان کے منہ پر پڑنے والا تھپڑ دراصل اس تھپڑ کی بازگشت ہے جو باپو کو قتل کر کے مارا گیا تھا...... عام بھارتی کے چہرے پر یہ تھپڑ بار بار مارا جائے گا کہ بھارتی روایات سے جڑی جنتا ہیں......

منزہ سہام

قارئین کے نام کھلا خط

محترم قارئین!

''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ میں نے خلقِ خدا کی بھلائی اور روحانی معاملات میں ان کی رہنمائی کے جذبے کے تحت شروع کیا تھا۔ سچی کہانیاں کے اوّلین شمارے سے یہ سلسلہ شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی روحانی طاقت نے حیران کر دینے والے معجزے بھی دیکھے۔

ساتھیو! عمر کی جس سیڑھی پر میں ہوں خدائے بزرگ و برتر سے ہر پل یہی دعا کرتا ہوں کہ اُس کے حضور پیش ہونے سے پیشتر کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے دُکھی بچے، بچیاں میرے بعد کسی بھی ذریعۂ روزگار کو بروئے کار لاتے ہوئے عزت کے ساتھ رزقِ حلال کما سکیں۔

اتنے برس بیت گئے۔ آپ سے کچھ سوال نہ کیا۔ وہ کون سی پیشکش تھی جو نہ ٹھکرائی۔ کیسے کیسے دولت کے انبار ایک طرف کر دیے۔ مگر اب..... وقت چونکہ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسا ٹرسٹ، اپنی موجودگی میں قائم کر جاؤں جس سے نیکی اور بھلائی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔ مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔

دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے..... آیئے اور اپنے باباجی کا ساتھ دیجیے.....
ٹرسٹ میں اپنے عطیات جمع کرائیے۔

مجھے امید ہے۔ اپنے دکھی بھائی بہنوں کا درد محسوس کرتے ہوئے آپ کا اگلا قدم..... ٹرسٹ میں اپنے تعاون کے لیے ہی اٹھے گا۔

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت رابطوں کی دلفریب محفل

بہت پیارے قارئین آپ سب کو رضوانہ کا سلام قبول ہو۔

دوستو! سردیوں کے اس موسم میں اس وقت کراچی کے ہمارے خیال میں پاکستان کے تقریباً سارے شہروں کے لوگ لحاف سویٹر اور ہیٹر کا مزہ لے رہے ہوں گے لیکن خیر ہم کراچی والے بھی اب اتنے مظلوم نہیں رہے۔ ہلکی ہلکی سی خوبصورت خنکی صبح اور سام کو ہمارا دل بہلانے آ ہی جاتی ہے۔ ویسے بھی ساتھیو اصل موسم تو دل کا ہوتا ہے اگر دل اداس ہے تو پھر ہر موسم بیکار اور اگر دل خوش ہے تو ٹھٹھرتی سردی اور شدید گرمی بھی بہار کی مانند محسوس ہوتی ہے۔ ویسے دل کے ذکر پر ایک تلخ مگر مزے دار شعر یاد آ گیا۔

کسی کے دل میں کیا چھپا ہے یہ تو رب ہی جانتا ہے
دل اگر بے نقاب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے

ویسے بات ہے بچی۔ زیادہ تر انسانوں کے رویے اور الفاظ ان کے دلوں میں چھپے احساسات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور اگر لوگ ایک دوسرے کے دلوں میں جھانک کر ان احساسات کو جان پائیں تو بس پھر دنیا اس شعر کی عملی تفسیر بن جائے ویسے یہ ہمارا ایمان ہے کہ اگر کسی انسان کا دل بلاوجہ کی نفرتوں رنجشوں حسد اور کینہ سے پاک ہے تو اس کی زندگی عام لوگوں سے زیادہ سہل اور خوبصورت ہوتی ہے تو ایسے اس بات پر چلتے ہیں ہم اپنی محفل کی طرف جہاں ہمارے مہمان اس خیال کی بھرپور تائید کرتے نظر آ رہے ہیں تب ہی ان کے چہروں پر بکھری خلوص کی روشنی ہمیں یہ بتا رہی ہے۔

✉: ہماری پہلی مہمان ہم سب کی بہت ہی پیاری رائیٹر عقیلہ حق ڈیئر رضوانہ پرنس کیسی ہو......؟ امید کرتی ہوں آپ ہمیشہ کی طرح ہنستی مسکراتی بمعہ منزہ کے ٹھیک ٹھاک ہوں گی......؟ ہیلو کاشی کیا حال ہیں؟ منزہ صاحبہ آپ کے کیا حال ہیں؟ کہاں غائب ہیں؟ لگتا ہے آپ سے ملنے آفس ہی آنا پڑے گا۔ ہنستا مسکراتا کھلکھلاتا دوشیزہ بھی دوشیزہ کے ہاتھ میں ہے! ٹائٹل گرل اچھی تھی...... منزہ کا داریہ بہت خوبصورت رہا اور پھر آتے ہیں محفل کی طرف۔ رضوانہ آپ نے سچ کہا مسکراہٹ شخصیت کو نکھارتی ہے...... جیسے آپ کی مسکراہٹ ہے آپ خاموش بھی رہیں تو لگتا ہے مسکرا رہی ہیں...... محفل میں سارے ہی خطوط اچھے رہے لیکن ایک میرے خط کی کمی تھی...... افسوس کسی نے یاد بھی نہیں کیا۔ اس سے پہلے کہ لوگ مجھے بالکل بھول جائیں میں پھر آ دھمکی۔ ماشاء اللہ ایک طویل انتظار کے بعد مجھے اپنا افسانہ نظر آ ہی گیا ورنہ تو میں ایک اور تحریر بھیج رہی تھی عنوان تھا! ڈائجسٹ عقیلہ اور انتظار!'' لیکن پھر یہی سوچا ہے ملاقات اچھی رہی۔ عاطف اسلم کے بارے میں پڑھنا بھی اچھا لگا۔ حنا دلپذیر تو میری بہت فیورٹ ہیں آپ کو ایک خوبصورت ناول لکھنے پر میری طرف سے دلی

مبارکباد، اُم مریم بھی اچھا لکھ رہی ہیں لیکن رفعت سراج صاحبہ کی تعریف کا تو مطلب ہے سورج کو چراغ دکھانا۔ مجھے پہلے پتا ہوتا اگر لائف بوائے...... آئیڈیل ملائے تو میں لائف بوائے شیمپو استعمال کرتی، صابن کو عقیدت سے چومتی اور لائف بوائے کی دوسری ساری پروڈکٹ کو الماری میں رکھ کر زیارت کرتی۔ لیکن افسوس شادی کے سولہ سال کے بعد آئیڈیل ملنے کا رستہ پتا چلا۔ ہائے افسوس میری کم علمی۔ نسرین نگہت صاحبہ نے بہت خوبصورت ناولٹ لکھا میری طرف سے ڈھیروں مبارک باد۔ لمحوں نے خطا کی تھی فوزیہ صاحبہ اچھا لکھ رہی ہیں۔ جانم سمجھا کرو اچھی تحریر رہی۔ شمع حفیظ ایک اچھی رائیٹر ہیں اور ان کی یہ تحریر بھی بہت خوبصورت رہی۔ صدف آصف نے صحیح لکھا بعض اوقات ہم کسی غلط فہمی کو غلط فہمی بھی تو ثابت نہیں کر سکتے۔ دردانہ نوشین کی کہانی ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت تھی لیکن میرے خیال سے ایک اچھی لڑکی اور اس کی محبت بڑوں بڑوں کو بدل سکتی ہے۔ ورنہ بہت ساری لڑکیاں اسی طرح زندہ دفن ہو گئیں ہیں اور روتی رہیں گی۔ ثمینہ فیاض نے بالکل حقیقت لکھا اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ باقی مستقل سلسلے سب اچھے رہے تبصرہ تو کافی باقی ہے لیکن خط افسانہ بن گیا ہے اور مزید لکھا تو ناولٹ کا درجہ تو پا لے گا لیکن محفل میں نہیں لگے گا۔ میری اچھی دوستوں آپ کے لیے ایک خبر ہے جیسا میں نے آپ کو بتایا تھا میں Loin broad caster کلب کی چارٹرڈ صدر ہوں اس کے ساتھ ہی ہمارے کلب کے گورنر کی باڈی میں مجھے چیئرپرسن کا عہدہ دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا کہ یہ ایک انٹرنیشنل کلب ہے جو کہ تقریباً 168 ممالک میں قائم ہے۔ میں چاہتی ہوں میری رائیٹرز دوست یہ کلب جوائن کریں کیونکہ میرے کلب ممبرز کا تعلق فنون ادب سے ہی ہے۔ پہلے پچھلے سال ہم نے بہت سارے کام کیے اور الحمد اللہ پورے پاکستان میں مجھے Best President کا ایوارڈ ملا جو میرے لیے اور میرے سب ممبرز کے لیے اعزاز ہے اگر آپ ہم کو جوائن کرنا چاہتے ہیں تو پلیز ای میل کریں aqeelahaqq@yahoo.com۔ اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔ باقی باتیں آئندہ کے لیے اپنی تحریر پر آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

ﷳ: پیاری عقیلہ آپ کا دل چسپ خط دیکھیے محفل میں کیسی مسکراہٹیں بکھیر رہا ہے۔ اس محفل میں سب آپ کا انتظار کرتے ہیں۔

✉: پیاری رضوانہ جی۔ اسلام علیکم! کیسی ہیں؟ ہم الحمد اللہ بہت مزے میں ہیں۔ اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ایک گڈ نیوز ہے کہ ہم کو لندن کے عالمی مشاعرے میں مدعو کیا گیا تھا۔ جس میں جناب امجد اسلام امجد صاحب، وصی شاہ

صاحب اور عابدولت یعنی شگفتہ شفیق پاکستان سے انوائٹڈ تھیں۔ اور یہ مشاعرہ 8 نومبر کو تھا۔ سو ایک بار پھر ہم عازم لندن ہوئے سارا حال احوال انشاءاللہ اگلی بار آپ کی نذر کروں گی واپسی پر سب سے پہلے بک اسٹال پر گاڑی روکی اور بہت سارے نومبر کے دوشیزہ خریدے۔ جس کی واٹس اپ پر تصویر بھی ہم نے آپ کو بھیجی ہے۔ آپ کہہ رہی ہوں گی کہ کیوں خریدے؟ ارے بابا،،، اس بار میرے بچوں کی شادیوں کا تصویری احوال آپ نے بہت ہی خوبصورتی سے لگایا تھا جس کے لیئے ہم منزہ آپ اور دوشیزہ کے بہت شکر گذار ہیں۔ اور ہم میں اتنا صبر تو ہے نہیں کہ ڈاک والوں کی گڑ بڑ پر کڑھیں۔ جب آفس سے پرچہ آتا ہے تب آتا ہے جس کے لیئے ہم آفس والوں کے ممنون ہوتے ہیں لیکن یار۔۔ ہم پہلے ہی جا کے بک اسٹال سے لے آتے ہیں کہ ہم کو اپنی چھپی ہوئی غزلیات کا ریکارڈ بھی رکھنا ہوتا ہے، سو یہ خریداری بہت ضروری ہوتی ہے۔ کنزل فرخ تابش اور رباب سب بہت خوش ہیں اپنی تصاویر دیکھ کر اور سلام کہہ رہے ہیں اس بار کے افسانے بہت پسند آئے خاص کر زندہ دفن کی گئی، پگلی محبت روٹھ جائے تو، اترن۔۔ اور ہتھیلی پر لکھی دعا۔ سرفہرست ہیں بڑی خبر چھوٹی ذہنیت، زبردست رہا۔ دوشیزہ کی محفل کی تعریف نہ کرنا تو ہماری کنجوسی کہلائے گی۔ ڈیئر رضوانہ۔ محفل بہت ہی خوب رہی، ایک غزل بھیج رہی ہوں۔ یہ ہم نے لندن مشاعرہ میں پڑھ کر بے حد داد پائی تھی۔ سب کو سلام۔

ج: پیاری شگفتہ شفیق تمہاری کامیابیوں کی خبریں ہم سب بہت خوش ہو کر پڑھتے ہیں۔ اس وقت بھی محفل میں موجود مہمان تمہیں دلی مبارکباد دے رہے ہیں۔ تمہارے بچوں کی شادیوں کی تصاویر واقعی بہت پیاری تھیں۔ اللہ تمہیں ایسے ہی خوش و کامران رکھے۔

✉: ہماری کیوٹ سی ماہین خاور سیالکوٹ سے ہم سے مخاطب ہیں۔ پیاری رضوانہ باجی آپ یقین کریں کہ میں دوشیزہ کا اب جس شدت سے انتظار کرتی ہوں۔ ایسا انتظار میں نے کبھی کسی کا نہیں کیا۔ ایک تو رسالہ پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے دوسری وجہ اس میں اپنا خط اور اس کا جواب دیکھنے کی بے چینی بھی ہے۔ رضوانہ باجی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ میری زندگی میں آپ نے ایک پیارا سا چارم پیدا کر دیا ہے اس ماہ کا دوشیزہ زبردست رہا۔ شمع حفیظ، سعدیہ عزیز آفریدی اور عقیلہ حق ٹاپ پر رہیں۔ زندہ دفن کی گئی پڑھ کر دل بہت اُداس ہوا شیشے کا محل ہم سب لڑکیوں کے لیے جیسے ایک سبق ہے۔ غلط فہمی بھی اچھا رہا۔ جانم سمجھا کرو سب کچھ سمجھا گیا۔ عابدہ سبین کے افسانے پر تبصرہ محفوظ ہے۔ پروفیسر بریانی بہت مزے دار لگا۔ سارے سلسلے خوب سے خوب تر ہیں رضوانہ باجی میری بیسٹ فرینڈ عائشہ مجھ سے ناراض ہے بات چھوٹی سی تھی لیکن وہ اسے بہت بڑا بنا رہی ہے لیکن میں بھی اسے نہیں مناؤں گی دیکھتی ہوں کب اُسے میری کمی محسوس ہوتی ہے۔

ج: پیاری سی ماہین۔ اس بار تو تمہارا تبصرہ کافی بھرپور ہے بس ایسے ہی تبصرے کے ساتھ آیا کرو اور ہاں اپنی دوست کو دوستی کو زیادہ نہ آزماؤ اور خود ہی اُسے منالو اس سے پہلے کے فاصلے مزید بڑھیں۔

اچھا ہے کہ آپس کے بھرم نہ ٹوٹنے پائیں
بھی دوستوں کو آزما کر کچھ نہیں ملتا

✉: ہماری ایک اور پیاری سی مہمان فہمیدہ نسرین جو کہ پی ٹی وی پروڈیوسر اور ڈائریکٹر رہ چکی ہیں ہم کو بتا رہی ہیں۔ ڈیئر رضوانہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا کہ میں دوشیزہ کے لیے کچھ لکھنے کی تیاری کر رہی ہوں۔ اصل میں اتنے عرصے سے قلم نہیں اٹھایا تھا بس اسی لیے ذہن بنانے میں کچھ وقت لگ گیا۔ بحرحال اب میرا افسانہ آدھے سے زیادہ تو ہو گیا ہے جیسے ہی مکمل ہوا فوراً بھجوا دوں گی۔

سانحہ ارتحال

ہماری دیرینہ لکھاری سیمارضا کی بڑی ہمشیرہ گزشتہ ماہ انتقال کر گئی ہیں۔ اس موقع پر ادارہ دوشیزہ لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے اور قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

ھ: اچھی فہمیدہ! ہم سب اور کتنا انتظار کریں۔ افسانے کو ادھورا نہیں رہنا چاہیے ورنہ ہماری دوشیزہ خفا ہو جائے گی۔

✉: اور یہ ہیں ہماری ریحانہ مجاہد کراچی سے جو ہمارے محفل کی ریگولر مہمان ہیں ڈیئر رضوانہ خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ دوشیزہ کا دیدار کیا۔ محفل میں بکھری رونق بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سب افسانے انگوٹھی نگینے کی طرح فٹ تھے سوائے علی اور عاطف اسلم سے ملاقات خوب رہی۔ انزاء کا نذرانہ عقیدت افسردہ کر گیا۔ دوشیزہ گلستان پڑھ کر بہت انجوائے کرتے ہیں ہماری طرف سے ندیا مسعود کو حج کی مبارک باد۔ ہم نے ابھی سے سالگرہ نمبر کا انتظار شروع کر دیا ہے۔ آنگن میں بارات میں ماشاء اللہ شگفتہ شفیق بھی اپنے بچوں کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ آپ کی اور منزہ کی تصویر بھی بہت زبردست ہے۔

ھ: ڈیئر ریحانہ! محفل میں تمہاری موجودگی ہماری رائیٹر کو اور بھی اچھی لگی اگر تم اپنے پسندیدہ افسانوں کے نام بھی لکھ دیا کرو۔ انشاء اللہ سالگرہ نمبر تمہیں بالکل مایوس نہیں کرے گا۔

✉: افشاں منصوب رضا اسلام آباد کی ٹھنڈک ہماری محفل میں لاتے ہوئے کہہ رہی ہیں ڈیئر رضوانہ باجی۔ سردیوں کے اس موسم میں ہیٹر کے پاس چلغوزے اور مونگ پھلی کھاتے ہوئے دوشیزہ پڑھنے کا ایک الگ ہی مزہ ہے۔ سچ یہ ڈائجسٹ ایک بار ہاتھ میں لے لیں تو پھر چھوڑنے کا دل ہی نہیں چاہتا۔ اس بار بھی ہمیشہ کی طرح دوشیزہ بہت ہی پسند آیا۔ سارے ناولٹ اور افسانے اچھے لگے لیکن خاص طور پر شیشے کا محل اور جانم سمجھا کرو بہت پسند آئے۔ محفل میں آ کر بہت لطف آتا ہے۔ میں سب ہی خطوط بہت دلچسپی سے پڑھتی ہوں۔ انزا کی نظم نے دل اداس کر دیا انٹرویوز بھی سب خوب رہے۔ رضوانہ باجی مجھے آپ کے افسانے کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے پلیز لکھتی رہا کریں نہ۔ باقی سارے سلسلے بھی اچھے رہے دوشیزہ گلستان تو میرا فیورٹ سلسلہ ہے۔

ھ: پیاری سی افشاں تم نے سردی کا اتنا پیارا سا نقشہ کھینچ کر کراچی والوں کے دلوں پر آرے سے چلا دیے ہیں کہ ہم بے چارے کراچی والے ابھی تک پنکھے کی ہوا میں دوشیزہ پڑھ رہے ہیں۔

✉: ہماری محفل میں سیالکوٹ سے اسلم شہزاد رحمانی اس بار شکریہ کا ٹوکرا لے کر ہماری محفل میں آئے ہیں۔ محترمہ رضوانہ پرنس صاحبہ اپنے خط کا اتنا دل چسپ جواب پڑھ کر بہت ہی زیادہ خوشی ہوئی مجھے بالکل بھی یقین نہیں تھا کہ میرا خط چھپے گا، بس ایک آس تھی کہ شاید ایسا ہو جائے تب ہی لگاتار بک اسٹال پر چکر لگاتا رہا اور شاید میں اس بک اسٹال پر دوشیزہ خریدنے والا پہلا خریدار تھا بہت بہت شکریہ آپ کا اور میں اب اس رسالے کا مستقل قاری بھی بن گیا ہوں ابھی تک پورا ڈائجسٹ نہیں پڑھا ہے لیکن کچھ افسانے پڑھے ہیں اترن، غلط فہمی، پگلی ریشماں اور عورت اور تینوں زبردست لگے۔ باقی بھی وقت ملنے پر پڑھتا رہوں گا۔ دوشیزہ گلستان پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔ کیا میں ایک سچی کہانی بھیج سکتا ہوں۔

ھ: اسلم صاحب! دلچسپ ہمارا جواب نہیں بلکہ آپ کا اپنا خط تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ دوشیزہ کے مستقل قاری بن گئے ہیں اور ہاں سچی کہانی آپ ہمارے ادارے کے دوسرے ڈائجسٹ سچی کہانیاں میں ضرور بھیجیے اس کے لیے آپ کو ایک بار پھر بک اسٹال جانا ہوگا۔ بھئی سچی کہانیاں سے متعارف ہونے کے لیے۔

✉: اور یہ ہماری بہت پیاری سی نیلم اسلم جو سمائی وی کی مقبول نیوز اینکر ہیں۔ ڈیئر رضوانہ جی! آپ کا دوشیزہ ڈائجسٹ اب دل کو کچھ ایسا بھاتا سا جارہا ہے کہ سوچ رہی ہوں کہ میں بھی اس میں کچھ لکھ ہی ڈالوں حالانکہ اس سے پہلے میں نے کبھی کچھ نہیں لکھا لیکن میں اپنے اندر سوئی ہوئی لکھنے کی صلاحیت کو جگانا چاہتی ہوں۔ جب بھی فری ٹائم ملتا ہے میں دوشیزہ پڑھتی رہتی ہوں اور مجھے اس میں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ محبت کے علاوہ بھی اس میں کچھ ایسے ٹاپک نظر آتے ہیں جن کی تلخی کا مزہ ہر ایک کو چکھنا چاہیے۔

ھ: نیلم ڈیئر! جس خوبصورتی اور کانفیڈنس سے تم نیوز پڑھتی ہو یقیناً وہی خوبصورتی تمہاری تحریر میں بھی نظر آئے گی، ویسے بھی تمہارا جس شعبے سے تعلق ہے تمہارے پاس یقیناً موضوعات کی بھرمار ہوگی تو اچھی لڑکی اپنے اندر سوئی ہوئی لکھنے کی صلاحیت کو فوراً جگاؤ تاکہ ہمیں ایک اور اچھی رائیٹر مل جائے۔

✉: محترمہ رضوانہ پرنس السلام وعلیکم! امید ہے آپ اور آپ کا اسٹاف خیریت سے ہوگا میری طرف سے تمام پڑھنے والوں کو سلام اور سب کی خیریت مطلوب ہے نومبر کا شمارہ اب تک نہیں ملا۔ اس لیے تبصرہ کرنے سے رہ جاتی ہوں یا پھر لیٹ تبصرہ بھیجتی ہوں۔ دوشیزہ کی تمام تحریریں ہمیشہ سے پسند ہیں کاص طور پر رفعت سراج اور بینا عالیہ کے ناول میرے پسندیدہ ہے۔ احوال سے لے کر بیوٹی گائیڈ تک زبردست ہوتا ہے اپنی تحریر ارسال کر رہی ہوں۔ میم رضوانہ! جرم محبت کا بقیہ حصہ اجازت چاہتی ہوں زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ حاضر ہوں گی۔

ھ: ڈیئر فرح! تمہارے جرم محبت کا بقیہ حصہ مل گیا ہے ہمیں خوشی ہے کہ تم ہماری بات سمجھ گئیں۔ اب تمہارا فسانہ مزید اچھا ہوگیا ہے۔

✉: السلام وعلیکم اُمید ہے آپ سب بالکل خیریت سے ہوں گے! جس خوبصورتی سے دوشیزہ ٹیم دوشیزہ ڈائجسٹ کو سنوار رہی ہے جتنی تعریف کی جائے کم ہے!! نامور رائیٹرز کی تحریریں پڑھ کر میں نے سوچا میں بھی اپنی کوئی تحریر یہاں بھیجوں......!! ''احساس'' افسانہ اس لیٹر کے ساتھ بھیج رہی ہوں پڑھ کر جلد بتا دیجیے گا قابل اشاعت ہے یا نہیں......؟؟!! دوشیزہ ڈائجسٹ میں ریگولر نہیں پڑھتی کیونکہ ہمارے شہر سے یہ ڈائجسٹ نہیں ملتا۔ نیٹ سے جو بھی مل جائے پڑھ لیتی ہوں۔ اگر میری تحریر یہاں سیلیکٹ ہوگئی تو انشاء اللہ میں ریگولر اس ڈائجسٹ میں لکھوں میں......!! ڈھیر ساری دعائیں دوشیزہ ڈائجسٹ اور ٹیم کے لیے خوش رہیں ہمیشہ اور ڈھیروں کامیابیاں پائیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ھ: اچھی حنا! تمہارا 'احساس' پہلی کاوش کے طور پر اچھا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ تم اس سے بہتر بھی لکھ سکتی ہو کہ تم میں لکھنے کی صلاحیت نظر آرہی ہے لیکن بہرحال تمہاری تحریر چھپ جائے گی بس تھوڑا سا انتظار کرلو اور دوشیزہ تمہارے شہر میں نہیں ملتا تو سالانہ خریدار بن جاؤ یہ خود تمہارے شہر آجایا کرے گا۔

✉: دوشیزہ کی محفل میں ندا حسنین ایک بار پھر، منزہ آپی رضوانہ آپی اور محفل دوشیزہ میں پیار بھرا اسلام و

آداب۔ سب سے پہلے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ سب نے میرے افسانے ایک ملاقات کو بے حد پسند کیا اور سراہا۔ خاص طور پر معروف مصنفہ فوزیہ احسان رانا، منعم اصغر، ریحانہ مجاہد، رضوانہ کوثر اور ماہین خاور کا دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔ اب آتی ہوں فوزیہ احسان رانا کی جانب سب سے پہلے بہت سی مبارک باد، اتنے خوبصورت ناول کو بے حد عمدگی کے ساتھ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بلاشبہ ایک بڑی اور منجھی ہوئی لکھاری ہیں اور امید کرتی ہوں دوشیزہ کے لیے مزید شاہکار ناول لکھیں گی۔ منعم اصغر تم ایک ابھرتے ہوئے باصلاحیت لکھاری ہو خواہش بلکہ دوشیزہ کے صفحات پہ بھی اپنی تحریر کے ساتھ جگمگاتے ہوئے دکھائی دو۔ اس ماہ تقریباً تمام ہی افسانے اچھے تھے۔ صدف آصف کی تحریر غلط فہمی عمدہ تحریر تھی اور آج کل کے زمانے کو مدنظر رکھتے ہوئے تخلیق کی گئی۔ صدف آصف کا قلم ویسے بھی دلچسپ دلچسپ موضوع اگلتے رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے ثمینہ فیاض کا شیشے کا محل بھی اچھی تحریر تھی۔ سعدیہ عزیز آفریدی نے اترن، بہت اچھا لکھا۔ شکست خوردہ پڑھ کر دل افسردہ ہوگیا واقعی محبت خوار کرتی ہے انسان کو۔ فرحین اظفر اس ناول میں آپ کے لیے کچھ ڈائیلاگز بے حد عمدہ اور برجستہ تھے۔ جو بے حد پسند آئے۔ سلسلے وار ناول بہت خوبصورت انداز میں رواں دواں ہیں۔ سلسلے بھی سارے اچھے رہے۔ عاطف اسلم کے بارے میں پڑھ کر مزہ آیا۔ اب اجازت چاہوں گی اس یقین کے ساتھ کہ اس محفل میں میری آمد آپ کے سب کو ایک بار پھر پسند آئی ہوگی۔

ج: پیاری سی لڑکی! یقیناً تم دوشیزہ لکھنے والوں میں ایک اور اچھا اضافہ ہو۔ منعم اصغر دیکھوندا نے بالکل ٹھیک کہا ہے تمہارا نام بھی دوشیزہ میں ضرور جگمگائے گا۔ چلو جلدی سے اپنی تحریر بھیجو اور ندا ایسے ہی بھرپور تبصرے کے ساتھ محفل میں آتی رہو۔

✉: ڈیئر رضوانہ سب سے پہلے تو بہت سی دعائیں اور ڈھیر سارا شکریہ میری تحریروں اور شاعری کو دوشیزہ میں جگہ دینے کے لیے بہت آرزو تھی کہ دوشیزہ جیسے بلند معیار رسالے میں کبھی میرا نام بھی شامل ہو۔ آپ نے میری تحریروں کو اس قابل سمجھا اور 'دوشیزہ گلستان' میں مہکتی بہاروں میں میرا ذرا سا ذکر معتبر ٹھہرا۔ میں بہت خوش ہوں کہ دوشیزہ کا حصہ بنی ہوں

اس باغ میں ایک پھول کھلا ہے میرے لیے بھی
خوشبو کی کہانی میں میرا نام تو آیا

آپ کی دلنشین تحریروں کو بہت ہی سالوں سے پڑھ رہی ہوں بہت شوق سے پڑھتی تھی اور سوچتی تھی کبھی آپ سے ملوں گی تو کہوں گی کہ آپ کی تحریریں حوصلہ دیتی اور دلوں کو سکون دیتی ہیں۔ زندگی کی ہزارہا مشکلات یں ایک روزن ایسا ہے جو آپ کی تحریروں سے ہمارے دلوں میں کھلتا ہے اور تازہ ہوا سے جسم و جان معطر کر جاتا ہے۔ آپ سے بات ہوئی پہلی بار فون پر تو لگا ہی نہیں کہ اجنبی ہیں آپ کی گفتگو اور لہجے کی شیرنی نے تو مجھے حیران تو کیا ہی یہ مجھے آپ کا اور گرویدہ کر دیا۔

تم وہ دعا ہو جو مانگی جاتی ہے
سخت گرمی میں بارشوں کے لیے

دوشیزہ ہر لحاظ سے مکمل ہے اس کا ہر سلسلہ اپنی جگہ خوبصورت ہے۔ دوشیزہ کی محفل تو سب کے مل بیٹھنے کی
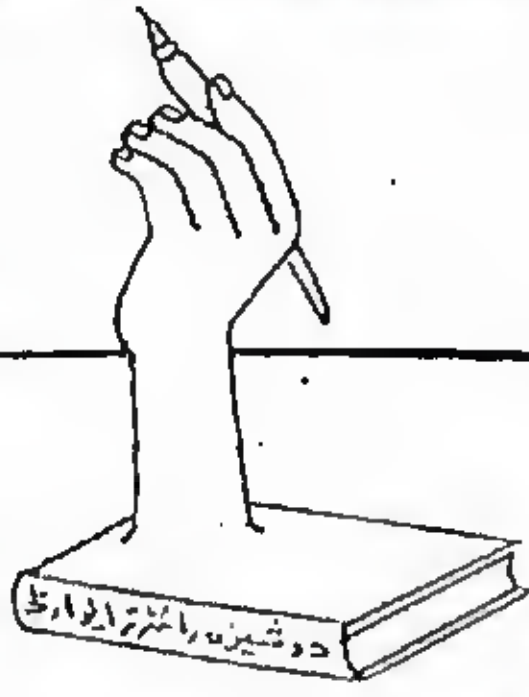
دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

نومبر 2015 کا نتیجہ، قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے

''لمحوں نے خطا کی تھی'' فوزیہ احسان رانا

آپ کی نظر میں اس ماہ ''دوشیزہ'' کی بہترین تحریر کون سی ہے؟

دوشیزہ | دسمبر 2015

عنوان: ____________________

قلم کار: ____________________

نام: ____________________

پتا: ____________________

جگہ ہے ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی اور محبتوں کے پیغامات دلوں کو چاہت سے بھر دیتے ہیں۔رفعت سراج کا دامِ دل بہترین ہے۔ رفعت سراج کی تحریر کے بارے میں کبھی بھی دورائے نہیں ہو سکتیں۔خدا نے ان کے قلم کو بہت طاقت بخشی ہے وہ جب بھی لکھتی ہیں بہترین ہی ہوتا ہے۔ARY کے پروگراموں پر تبصرہ اور فلمی خبریں مزیدار سلسلہ ہے انتخاب خاص میں اردو ادب کی خوبصورت اور نا قابل فراموش کہانیاں ذوق تسکین کا باعث بنتی ہیں۔سب کو میرا سلام اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

ج: اچھی راحت! آپ کا خط آپ کی محبت اور خلوص کی خوشبو سے مہک رہا ہے لیکن بھئی تبصرہ اس بار نا مکمل ہے۔دیکھیے ساری رائیٹرز کتنی خفگی سے آپ کو دیکھ رہی ہیں۔

✉: بہت ہی سویٹ اور کیوٹ سی رضوانہ آپی! السلام علیکم سب سے پہلے تو دوشیزہ کی ادارتی کرسی سنبھالنے پر ڈھیر ساری مبارکباد قبول کیجیے۔آپ کی آمد پر اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کروں سمجھ نہیں آیا...... بہارو پھول برساؤ میری رضوانہ آپی آئی ہیں...... شاید اب آپ میری دلی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکیں۔آپی اللہ اور اس کے رسول کی کہی باتوں میں اثر نہ ہو یہ بھلا ممکن ہے.جی ہاں یہ آپ کا حسنِ اخلاق، آپ کا گرویدہ بنا دینے والا محبت وانکسار سے بھرا ور یہ ولب لہجہ ہی تو ہے، جس نے ڈیڑھ برس بعد مجھے محفل میں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا ورنہ میرے دل کی راکھ کریدمت...... خیر آپ تو عرصے سے آواز دے رہی ہیں میں ہی کچھ کاہلی برت گئی۔وجہ وہی گھر اور بچے بحر حال امید ہے بمعہ افسانے کے آنے پر تاخیر سے معافی مل جائے گی۔تحریر کچھ مختصر ہے کیوں کہ وقت کم اور مقابلہ سخت نئے سال پر کئی جگہ تحریریں ارسال کرنے کا کام اور اس سے بڑھ کر ادارتی ذمہ داریاں جی ہاں آمد کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کے ساتھ اپنی خوشی بانٹنی تھی کیونکہ خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں نا اپنے ترقی کی دعا جو کرتے ہیں۔میں نے بھی ماہنامہ کو کنگ خزانہ میگزین کو بطور ایڈیٹر جوائن کر لیا ہے تو ذمہ داریوں کا انداز آپ کو تو بخوبی ہوگا مگر انشاء اللہ یہ سلسلہ بھی جاری و ساری رہے گا آپی ایک درخواست جو کئی بار گوش گزار کر چکی ہوں ایک بار پھر اس اُمید پر کر رہی ہوں کہ 'بال از ان یور کورٹ ناؤ۔'' براہ کرم مجھے دوشیزہ کی اعزازی کاپی مستقل بنیادوں پر ارسال کی جائے کیا بارہ سالوں کا ساتھ اس اعزاز کے قابل نہیں۔آخر میں ساتھیو، قارئین اور دوشیزہ کی ٹیم کو نئے سال کی مبارکباد اور ڈھیر ساری دعائیں ضرور کیجیے گا۔اب اجازت دیجیے۔اللہ حافظ۔

ج: بہت پیاری سویرا! تمہاری اس خوشی کو ہم سب بے حد خوشی سے Share کر رہے ہیں ہماری دلی مبارکباد قبول کرو اور قارئین سے التماس ہے کہ سویرا کے ابو کی صحت کے لیے دل سے دعا کریں۔افسانہ بھیجنے پر پیاری سی معافی مل گئی تمہیں۔

✉: بہت پیاری رضوانہ السلام وعلیکم! سچ رضوانہ! اس قدر بیزار ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی، پچھلے ماہ سے خط لکھ رہی ہوں وہ بھی UMS کے ساتھ خط غائب ہو جاتا ہے، افسانہ بھیجتی ہوں وہ ملتا ہی نہیں اور مل جائے تو لگتا ہی نہیں۔کون سا عناد ہے جو صرف میرے لیے ہے کون سی سازش ہے جو مجھے دوشیزہ سے دور کرنے کے لیے رچائی جا رہی ہے۔آپ اور منزہ پر مجھے اندھا اعتماد ہے، آپ محبت کرنے والے، پرانے لکھاریوں کو سراہنے اور نوازنے والے لوگ ہیں پھر وہ کون ہے جو تیسرا کنارہ بن کر ہم دو کے درمیان رواں دواں سازشی تلاطم بھر رہا ہے۔بہرحال میں صلح جو بندی ہوں، ہر حال میں شاکر لیکن پھر بھی شکوہ کیا ہے محض آپ کو انفارم کرنے کے لیے پلیز میری محبت اور ان

افسانوں ناولوں کا پاس رکھیے جو دوشیزہ کی زینت بن کر میری اور آپ کی پہچان بنتے ہیں۔ اب آ جایئے دوشیزہ کے تازہ شمارے پر تبصرہ کے لیے۔ اس بار دام دل کی دسویں قسط نے مزہ دیا۔ سلامت رہیں رفعت سراج صاحبہ۔ فوزیہ احسان کا لحوں نے خطا کی بھی انجام پزیر ہوا۔ اچھا تھا ٹائم پاس کے لیے فوزیہ چاہیں تو اور بہتر اسلوب کے ساتھ ناول لکھ سکتی ہیں۔ رحمن رحیم سدا سائیں مجھے اچھا لگتا ہے۔ مریم خوبصورتی سے کہانی بڑھا رہی ہیں۔ ویلڈن۔ مکمل ناول ضبط کا حوصلہ دلچسپ تھا۔ نگہت نے اچھے انداز بیان سے خوب نبھایا اپنے ناول کو جبکہ جانم سمجھا کرو بھی فوزیہ غزل کی اچھی تحریر تھی۔ آج کے دور کا المیہ اور اس کا حل..... عمدہ کاوش فوزیہ کی..... صدف آصف آج کی لکھاری ہیں غلط فہمی کو اچھا برتا اور قاری کی توجہ اپنی طرف مرکوز رکھی، یہی ایک اچھی کامیابی ہے۔ فرحین اظفر کا شکست زدہ بھی بہترین رہا۔ جبکہ دردانہ نوشین کی 'زندہ دفن کی گئی' کامن موضوع پر کامن کہانی تھی۔ دردانہ کا قلم آج کل شاہکار تخلیق نہیں کر رہا وہ یا تو بہت فراغت سے ہیں یا حد درجہ مصروف..... تھوڑی توجہ قلم کی طرف دردانہ میں تو آپ کے پرستاروں میں سے ہوں..... زندہ دفن کی گئی آپ کا اسلوب نہیں لگا۔ سوری۔ ثمینہ فیاض کی تحریر میری نظروں میں عموماً گزرتی رہتی ہے، شیشے کا محل بھی ان کے قلم سے نکلی خوبصورتی ہے مزہ آیا، معاشرے کی سوچ اور لوگوں کا پرچار گرد بن کر کردار کے آئینے دھندلا دیتا ہے۔ خوب ثمینہ آج کل عقیلہ حق میری فیورٹ ہیں تھوڑا ہٹ کے لکھتی ہیں۔ مخصوص انداز میں لیکن بے حد برجستہ بہت خوب عقیلہ، بڑی خوبصورت لگی پگلی ریشماں اور عورت۔ اللہ زور قلم بڑھائے۔ سعدیہ عزیز آفریدی کا افسانہ اترن شاید پہلے بھی میں نے کہیں پڑھا ہے' کیا یہ افسانہ مندمکرر کے طور شائع ہوا ہے.....؟ اور کیا لکھوں سارا شمارہ ایک سانس میں پڑھ با تھا یہی دوشیزہ کی کامیابی ہے۔ سارے سلسلے خوب رہے، شاعری بھی مزہ دیتی رہی اور سوال جواب بھی۔ دوشیزہ کی محفل میں نئے پرانے سب ہی چہروں سے ملاقات ہوئی۔ سب کی خدمت میں سلام۔ پیاری سنبل تم نے مجھے یاد کیا، خوشی ہوئی میں نے پوری کوشش کی تھی کہ تمہیں بائسویں سالگرہ کی مبارکباد دوں اور گفٹ میں اپنا ناول پیش کر دوں مگر میرے پاس نہ تمہارا نمبر ہے نہ ایڈریس۔ رابطہ کروں تو جانوں..... خوش رہو رضوانہ کوثر، نسیم نیازی، اور صفیہ کو بھی سلام۔ رضوانہ جی، اپنا بہت خیال رکھیے گا کہ اب ذمہ داری بڑھ گئی ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں چاہیں تو مجھے بھی محبت سے پکار سکتی ہیں مجھے خوشی ہوگی آپ سے بات کر کے۔ اجازت چاہوں گی۔ منزہ اور رخسانہ جی کو میرا محبت بھرا سلام اور دوشیزہ کے ہر فرد کو بھی میری جانب سے ضرور پوچھیے گا، اللہ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

ج: پیاری شمع! آپ کے خط کی ہر سطر ہم نے غور سے پڑھی۔ ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ آپ کو شکایات کا موقعہ نہ ملے ویسے بھی آپ کے خطوط نہ ملنا ڈاک والوں کی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ آفس میں ساری ڈاک بہت ذمہ داری سے ہمارے سپرد کی جاتی ہے ہمارے آفس کے لوگ عناد اور سازش جیسے الفاظ سے ناواقف ہیں اور رائیٹرز کی بہت Respect کرتے ہیں آپ کا ناولٹ 'پٹ جھڑ سے پہلے' ہمارے پاس محفوظ ہے۔ چلیے اب مسکرا دیں۔

✉: السلام وعلیکم دوشیزہ کی محفل میں پہلی بار شامل ہو رہی ہوں رضوانہ پرنس کی محبت سے متاثر ہو کر پہلی بار شرکت کرنے کی ہمت کر پائی ہوں رفعت سراج کا ناول دام دل دلچسپ اور خوبصورت ناول ہے۔ کہانی آگے بڑھنے کا انتظار ہے۔ رحمان رحیم سدا سائیں بلاشبہ اُم مریم کا شاہکار ناول ہے جس کی ہر قسط کا انتظار ہم بے صبری سے کرتے ہیں نفیسہ سعید آپی کو دوشیزہ میں دیکھ کر خوشی ہوئی آپی اسی طرح اپنی اچھی تحریریں

ہمارے لیے لکھتی رہیں ماہ اکتوبر میں سب ہی افسانے اچھے تھے خاص کر میری پیاری دوست ندا حسنین کا افسانہ 'ایک ملاقات' ندا تمہاری تحریروں میں ماشاء اللہ پختگی آتی جارہی ہے وہ دن دور نہیں جب ہم مصنفہ ندا حسنین کی سائنڈ بک پڑھ رہے ہوں گے ہمیں نہ بھولنا، ناولٹ اور ناول بھی خوب تھے۔ دوشیزہ کے سب سلسلے ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اللہ کرے دوشیزہ دن دگنی رات چگنی ترقی کرے۔

ھ: پیاری سی رانیہ! ہم تمہیں محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں...... دوشیزہ کے تمام سلسلے تمہیں اچھے لگے یعنی ہماری محنت وصول ہوئی...... محفل میں ہمیشہ تمہارے انتظار کریں گے آتی رہنا۔

☒: بہت ہی قابل احترام من موہنی سی میم رضوانہ پرنسز السلام وعلیکم۔ جی میں نے آپ کا یہی نام اپرود کر دیا۔ وعدے کے مطابق دوشیزہ کے سالگرہ نمبر کے لیے افسانہ حاضر ہے مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کو افسانہ پسند آئے گا اگر یہ سالگرہ نمبر کی زینت بنا اور قاری بہنوں نے بھی اسے پسند کیا تو پھر اس حوالے سے میں آپ کو ایک اچھوتا آئیڈیا دوں گی۔ مگر ابھی نہیں۔ یہ میرا پہلا افسانہ ہے جو بے حد خوشگوار، ہنستا مسکراتا اور شگفتہ سا ہے اس سے پہلے تمام افسانے خاصے سنجیدہ قسم کے تھے۔ آپ کی ماہرانہ رائے اور فیصلے کا انتظار رہے گا۔

ھ: ڈیئر شبینہ! تمہارا افسانہ مل گیا ہے...... تمہارے اچھوتے آئیڈیے کا شدت سے انتظار ہے مسکراتی اور شگفتہ تحریر جہاں لکھنے والے کو مسرور کرتی ہے وہاں پڑھنے والے بھی بہت دنوں تک اسے یاد رکھتے ہیں...... سنجیدگی اچھی چیز ہے مگر شگفتگی کے پرائے میں ہو تو دیرپا ہوتی ہے۔

☒: فصیحہ ملتان سے لکھتی ہیں، ڈیئر رضوانہ اُمید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آپ کے پیار بھرے حکم پر سالگرہ نمبر کے لیے ناولٹ حاضر ہے۔ 'سالگرہ محبت' امید کرتی ہوں کہ پسند آئے گا اور جنوری کے سالگرہ نمبر میں جگہ پائے گا میرا خط امید ہے کہ آپ کو مل گیا ہوگا جو 13-10-2015 کو پوسٹ کیا تھا۔ پلیز آپ کو ناولٹ ملے تو مجھے SmS کر کے بتا دیجیے گا کہ آپ کو مل گیا ہے۔

ھ: ڈیئر فصیحہ، تمہارا سالگرہ محبت مل گیا، انشاء اللہ سالگرہ نمبر کی زینت ضرور بنائیں گے باقی جو مشورہ تم نے خط کے آخر میں دیا ہے وہ ارباب اختیار تک پہنچا دیا ہے ہماری حدود یہیں تک تھیں...... اُمید کرتے ہیں تمہارا اور ہمارا ساتھ یونہی چلتا رہے گا۔

☒: یہ ہیں لاہور سے زمر کہتی ہیں کہ اللہ آپ سب پر ہمیشہ مہربان رہے۔ آمین۔ پیاری رضوانہ پسند صاحبہ السلام وعلیکم اللہ تعالیٰ سے آپ کی اور ادارے کے تمام اراکین وابستگین کی خیریت و عافیت کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتی ہوں اللہ ہمیشہ ہم سب ہی کو اپنی حفظ امان میں رکھے۔ آمین۔ رضوانہ جی حسب وعدہ اپنے ایک مکمل ناول کا تقریباً آدھا حصہ ارسال کر رہی ہوں جس کا عنوان ہے 'ابھی امکان باقی ہے۔ ناول کے سلسلے میں منزہ جی سے تفصیلی بات ہوئی تھی یہ ایک معاشرتی ناول ہے جس میں فطرتی رویوں اور ترتیبی مزاجوں کے علاوہ نصیب و تقدیر کے فیصلوں پر سرنگوئی میں راحت و سکون کی ترغیب نظر آئے گی۔

مجھے اُمید ہے میری گذشتہ لکھی ہوئی تحریروں کی طرح یہ تحریر بھی مکمل کر کے آپ کو ارسال کر دوں گی۔ آپ اور منزہ اس حوالے سے اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔

ایک اطلاع آپ کے توسط سے دوشیزہ قارئین کو دینا چاہتی ہوں۔ I Dream(A.R.Y D.g)

سے 14 نومبر سے' میں ادھوری' کے عنوان سے ڈرامہ نشر ہو رہا ہے (بہ وقت آٹھ بجے) دراصل یہ میرے ناولٹ' دردِ بے کراں سے ماخوذ ہے جو کہ دوشیزہ ڈائجسٹ میں اگست ستمبر 2000 میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اب کتابی شکل میں بھی دستیاب ہے اے آر وائی کی آئی پروڈکشن ہاؤس نے اس کی کہانی مجھ سے لی ہے۔ اس کا one linerاور Caricature profile کے علاوہ پہلی دو اقساط بھی میں نے لکھی تھیں اضافی کردار بھی میں نے ہی تخلیق کیے تھے۔ (ادارے کی منیجمنٹ نے پھر خود ہی اسکرپٹ لکھوانے کا فیصلہ کر لیا اور مجھے ناولٹ کی کہانی کا معاوضہ ادا کر دیا۔ بہرحال آپ اسے مناسب انداز میں شائع کیجیے گا تاکہ کوئی غلط فہمی یا بدگمانی وغیرہ نہ پیدا ہو۔ آپ جانتی ہیں ہمیں آخر یہیں رہ کر کام کرنا ہے۔ اُمید ہے آپ میری بات سمجھ رہی ہوں گی۔ اب ذرا اپنی دوشیزہ کے حوالے سے بات ہو جائے ماشاء اللہ اس بار دوشیزہ اپنے سرورق کے نکھار کے ساتھ مزید دلکش نظر آ رہی ہے اداریہ تو ہمیشہ کی طرح دل و ذہن کے تار جھنجھنا گیا منزہ سہام کی حساسیت معاشرتی بے حسی پر اشکبار ہونے کی بے بسی پر دکھی ہونے کے سوا کیا کر سکتی ہے۔ دوشیزہ کی محفل میں نئے ساتھیوں اور قارئین کی آمد روق بڑھا رہی ہے سعدیہ عزیز آفریدی آپ کی واپسی واقعی خوش کن ہے۔ خوش آمدید ہم تمہاری محبت بھری تحریروں کے منتظر ہیں شگفتہ شفیق کو اپنے آنگن کی بارات مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی رونقیں قائم رکھے اور فریح، رباب، کنزل، اپنی اپنی زندگی میں خوش و خرم رہیں شاد و باد رہیں۔ آمین۔ انٹرویوز اچھے تھے مگر تشنگی سی محسوس ہوتی رہی 'زاد راہ' کی طرز پر کوئی اور سلسلہ شروع کر دیں تو بہت اچھا ہوگا۔ لائف بوائے شیمپو کے حوالے سے مسلسل سلسلہ اچھا ہے ناول کے حوالے سے پسندیدگی بڑھ رہی ہے رفعت جو بھی لکھتی ہیں اچھا ہی لگتا ہے۔ اُم مریم کو میں ایک مخلصانہ مشورہ دوں گی کہ اپنی صلاحیتوں کو صرف ایک ہی تحریر میں قلمبند نہ کریں۔ یقیناً وہ اس سے بھی زیادہ عمدہ اور یادگار تحریریں دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ نگہت سبزواری کا نام ہو تو تحریر کا عنوان ہی نہیں تحریر بھی دلچسپ اور بہترین ثابت ہوتی ہے فوزیہ غزل اور شمع حفیظ اپنے اپنے انداز میں دوشیزہ کے رنگوں کو دل میں بھر کر ثبت کر گئیں زندگی کے معاملات کو شمع حفیظ نے بہت اچھے اور سہل انداز میں بیان کیا۔ زندگی کے مسائل نے آج انسان اور خصوصاً مسلمانوں کو توہم پرستی کی طرف مائل کر کے اس کا ایمان و عقیدہ دونوں ہی متزلزل کر دیے ہیں اس بار افسانے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ بالخصوص دردانہ نوشین، سعدیہ، عقیلہ، ثمینہ فیاض، صدف، فرحین، سب ہی نے اپنے اپنے طرز تحریر کے اگلے جھے کو پڑھنے تک رائے محفوظ ہے دوشیزہ کے باقی سلسلے بھی اچھے ہیں ڈاکٹر اقبال ہاشمی کی پروفیسر بریانی نے نیا لطف دیا۔ ان کا کوئی افسانہ بھی آنا چاہیے۔ اب اجازت دیجیے۔

ج: اچھی زمر! تمہارا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ناول مل گیا ہے پڑھ کر ضرور آگاہ کریں گے ویسے تمہاری ہمیں تحریر تو پسند ہے منزہ تک تمہاری تعریف پہنچا دی ہے وہ شکریہ کہہ رہی ہیں...... زمر محفل میں اب پابندی سے آتی رہنا۔ تم لوگوں کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔

اچھا ساتھیو! اب اپنی میزبان رضوانہ پرنس کو اجازت دیجیے۔ اور ہاں اگلے ماہ اپنے مبارکباد کے ٹوکروں کے ساتھ خوب سج دھج کے اس محفل میں آئیے گا۔ ہماری دوشیزہ اپنی سالگرہ پر آپ کا انتظار کرے گی۔ اللہ آپ سب کو ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

دعاؤں کی طالب

رضوانہ پرنس

احسن خان

وہ ہیرو جس کا شمار پاکستان کے دس خوبرو ترین مردوں میں ہوتا ہے پھر بھی اس ہیرو کا کوئی اسکینڈل نہیں بنا

ذیشان فراز

ہم: احسن یہ بتائیں کہ شوبزنس سے تعلق کب جڑا؟

احسن: میں نے 1998ء میں ماڈلنگ سے ابتداء کی پھر فلمیں کیں اور اس کے بعد ڈراموں کی طرف آیا۔

ہم: لوگ بڑی اسکرین سے چھوٹی اسکرین کی طرف آتے ہیں مگر آپ نے اُس کا الٹ کیا وجہ؟

احسن: (ہنستے ہوئے) کوئی خاص وجہ نہیں بس مجھے محسوس ہوا کہ میں ڈراموں میں زیادہ بہتر پرفارم کرسکتا ہوں۔

ہم: اچھا احسن یہ بتائیں کہ آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

احسن: کیوں عمر کا اندازہ کریں گے؟ (معنی خیز انداز میں پوچھا)

ہم: نہیں اب تو عمر کا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا جو جب تک چاہے جس عمر میں چاہے رہ سکتا ہے۔ یہ تو آپ کے فینز کے لیے پوچھ رہا ہوں۔

احسن: (زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے) یہ آپ نے سچ کہا سائنس نے بہت ترقی کرلی ہے۔ ویسے میری پیدائش 9 اکتوبر 1981ء کی ہے اور میں لندن میں پیدا ہوا تھا۔

ہم: احسن یہ بتائیں کہ آپ کا شمار پاکستان کے خوبصورت ترین دس مردوں میں ہوتا ہے کیسا لگتا ہے؟

احسن: بہت اچھا لگتا ہے اور اس کے علاوہ مجھے جو محبت اور عزت اپنے لوگوں سے ملتی ہے اُس کا تو میں دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ہم: آپ بہت ہینڈسم ہیں لڑکیاں آپ کے لیے دیوانی ہیں پھر بھی کوئی اسکینڈل نہیں، کوئی خاص وجہ؟

احسن: ارے یار مروائیں گے، کیا خطرناک سوال کررہے ہیں آپ۔

ہم: یہ ویسے میں اپنی نالج کے لیے بھی پوچھ رہا ہوں بہت بچ کر کھیلتے ہیں؟

احسن: اللہ کو مانو یار ایسا کچھ نہیں وجہ شاید میری بیوی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں

اور 3 بچوں کا باپ ہوں۔

ہم: اچھا یہ بتائیں آپ نے فلمیں کیں، ڈرامے، رئیلٹی شوز، ماڈلنگ، ڈانسنگ، سنگنگ اور ہوسٹنگ کس میں زیادہ مزا آیا؟

احسن: سب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جہاں تک ماڈلنگ کا تعلق ہے تو آپ کو فوراً ہی لوگوں کی تالیوں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کیسے ماڈل ہیں جبکہ ڈانس اور گانا بہت محنت طلب کام ہے۔ ڈرامہ اور رئیلٹی شو کم و بیش ایک سے ہی ہیں دونوں جگہ آپ کو Acting ہی کرنی ہوتی ہے۔ آج کل جو ڈرامے بن رہے ہیں وہ یکسانیت کا شکار ہیں شاید اس لیے میں دیگر کام کر کے اپنے دیکھنے والوں کو بھی اور خود کو بھی یکسانیت کا شکار ہونے سے بچانا چاہتا ہوں۔

ہم: آپ کو اگر بھارت سے فلم کی آفر آئے تو کریں گے؟

احسن: مجھے دیپتی نول صاحبہ نے فلم کی آفر کی ہے۔ فرصت ملتے ہی ضرور کروں گا۔ مجھے وہ لوگ پسند نہیں جو ہمارے ان آرٹسٹوں کو بے جا تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو بھارت میں کام کر رہے ہیں۔ بھئی اگر آپ کو آفر نہیں تو جلیں تو مت۔

ہم: آپ نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد شوبزنس کی فیلڈ میں قدم رکھا کیا یہی وجہ ہے کہ آپ بے انتہا دھیمے مزاج اور Decency کے ساتھ اپنے آرٹسٹوں کے ساتھ کام کرتے ہیں؟

احسن: جی ہاں میں نے پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی لٹریچر میں ماسٹر کیا مگر مزاج کا دھیما پن تو یقیناً مجھے اپنے والدین سے ملا ہے اور پھر میں خود بھی سمجھتا ہوں کہ خوش رہ کر اور دوسروں کے ساتھ عزت و احترام والا راستہ رکھ کر انسان بہت مطمئن رہتا ہے۔

ہم: سنا ہے آپ فلم بھی پروڈیوس کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

احسن: بالکل انشاء اللہ 2016ء میں اپنی ذاتی فلم پروڈیوس کرنے کا ارادہ ہے۔

ہم: آپ کو 2015ء میں بہترین اداکار کا ایوارڈ ملا کیسا لگا؟

احسن: (مسکراتے ہوئے) ظاہر ہے بہت اچھا لگا مگر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی اور بہت سیکھنے کی گنجائش ہے۔

ہم: احسن یہ بتائیں کہ آپ کے علاوہ آپ کے گھر سے کسی اور کو بھی اس انڈسٹری میں آنے کا شوق ہے؟

احسن: نہیں حالانکہ میری 2 بہنیں اور ہم دو بھائی ہیں مگر کسی کو بھی ایسا شوق نہیں ہاں میرے ڈرامے ضرور شوق سے دیکھتے ہیں۔

ہم: یہ بتائیں فرصت کے اوقات میں کیا کرتے ہیں؟

احسن: ویسے تو فرصت بہت کم ملتی ہے مگر جب بھی ملے میں فیملی کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے رائیڈنگ، سوئمنگ اور اچھی فلمیں دیکھنے کا کریز ہے۔

ہم: اداکار کون سا پسند ہے آپ کو؟

احسن: مجھے سر انتھونی ہاپکس بہت پسند ہیں۔

ہم: کھانے میں کیا پسند کرتے ہیں اور کلر کون سا بھاتا ہے؟

احسن: سوشی بہت پسند ہے اور Black کلر پسندیدہ ہے۔

ہم: احسن یہ بتائیں جھوٹ بولتے ہیں؟

احسن: (ہنستے ہوئے) کبھی کبھی بولتا ہوں مگر صرف اس وقت جب یہ ڈر ہو کہ میرے سچ سے تکلیف پہنچے گی۔ میں لوگوں کو دکھی نہیں دیکھ سکتا یہی میری کمزوری بھی ہے اور شاید اچھائی بھی اصل میں بچپن میں مجھے سپر مین بہت پسند تھا۔ پسند تو اب بھی ہے اس لیے شاید میں بہت چھوٹی عمر سے لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور کسی کو بھی پریشان دیکھ لوں تو خود پریشان ہو جاتا ہوں۔

ہم: سب سے ضروری سوال تو آپ سے کرنا ہی بھول گیا یہ بتائیں کہ پاکستانی کون سی اداکارائیں اور اداکار پسند ہیں؟

احسن: آپ چاہتے ہوئے بھی مجھے گھیر نہیں سکتے۔ اداکارائیں مجھے سب پسند ہیں کیونکہ تقریباً سب ہی کے ساتھ میں نے کام کیا ہے۔ مگر اداکاروں میں مجھے فواد خان اور علی ظفر بہت پسند ہیں۔

ہم: احسن آپ کا بہت شکریہ آپ نے مجھے وقت دیا اور اچھی سی چائے کا بھی بہت شکریہ۔

احسن: U R ارے جناب Welcome۔

یوں یہ ملاقات تمام ہوئی، احسن جس قدر ذہین اور خوبرو اداکار ہیں اس سے کہیں خوبصورت اس ہیرو کا دل ہے اور اس ملاقات کے بعد میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ احسن خان جیو تم ہزاروں سال۔

☆☆......☆☆

ذہین اداکارہ

تیکھے نین نقش والی ساحرہ

منشا پاشا

مونی خان

پاکستانی ڈرامہ انڈسٹری بہت خوش نصیب ہے کہ اس میں روز بروز بہترین فنکاروں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی خوبصورت اضافے میں ایک اضافہ منشا پاشا ہیں۔ نازک سی منشا پاشا کی اداکاری اس قدر جاندار ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ برسا برس سے شوبزنس کی فیلڈ سے وابستہ ہیں۔ انتہائی ماڈرن فیملی سے تعلق رکھنے والی ہماری یہ ہیروئن ان خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوتی ہیں جو آتے ہی چھا جاتے ہیں۔ منشا کہتی ہیں کہ میں یقیناً خوش نصیب ہوں کہ میرے والدین نے مجھے اپنی مرضی سے جینے کا حق دیا اور میرے شوبزنس میں آنے والے فیصلے پر میرا ساتھ دیا۔

منشا پاشا اکتوبر 1987ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں، شوبزنس کی دنیا میں 2011ء میں قدم رکھا۔ شہرذات، مدیحہ اور ملیحہ' زندگی گلزار ہے' وراثت' صبح کا ستارہ' جیسے ڈراموں سے شہرت پانے والی اداکارہ نے بہترین معاون اداکارہ کا ایوارڈ 'ہم' سے حاصل کیا۔ منشا پاشا 3 بہنیں ہیں۔ منشا نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈراموں کی دنیا میں قدم رکھا۔ شوہر کا نام اسد فاروقی ہے۔ منشا کو شاپنگ کرنا، لکھنا پڑھنا بہت پسند ہے۔ منشا نے ریمپ پر بھی واک کی اور وہاں بھی بے حساب داد سمیٹی۔ منشا کو صبح

معنوں میں شہرت 'زندگی گلزار ہے' سے ملی جس

منشا نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈراموں کی دنیا میں قدم رکھا۔ شوہر کا نام اسد فاروقی ہے۔ منشا کو شاپنگ کرنا، لکھنا پڑھنا بہت پسند ہے۔ منشا نے ریمپ پر بھی واک کی اور وہاں بھی بے حساب داد سمیٹی۔

میں انہوں نے بڑی بہن کا کردار نبھایا اور بڑی خوبی سے نبھایا۔ یہ منشا کی اداکاری کی خاصیت ہے کہ وہ اپنے کرداروں میں مکمل طور پر ڈھل جاتی ہیں نہ صرف یہ بلکہ دیکھنے والوں کو بھی اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہیں۔

منشا اپنی والدہ سے بے انتہا قریب ہیں۔ چھٹیاں یورپ میں گزارنا پسند کرتی ہیں۔ پرفیوم Dolce & Gabbana پسند ہے۔

کپڑے وہ پہننا پسند کرتی ہیں جنہیں آسانی سے Carry کر سکیں۔ محبت اور پیسے میں محبت کو اہمیت دیتی ہیں۔ منافقانہ رویوں سے نفرت کرتی

ہیں۔ اپنے آس پاس ان لوگوں کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ جنہیں وہ پسند کرتی ہیں یا جو انہیں پسند کرتے ہیں۔ منشا کا ماننا ہے کہ زندگی ایک بار ہی ملتی ہے لہٰذا بھرپور انداز میں جینا چاہیے۔

☆☆......☆☆

م ش خ

Ary ڈیجیٹل ڈیجیٹل کے پروگرام ناظرین کے لیے اب تاریخ کا حصہ بننے جارہے ہیں کیونکہ وی میوزک، Nick, H.B.O اور ڈیجیٹل پروگراموں نے جو منفرد مقام حاصل کیا ہے ان میں بے شمار پروگرام ذہنوں میں موجود ہیں۔ ARY فلم کو مقبول عام کا درجہ حاصل ہو چکا ہے اور یہی معیاری چینلز ہونے کی ضمانت ہے کیونکہ اگر چینلز کے پروگرام کا سفر طے کر رہے ہیں تو یقیناً کامیابی و کامرانی کی نشانی ہے جب جیت کی وسعت اپنے زینے طے کرتی ہے تو کام کرنے والوں کے جذبے روشن ہو جاتے ہیں، اور دل کی تقویت کے لیے اثر انگیزی کا ہونا بہت ضروری ہے Ary کے پروگرام جدید اور روایتوں سے جڑے ہوتے ہیں مانا کہ آپ کے دیے ہوئے حوصلے کی وجہ سے ہمارے پروگراموں میں فکری پختگی نمایاں ہوتی ہے Ary میں کام کرنے والے سب ایک خوبصورت قبیلے کی طرح مل جل کر اپنے ناظرین کے لیے نئے نئے موضوعات پر پروگرام تشکیل دیتے ہیں۔ Ary نیوز

ARY ڈیجیٹل کی سیریل 'ناراض' میں فیصل قریشی اور سارہ خان

کی ویب سائٹ کی کارکردگی تو کمال کی ہے لاکھوں ناظرین اور قارئین ویب باقاعدگی سے دیکھتے ہیں جس کی زندہ اس کی کامیاب ریٹنگ ہے اور اس کی کامیابی پر مبارک باد کی مستحق ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ARY ڈیجیٹل نیٹ ورک کے فن پاروں پر کہاں کہاں روشنی ڈالی جائے بس یہ سمجھ لیں کہ ناظرین نے ہمارے حوصلے بلند کر رکھے ہیں اگر ناظرین ہمیں اپنی محبت کی چھاؤں تلے نہ رکھتے تو نہ جانے

کرتے وقت یا بعد میں ہونے والی غلط فہمیوں کے نتیجے میں منگنی ختم کرتے وقت اولاد کی پسند یا ان کی مرضی نہ پوچھیں جو والدین اپنی مرضی سے اپنے بچوں کی منگنی کر دیتے ہیں اور پھر توڑ دیتے ہیں انہیں یہ علم نہیں ہوتا کہ ان کی یہ غلطی ساری عمر کے لیے اولاد کے لیے مشکلات پیدا کرتی رہے گی ویسے بھی اچھی اولاد یہ چاہتی ہے کہ والدین اپنے تجربے کی بنیاد پر ان کے لیے اچھے رشتے تلاش کریں اور پھر

ARY ڈیجیٹل کی سیریل 'میں ادھوری' میں ثانیہ شمشاد اور اصفر رحمان

ہم کیسے اپنے حوصلے بلند کر پاتے آیئے اب چلتے ہیں پروگراموں میں اس دفعہ Ary ڈیجیٹل لایا ہے اپنے ناظرین کے لیے سوپ رفعت آپا کی بہویں، سیریل بے قصور، سیریل میں ادھوری ء سیریل ناراض ڈیجیٹل سے آن ایر ہونے والے سوپ رفعت آپا کی بہویں نے ناظرین کے دلوں میں جگہ بنالی ہے اس سوپ میں تین نہایت اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ ان کا حل بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے والدین کی رضامندی سے شادی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ماں باپ رشتہ

ان کی شادی کی جائے شادی کے معاملے میں جھوٹ نہ بولا جائے کیونکہ یہ مصلحت کے نام پر جب ہر معاملے میں جھوٹ بولا جائے گا تو وقتی طور پر بہتری آجاتی ہے مگر مستقل بنیادوں پر سب سے بگاڑ پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ نسلوں تک چلتے ہیں شادی کے بعد پرانے رشتوں کو بھلا کر نئے رشتوں کی شروعات کرنی پڑتی ہے جو لڑکے لڑکیاں شادی کے بعد پرانی پسندیدگی یا محبت بھلا کر اپنے جیون ساتھی پر تمام تر محبتیں لٹاتے ہیں ان کی زندگی میں خوشیاں آجاتی ہیں اور لوگ پرانی محبتوں سے نکل نہیں پاتے وہ

دوسروں کے لیے اپنے لیے مسائل پیدا کرتے ہیں اس سوپ کو لکھا ہے مبارک کملانی اور عمران نذیر نے جبکہ ہدایت شاہد یونس کی ہیں اس کے فنکاروں میں بشریٰ انصاری، فریحہ حسن، فرح ندیم، شہزاد رضا، فیضان شیخ، نعمان حبیب اور دیگر شامل ہیں یہ سوپ پیر تا جمعرات روزانہ رات 7 بجے دکھایا جا رہا ہے سیریل ''میں ادھوری'' ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جسے خوابوں کے سفر کی دہلیز پر قدم رکھنے سے قبل ہی اپنی ممتا کے لازوال جذبے کو چھوڑ کے بنا ازدواجی زندگی کے عوض رہن رکھ دیا اور اس کی ہدایت ...

ARY ڈیجیٹل کی سیریل بے قصور میں جویریہ عباسی

انشا کی جبکہ تحریر سیما شیخ کی ہیں، اسکے فنکاروں میں اظفر رحمن، (......)، صبا حمید، حسن نیازی، عائشہ، عصمت اقبال اور دیگر افراد شامل ہیں سیریل ''میں ادھوری'' ہر ہفتہ کی رات 8 بجے دکھائی جانے کی ہدایت کار ناظف ... اور ...

ARY ڈیجیٹل کے سوپ رفعت آپا کی بہوئیں میں فریحہ حسن

ثمینہ اعجاز کی سیریل ''بے قصور'' ہر بدھ کی رات 8 بجے دکھائی جائے گی فنکاروں میں ثمینہ پیر زادہ، صبوں، وسیم عباس ساجد حسین، جویریہ عباسی، صلاہ الدین تینو شامل ہیں۔ یہ سیریل ہر بدھ کی رات 8 بجے دکھائی جا رہی ہے سیریل ''ناراض'' کی ہدایت نجف بلگرامی کی ہیں مصنف محسن علی جبکہ فنکاروں میں فیصل قریشی، سارہ خان، فہد امجد، جویریہ عباسی اور دیگر شامل ہیں یہ ہر پیر کی رات 9 بجے دکھائی جائے گی سوپ اور تمام سیریل اے آر وائی ڈیجیٹل سے دکھائی جائیں گی۔

جبکہ Hbo اور Nick سے جو سپر ہٹ فلمیں اور بچوں کے لے کارٹون دکھائے جا رہے ہیں ان کو

ناظرین نے بہت سراہا ہے H.B.O سے آن ایر ہونے والی سپرہٹ فلم جو آن ایر ہورہی ہیں ان میں

1)Intersteallr(block buster of the month)

2)Teenage Mutant Ninja Turtles

3)Mission Impossible قابل ذکر

4) Noahe

5) 300 Rise Of An Empire

Nick سے جو کارٹون بچوں کے لیے پیش کر جا رہے ہیں ان میں۔

1)Burka Avenger

2)Motu patlu (Season2)

3)oggy and the cock Roaches

4)pakram pakrai

5)Dora the Explorer

6)Jimmy Neutron

7)Spongebob SquarePants قابل ذکر ہیں۔

خوبصورت اور دلفریب نظر آنے والی ARY ویب کو ہم کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں جن کے لاکھوں میں پرستار ہیں گذشتہ دنوں پنجاب اور سندھ کے بلدیاتی الیکشن کو ویب نے جس طرح کوریج دی ہے اس کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہے جبکہ شوبزنس کے لشکارے اپنی مثال آپ ہوتے ہیں کیو ٹی وی کی بہت خوبصورتی سے قرآنی پروگراموں کی کوریج ہے اس کے لیے ویب اور ان کی ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے کیونکہ ویب کے ہیڈ اشرف صاحب ہر خبر پر اپنی خصوصی نظر رکھتے ہیں اور یہ ان کا کمال ہے۔

اور اب چلتے ہیں Qtv کے پروگراموں کی طرف لکھے جانے والے تمام پروگرام براہ راست نشر (لائیو) ہوں گے پروگرام ''خواب کیا کہتے ہیں'' اس پروگرام کو پیش کر رہے ہیں مفتی سہیل رضا امجد اس پروگرام میں خوابوں کی تعبیر بتائی جاتی ہے یہ پروگرام ہر ہفتہ کی صبح 11 بجے پیش کیا جائے گا پروگرام ''قرآن سنیے اور سنایئے'' اس پروگرام کو بھی مفتی سہیل رضا امجدی پیش کر رہے ہیں اس پروگرام میں قرآن سیکھنے اور سمجھنے کے حوالے سے تفصیلی روشنی ڈالی جارہی ہے یہ پروگرام پیر سے جمعہ تک شام 4 بجے دکھایا جاتا ہے پروگرام ''احکام شریعت'' اس پروگرام میں مفتی اکمل شریعت کے مطابق نماز، روزے، طلاق اور دیگر شرعی مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔اس کے علاوہ سوالات کے جوابات بھی شرعی ناظرین کو دیتے ہیں یہ پروگرام ہفتہ اور اتوار رات 9 بجے پیش کیا جاتا ہے پروگرام ''نعت زندگی'' اس کو پیش کر رہے ہیں سرور حسین نقش بندی جس میں معروف نعت خواہ حضرات کو بلایا جاتا ہے اور ناظرین کی فرمائش پر نعتیہ کلام پیش کیا جاتا ہے پروگرام ہر جمعہ کی رات 8 بجے دکھایا جائے گا پروگرام ''صبح بخیر'' اسے پیش کر رہی ہیں یسرا خان یہ ہر اتوار کی صبح دس بجے دکھایا جارہا ہے پروگرام روحانی دنیا کو پیش کر رہے ہیں اقبال باوا یہ پروگرام سحر اور آسیب پر مبنی ہے جس میں لوگوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔یہ پروگرام ہفتہ اور اتوار رات 12 بجے پیش کیا جاتا ہے جبکہ سحرش شیخ خواتین کے مسائل پر مبنی پروگرام ''میری پہچان'' پیر اور منگل کی رات 7 بجے پیش کر رہی ہیں۔

☆☆......☆☆

فرحت صدیقی

جہاز میں ساتھ والی سیٹ خالی دیکھ ایک دم نصرت کا خیال آ گیا۔ ساتھ والی سیٹ میری ہو گی۔ اکٹھے ہی جانا ہے۔ وہ بہت خوش تھی زندگی میں پہلی بار گھر سے نکل کر U.K کا پروگرام

تھا۔ پہلی بھتیجی کی شادی تھی خون جوش مار رہا تھا۔ کوئی ایسے تو نہیں کہتا۔' پھوپھی بھتیجی ایک ذات لیکن اس کا ویزہ ہی نہیں لگ سکا۔ بے حد دکھی ہو گئی۔ اس نے اس طرف سے سوچا ہی نہیں تھا کیونکہ جامی کا بمعہ فیملی ویزہ لگ چکا تھا۔ بے بی کا امریکہ سے لگ جاتا تھا۔ خیر اللہ کے فضل سے

بائیں طرف ایک خاتون بیٹھ چکی تھی۔ جو کوشش کے باجود سیٹ بیلٹ باندھ نہیں سکی تھیں۔ اس کو میں نے سیٹ بیلٹ باندھ دی پھر کھول دی۔ کہ اب خود لگاؤ دو تین بار کھولنے اور لگانے سے وہ خوش ہو گئی۔ پہلی بار میاں کے پاس بحرین جا رہی تھی۔ یہ قطر ائر لائن تھی۔ لمبی گوری میرون کوٹ میں خوبصورت ایرہوسٹس

میرے پاس ابھی 2017 تک کا ویزا تھا۔ دانہ پانی کی بات ہوتی ہے۔ انسان دانا پانی کے پیچھے جاتا تھا۔ اس کا شاید لکھا ہی نہیں تھا۔ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔

خوبصورت مسکراہٹ فیصل آباد سے لندن تک فلائٹ شروع ہو چکی تھی۔ جس کا ہم نے پورا فائدہ اٹھایا۔ شازیہ نام تھا خاتون کا دوحہ سے جہاز تبدیل ہونا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔'' مجھے کچھ پتا نہیں وہ بہت

گھبرا رہی تھی۔کوئی بات نہیں میں ساتھ ہوں۔شیطان کی آنت جیسا لمبا ایئرپورٹ تھا چل چل کر برا حال۔مگر ٹرانسفر کو اثر آہی نہیں رہا۔بحرین کا 6A تھا۔اس خاتون کو وہاں پہنچایا وہ بے حد شکر گزار تھی۔اس کو سارا سمجھایا کہ اب کیا کرنا ہے۔پاسپورٹ اور ٹکٹ ہاتھ میں پکڑلو۔جیسے ہی کاؤنٹر کھلے گا وہ آپ کو لاؤنج میں بھیج دیں گے۔وہ بہت خوش تھی آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں......؟

آپ کے ساتھ جب کوئی پہلی بار جہاز کا سفر کرے بس اس کو اس طرح سمجھانا اور ساتھ دینا۔جس طرح میں نے آپ کا دیا۔'' میں خدا حافظ کہہ کر واپس 5A مڑگئی۔میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

صبح سے بے تحاشا بارش۔صلاحو کا موسم اپنا تھا ہر سال آنے کا چسکا تھا۔ایمان علی،مسکان،سکینہ،میری نواسیاں اور نواسہ۔آنکھوں سے محبت ٹپکتی تھی۔بار بار لپٹ جاتے تھے۔ایئرپورٹ سے گھر سے مسکان کے بے تحاشا پیغامات۔اب کہاں ہیں کب آرہے ہیں......؟ کتنی دور ہے؟ کب آئیں گے......؟'' رخی اور عائشہ کی محبت روح میں بستی ہے۔بے حد چاہت اور عزت دیتے ہیں پردیس میں اپنوں سے ملنا کوئی ان دیس کے دور رہنے والوں کے اپنوں سے پوچھے۔

جمعہ!28 اگست۔آج ماہم کے سسرال میں قرآن خوانی تھی۔پاکستان میں تو دیگ منگوالو کام ختم۔یہاں کچھ خواتین سپارہ پڑھ رہی تھی۔

ہفتہ 29 اگست۔باربی کیو وصی کا زبردست ہوتا ہے۔ہر سال دو تین بار باربی کیو میں نے اس کے ہاتھ کا کھایا ہے۔آج چھٹی تھی ایک دن پہلے ہی مصالحہ لگا کر رکھ دیا تھا۔

لان میں ثانی کے ہاتھ کے لگائے ہوئے گلاب مہک رہے تھے۔عینی کا فون آگیا ہے زلی بے حد اداس ہوگئی ہے کہہ رہی ہے مجھے دادو یاد آرہی ہے۔ان سے کہو ابھی آجائیں۔اور پھر اس کا زاروقطار رونا مجھے اداس کرگیا۔وہ تو ایک لمحے کے لیے بھی مجھے ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتی۔علی نے اپنے بازو میرے گلے میں ڈال لیے۔''نانو......'' میں نے فوراً آنسو چھپا لیے میں ایسا کرتی رہتی ہوں اور کر رہی ہوں۔میری مسکراہٹ میری ہنسی میرے بچوں اور ان کے بچوں کے لیے اور آنسو وہ صرف میرے لیے ہیں۔

اتوار 30 اگست۔بے حد خوبصورت دن نکھرا نکھرا آسمان۔صلاحو کا یہ پارک عائشہ کے گھر کے پیچھے ہے۔بچوں کے ساتھ پارک آنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے مسکان اور سکینہ اپنا کھیل کھل رہی ہیں۔علی فٹ بال کے ساتھ مگن ہے۔۔ایک طرف جہاز بادلوں سے سر نکال آرہا ہوتا ہے تو دوسری طرف جہاز بادلوں میں چھپ رہا ہوتا ہے۔یہ آنکھ مچولی مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔جب تک بچے کھیلتے ہیں میں آنکھ مچولی کھلتی رہتی ہوں۔

کل رات کا کھانا ثانی کی طرف سے تھا۔آج ہم لندن ایسٹ عامر آغا کی طرف گئے۔یہ 1967 میں ہمارے پاکستان میں ہمسائے تھے اور میرے بھائی روی کا کلاس فیلو تھا۔دونوں ساتھ ساتھ ڈاکٹر بنے ابھی تک دوستی ہے ڈاکٹر عامر آغا کی بہن میری بھابی اور ڈاکٹر روی کی بیوی ہے۔بہت سارا پانی پلوں کے نیچے سے بہہ گیا تھا۔

اب بچے بھی ان کے جوان ہوگئے مگر دوستی کا پودا گھنا سایہ دار درخت بن چکا ہے۔ڈاکٹر سنبل نے گھر کو بے حد خوبصورت طریقے سے سجایا ہوا ہے۔خاندانی جاہ وجلال بھی نظر آتا ہے بہت مزا آیا۔ڈھیروں باتیں۔اچھی چائے اور بہت سارے لوازمات،واپسی پر دروازے پر سکینہ تھی نانو آپ کو پتا ہے کل میری سالگرہ ہے......''

بالکل میری جان دیکھو واپس آ گئی ہوں۔ عائشہ کی محبت اور ثانی کی چاہت ان دونوں کے درمیان ہمیشہ میری ذات شٹل کاک کی طرح ہوتی ہے کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ مزا آتا ہے۔

کیک کی خوشبو۔ ایمان کیک بنا چکی ہے۔ سکینہ کی سالگرہ جو ہے۔

پہیلے کے پرانے گانے اپنا ہی لطف دیتے ہیں۔

آج ساجدہ کی طرف قرآن خوانی ہے اللہ کے نام سے تقریب کا آغاز کرنا ہے اور میں رانیہ جسے ہم بے بی کہتے ہیں کیونکہ بہنوں سے چھوٹی ہے وہ کل ہی امریکہ سے پہنچی ہے۔ شادی میں شرکت کے لیے۔ بہن کا پیار کیا ہوتا ہے وہ بے بی کی آنکھوں

میں چمکتے آنسو بتا رہے ہیں۔

5 دسمبر کو عائشہ کے گھر ماہم کی مانیاں ہے سبز اور پیلے دوپٹوں سے خوبصورت کو سجایا گیا ہے۔ ڈھولکی تو روز ہی بجائی جاتی ہے۔ پچاس سال

ساجدہ ماہم کی ہونے والی ساس کا نام ہے۔ عائشہ کے گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر ہے

میں اور بے بی باتیں کرتے پہنچ گئے۔

5 ستمبر: آج ماہم کی ڈھولکی ہے ماشاء اللہ پاپا جی کے پانچ بچے تین بڑے بیٹے اور دو بیٹیاں پردیس میں جمع ہیں زندگی میں پہلی بار بھائی اپنی بیوی کے ساتھ اور اپنے اپنے بچوں کے ساتھ جمع تھے۔

''پاپا جی کی پوتی پہلی پوتی۔''

کاش وہ زندہ ہوتے تو کتنا خوش ہوتے۔ ہمیشہ خوشی اور غم پر کیوں وہ سب یاد آتے ہیں؟ جو دنیا میں نہیں ہوتے۔

پاپا جی، امی جان، منصور صاحب اور تصور یہ سب یادوں کے آسمان پر چمکتے ستارے ہیں۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی ماہم کی ڈھولکی..... عائشہ کی ڈھولکی اور گانے ایک سماں باندھ دیا۔ سعدیہ بھابی کے گانے شمائلہ بھابی کا ڈانس اور بے بی کا ایک ہی ناچنے کا انداز دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کے کونے پکڑ کر مکھیاں اڑانے کا اسٹائل اور ہنس ہنس کر برا حال۔

ماہم کی دوست جو آفس میں کام کرتی تھی انہوں نے باقاعدہ شادی مہندی کے کرتے شلوار کے ڈریس خریدنے تھے کا بچوں کے ساتھ لڈی میں شامل ہونا سب بچوں کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

چاہت، محبت کے رنگ ہر سو بکھرے ہوئے تھے خوشیاں ہی خوشیاں ماہم کے معصوم چہرے پر معصوم نور تھا بے حد پیار کرنے والی بھتیجی۔ میرے ساتھ لپٹ کر سو جاتی۔ ''پھوپھو آپ سے گلاب کی خوشبو آتی ہے۔ میری آنکھیں ساون بھادوں بن جاتی ہیں کیونکہ دادی اور پوتی کا پیار اب میری سمجھ میں آیا تھا۔

جب میں نے نیا رشتہ دل میں محسوس کیا تھا۔ نئی زندگی میں قدم رکھتے سو خدشات ہوتے ہیں۔

آج 12 ستمبر ماہم کی شادی ہے صلاحو سے لندن نواب میں انتظام ہے بے حد خوبصورت ہال کو سجایا گیا ہے ہر ٹیبل پر بیٹھنے والوں کے نام ہیں اور ساتھ ساتھ چھوٹا سا گفٹ۔ جسے خود ہاتھوں سے بچیوں نے تیار کیا ہے مہندی پر گرین اور پیلے رنگ کی چوڑیاں سب کو گفٹ کی تھی۔

ہال میں بارات آچکی ہے' ایاز اور ماہم' دونوں بے حد خوبصورت لگ رہے ہیں۔

ماں باپ کے درمیان چلتی ہوئی ماہم' ننھی' پری لگ رہی ہے جو آج بابل کے آنگن سے پیا کے دیس میں اڑ جائے گی، ایمن ماہم کی چھوٹی بہن کے چہرے پر اداسی ہے۔ بہن کی رخصتی کی۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ صلاحو میں ہی سسرال ہے۔

روزانہ کی کچھ ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔ ساجدہ کے چہرے پر خوشیوں کے ساتوں رنگ تھے۔ اکلوتے بیٹے کی اکلوتی بہو۔ میں آہستہ آہستہ ماہم کو کان میں کہہ رہی تھی۔ 'ماہم' ایاز کی والدہ کا بہت خیال رکھنا روزانہ ان کے پاس بیٹھ جانا۔ اپنی خوشیوں میں ان کو شریک کرنا آتے جاتے ان کو بتا کر جانا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اپنا بیٹا تمہیں دیا ہے۔

امی جان کی سرگوشی میرے کان میں آ رہی ہے۔ ''فرحت مبارک ہو آج میری پہلی پوتی اپنے گھر جا رہی ہے۔'' ان کے پہلو میں پاپا جی بھی مسکرا رہے ہیں۔

منظور صاحب کو ماہم سے بہت پیار تھا۔ وہ اسے ننھی کلی کہا کرتے تھے آج وہ بھی بہت خوش ہوں گے۔

ڈھول کی تاپ پر ساجدہ اور اس کی دوست اور بچیاں خوشی سے ناچ رہی ہیں انہوں نے ثانی اور رُخی کو بھی گھسیٹ لیا ہے۔ سب دائرے میں کھڑے ان کی خوشیوں کو انجوائے کر رہے تھے۔

کھانا کھانے کا وقت ہو گیا۔
سب لوگ قطار میں اپنی اپنی پلیٹ لے کر کھڑے رہے ہیں اتنے ڈسپلین اور خاموشی میں کھانا کھایا جا رہا ہے مجھے بے حد حیرت ہو رہی ہے پاکستان میں کھانے کے وقت حشر نشر کا سماں ہوتا ہے کسی کی پلیٹ میں مجھے فالتو کھانا نظر نہیں آیا۔
کھانے کے بعد ایاز کی اکلوتی بہن حمیرا چھوٹے چھوٹے خوبصورت کیک لے کر ہال میں آ چکی تھی۔ ان کو خوبصورت رنگوں سے سجایا گیا تھا۔
یہ سارے کیک اس نے خود ساری رات میں تیار کیے تھے یہ بہن کی محبت کا نذرانہ ہے جو بھابی کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔
دیکھو مجھے بالکل رونا نہیں، مجھے کوئی رلانے کی کوشش نہ کریں ماہم ایمن سے کہہ رہی تھی۔ ظاہر ہے اتنا خوبصورت میک اپ ہے۔
ثانی کیک کے پاس خاموشی سے کھڑا ہے اس کی گرین آنکھوں میں اداسی صاف نظر آ رہی ہے۔ قدرتی غم ہے۔ رُخی سب مہمانوں سے مل رہی ہے۔
ایاز اور ماہم نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا ہے جو سویٹ ڈش کی جگہ تقسیم ہو رہا ہے میں میٹھا نہیں کھا سکتی۔ پیار سے انکار کر رہا ہے اللہ کا شکر ہے شوگر نہیں ہے لیکن میٹھا میرے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔
بیٹی اللہ تعالیٰ کا خاص تحفہ ہوتی ہے گھر گھر خوشیاں اور رونق وہ اپنے ساتھ لے کر آتی ہے اور ماں باپ کے گھر سے وہ رونق لے کر سسرال چلی جاتی ہے۔ جی جان سے ان کو اپنانے کی کوشش کرتی ہے وہ ماں باپ کے لیے وہ مہمان بن کر رہ جاتی ہے تھوڑی دیر کے لیے آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔
رُخصتی کا سماں آن پہنچا...... ماہم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہیں۔ ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اور آنسو بہہ نکلے۔ اکلوتے ماموں دو عدد چچا، دو عدد پھوپھیاں اکلوتی خالہ سب ہی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ایاز پریشان سا کھڑا تھا۔ پھوپھو آپ فکر نہ کریں ماہم کو ہمیشہ خوش رکھوں گا وہ مجھے حوصلہ دے رہا ہے۔ ماہم باری باری سب سے گلے مل رہی تھی ہمیشہ خوش رہو میں نے پیار سے اس کے کان میں کہا۔ اس کے آنسو میرے کاندھے کو بھگو رہے تھے۔
بری بات میک اپ خراب ہو رہا ہے روتے روتے وہ ہنس دی۔ ہم سب اس کے ساتھ تھے۔ گیٹ تک آئے۔ دو سیٹ بے حد پیاری گاڑی میں ایاز اور ماہم کو ساتھ بٹھا دیا اور جیون بھر کے لیے نئے سفر پر روانہ ہو گئے ان کے ساتھ ڈھیروں دعائیں بھی ساتھ تھیں۔
ایک اور بیٹی رخصت ہوئی اور ثانی چپ چاپ گاڑی کی بیک لائٹ دیکھ رہے تھے۔ جو نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔
13 ستمبر کو ایک پھوپھو اور ایک خالہ ایک چاچی ماہم اور ایاز کا ناشتہ لے کر گئے۔ ساجدہ بہت خوش تھیں۔
نکھری نکھری ماہم بہت پیاری لگ رہی تھی ایاز نے شرٹ پہن رکھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا۔
Husband 2015
سرخ شرٹ پر سفید الفاظ جگمگا رہے تھے سب نے مل کر ناشتہ کیا حلوہ پوری، پائے، چنے، نان، پھل، کوک نجانے کیا کیا۔
لان میں کھلے ناسپاتی اور سیب کے درختوں کے پتے بھی ہوا کے ساتھ تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔
میں سوچ رہی تھی۔ بہت قسمت والے لوگ ہوتے ہیں جو بچیوں کی خوشیاں دیکھتے ہیں۔ شکر الحمدللہ میں ان میں شامل ہوں۔
☆☆......☆☆

میری کامیابی، لائف بوائے کے ساتھ

"لائف بوائے شیمپو... سب کا یقین کامل بنائے"

اسماء اعوان

حقیقت سے جڑی وہ کہانیاں، جو اپنے اندر بہت سارے دکھ سکھ اور کامیابی کے راز پنہاں رکھتی ہیں

ہر لڑکی کا ارمان ہوتا ہے کہ اپنے سسرال جانے سے پہلے اپنے بھیا کی شادی میں خوب دھوم دھڑکے سے شرکت کرے اور شادی کے بعد اپنی بھابی کے خوب نخرے اٹھائے بھی جائیں اور اپنے نخرے اٹھوائے بھی جائیں۔

ہائے ہائے! سارے ارمانوں پہ اوس اُس وقت پڑگئی جب بھیا جی نے شادی کے لیے فرمائش رکھ دی کہ دلہن تو ہم کسی کو بھی بنالیں گے مگر...... اُس کے بال ویسے ہونے چاہئیں جیسے لائف بوائے شیمپو میں ماڈل کے لہراتے ہیں۔

لو بھلا اب کس طرح لائف بوائے شیمپو والی بھابی ڈھونڈی جائے۔ جی ڈولنے لگا کہ جانے اب کیا ہو! ایک تو اتنی مشکل سے بھیا جی نے ہاں میں گردن ہلائی تھی۔ ورنہ تو وہ "ابھی کیا پڑی ہے" کا ورد جاپتے پھرتے تھے۔

"اللہ میاں جی! جلدی سے ایسی لڑکی ہماری بھابی بنادے جس کے بال لائف بوائے والی ماڈل جیسے ہوں۔"

اب لڑکی دیکھنے کے لیے ہم نے کمر کس لی اور کوئی ایسی جگہ نہ چھوڑی جہاں سے بھی کوئی امید برآنے کی توقع

اُس دن اچانک ہی بڑی پھوپو کی آمد ہوئی تھی۔

"علیشا! چندا ایک بہت خوبصورت لڑکی دیکھی کل میں نے۔" بڑی پھوپو نے میرے شوق کو ہوا دی۔

"ارے پھوپو! لڑکی دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارا 'لڑکا' اپنی لائف بوائے شیمپو گرل کے علاوہ کسی سے شادی پر راضی نہیں۔" میں نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے گڑیا! ایسا کرتے ہیں آج بی جان (امی کو وہ شروع سے بھابی جان کے بجائے، بی جان...... کہا کرتی تھیں) کے ساتھ چل کر نوین کے گھر کا چکر تو لگاتے ہیں۔"

"آف کورس پھوپو جانی! مگر آپ کو اپنے لاڈلے بھتیجے کی......" میرا جملہ درمیان سے اچکتے ہوئے پھوپو جانی بول پڑیں۔

"ارے سب جانتی ہوں۔ بچپن اِن ہی ہاتھوں میں گزرا ہے تم دونوں کا۔ اچھے سے جانتی ہوں تم دونوں کو۔" پھوپو نے پیار سے میرے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"لو یو پھوپو! دعا کریں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو اور ہمیں ہمارے بھیا کی مراد مل جائے۔"

"ارے بھیارے! تم دونوں مل کر کون سے ہوائی قلعے بنانے لگی ہو۔

''ارے میری پیاری بی جان! ہم ہوائی قلعے میں دلہن اڑا رہے تھے۔ آپ کی قسم آج میں ایک ہیرا آپ کے محل میں جڑنے کو دکھانے لے جارہی ہوں۔''

''ارے بی بی! تم اپنے اِن لاڈلوں سے واقف ہوتا۔ جنے کیسے کیسے شوق پال رکھے ہیں۔ لونڈیا ہے تو اس کو کسی کے کپڑے جوتے پسند نہ آئیں۔ بال الگ دوسروں کے نوچ نوچ کر گھونسلہ بنا دے ہے۔ اللہ معاف کرے شدّو کی لونڈیا کی بارات میں میرے بالوں کا وہ حشر کیا کہ لائف بوائے شیمپو کے پانچ ساشے جنے کہاں بالوں میں جا کر کھوئے تو کہیں جا کر بال سلجھے۔''

''ارے میری بھولی میا! بیک کومبنگ میں تو ایسا ہو ہی جاتا ہے۔'' علیشا ماں کے گلے کا ہار بنتی بولی تھی۔

''بی جان! ایسی بہو دکھانے جارہی ہوں جو آپ کے بال بھی ایسے بنائے کہ دنیا دیکھے۔''

''ارے کیا بیوٹی پالر والی کی لونڈیا کے ہاں رشتہ دیکھ لیا ہے تُو نے بھتو۔''

''نہیں بھئی! بہت اچھا خاندان ہے۔''

''ارے اوپرا اوپر سے سب ہی اچھے دکھے ہیں۔ بعد میں اصل دکھے ہے بھیا۔''

''بی جان! آج ہم ان کے گھر جا کر سب کچھ ٹھیک سے، اپنی آنکھوں سے دیکھ آئیں گے۔ پھر کوئی فیصلہ کرلیں گے نا۔''

''چلو بھیا ٹھیک ہے۔ چلے چلیں گے تمہارے سنگ۔''

☆......☆......☆

نوین کے گھر جا کر سب کو اطمینان ہوگیا کہ واقعی بڑی پھوپو سنگیتا نے بالکل ٹھیک گھرانہ پسند کیا تھا۔ جلد ہی دونوں طرف سے چھان بین کا مرحلہ نپٹا اور جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوگیا اور نوین، علیش احمد کی دلہن بن کر آگئی۔ علیشا کو نوین کی شکل میں بھابی کے بجائے بہن مل گئی تھی۔ دونوں کی خوب انڈراسٹینڈنگ تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے بہت اچھا لگتا ہے بھابی! جب آپ سوٹ کے ساتھ میچنگ استعمال کرتی ہیں؟'' علیشا نے لان میں [illegible] ہوئے نوین کے سجے سنورے نکھرے روپ کو دیکھ کر کہا۔

ان کے بالوں سے اٹھتی لائف بوائے شیمپو کی خوشبو نے اُن کو مزید معطر کیا ہوا تھا اور شیمپو کیے ہوئے لہراتے، چمکدار، لانبے بال نوین بھابی کی شخصیت کو مزید چار چاند لگا رہے تھے۔ وہ تو بس دیکھتی ہی رہ گئی تھی اپنی بھابی کو۔

''اچھا۔'' وہ ہنس دی۔

''یہ تو عام سی چیزیں ہیں۔ دراصل تک سک سے تیار رہنے کا مجھے ہمیشہ سے شوق ہے۔'' نوین نے اپنے ہاتھوں میں سبز چوڑیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور چوڑیاں تو مجھے ہمیشہ سے ہی بہت خوب صورت لگتی ہیں۔ رنگ برنگی، شائن کرتی، چھن چھن کرتی، اپنے ہونے کا احساس دلاتی۔'' کلائی سامنے کرکے چوڑیوں کو بجایا۔

''علیش بھائی کو بھی چوڑیاں بہت پسند ہیں۔''

''اچھا!'' ایک دبیز حیرت اس کے وجود میں اترنے لگی۔

''میرے لیے تو کہیں بھی جائیں، چوڑیاں ہی لاتے ہیں حالانکہ......'' علیشا اس کی جانب جھک کر مسکرائی۔

''مجھے چوڑیاں اتنی زیادہ پسند نہیں، مجھے کڑے اور فینسی بریسلیٹ زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ علیش بھائی تو آپ کے ہار سنگھار کے دیوانے ہوں گے۔'' شرارت سے اُس نے بھابی کی چوڑیوں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

بھیگا سا احساس اس کے دل میں اترنے لگا۔

''پلیز، رات کو یہ سب شور شرابہ اتار کر سویا کرو، میں بہت ڈسٹرب ہوتا ہوں۔'' ابتدائی دنوں کی ایک شب علیش احمد نے بڑے روڈ سے انداز میں کہہ کر اُس کے سلکی بالوں میں منہ چھپایا تھا اور اب علیشا کہہ رہی تھی کہ اسے چوڑیاں پسند ہیں۔

''آؤ ذرا اندر چلیں، لونگ پلے شروع ہونے والا ہے۔'' نوین جانتی تھی کہ ابھی علیشا کا 'بھائی نامہ' شروع ہو جائے گا۔ سو اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

اندر ساس سسر کی نوک جھونک اپنے عروج پر تھی۔ وہی قصہ تھا علیشا کے لیے جو رشتہ آیا ہوا تھا اُسے قبول کرلیا جائے یا ابھی انتظار کیا جائے۔

علیشا مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔

''تم کیا کہتی ہو بیٹا؟'' نوین کے سسر کامل احمد اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ وہ ایک دم سے گڑبڑا گئی۔ اس سے

بڑے موجود تھے اور یہ رشتہ بھی بڑی پھوپو کے جاننے والوں میں سے آیا تھا۔ انکار کی گنجائش نہیں نکلتی تھی اور اس سے مشورہ...... اُس نے ایک نگاہ میں دونوں کو دیکھا۔ دونوں ہی اس کا جواب سننے کے منتظر تھے۔

''میری مرضی......؟''

''ہاں' تم بھی اس گھر کی فرد ہو۔'' کامل احمد نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''آپ لوگ زیادہ اچھا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ دیکھنے میں تو لڑکا اچھا لگ رہا ہے' لوگ بھی اچھے ہیں' باقی آپ دیکھ لیں۔''

''علیش احمد آ جائے تو اسے بھی دکھا دیتے ہیں۔''

علیش احمد' اس نے نگاہ چرائی۔' تمہارا تو نہ آنا ہی بہتر ہے۔ بے حس انسان۔' گہری سانس لے کر وہ اٹھ گئی۔

''آپ لوگ چائے پئیں گے؟''

''نیکی اور پوچھ پوچھ؟'' کامل احمد مسکرائے۔

''مجھے مت دینا بھیا' نیند نہیں آئے گی پھر ساری رات۔ جنے کیسے رات کو چائے پی کر سو جاتے ہیں سب۔'' رفعت بیگم لیٹ گئیں۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ نیند کا چائے سے کیا تعلق ہے۔'' کامل احمد انہیں چھیڑ رہے تھے۔

''ارے میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتی ہوں کہ ہے تعلق اور وہی ہے جو کھانسی کا سگریٹ سے ہے۔'' انہوں نے جوابی کارروائی کی۔

نوین ہنستے ہوئے باہر نکل گئی۔

ان لوگوں کی یہی نوک جھونک اسے اچھی لگتی تھی۔ ان کے گھر میں ابو تو کمانے کے محاذ پر سرگرم رہے اور امی' افہام وتفہیم کی فضا استوار کیے رہیں اسی لیے جھگڑنا اسے بھی نہیں آتا تھا بلکہ اسے تو کیا' اس کی دونوں بہنوں کو بھی نہیں آتا تھا۔ بھائی کوئی تھا ہی نہیں۔ بہت سلجھی ہوئی طبیعت تھی ان سب کی۔

کاش اس کا بھی کوئی بھائی ہوتا۔ کم سے کم چھان بین ہی کر لیتا۔ علیش احمد سے مل کر ان کی نیچر کا ہی اندازہ لگا لیتا اور اب...... اپنے بیڈ پر نیم دراز ہو کر اُس نے کشن چہرے پر رکھ لیا۔

زندگی کیسے گزرے گی۔ یوں تنہا' اکیلے' اداس چہرے پر ملمع چڑھا کر' دن میں ہنسنا' راتوں کو رونا۔

آنسو آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے۔

اس کی قسمت اتنی خراب کیوں ہے۔ اگر علیش احمد اس کا نصیب نہیں تھے تو ان کا ملن کیوں ہوا' کیوں یہ رشتہ طے ہوا' میری جیسی زندہ دل لڑکی تو مر جائے گی۔

یک لخت ہی بھرا ہوا دل پھٹ گیا۔ دوسرے لمحے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

الٰہی! کیوں وہ لوگ مل جاتے ہیں جن سے قسمت کے ستارے نہیں ملتے۔

☆......☆

''بھابی' رمضان آنے والے ہیں؟'' کوئی اسائنمنٹ بناتے ہوئے علیشا نے اس کی جانب دیکھا۔

''ہوں۔'' وہ بڑے غور سے ٹاک شو دیکھ رہی تھی۔

''پھر عید' بقر عید۔ کتنی جلدی سال گزر رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وقت کو پہیے لگ گئے ہیں۔''

''ہاں۔'' اس کی جانب سر گھما کر دیکھا۔ ''یہ تو ہے۔''

''آپ کی شادی کو ایک سال ہو گیا ہے۔''

''ہیں؟'' وہ چونک گئی۔ ''ایک سال! اتنی جلدی؟ ابھی تو...... ابھی تو......'' اس کا دل سناٹوں کی راہ گزر پر ٹھہر گیا۔

''آپ لوگوں نے سال گرہ نہیں منائی؟'' ایک اور سوال اٹھا۔

''سال گرہ!'' وہ تو پہلے ہی دھچکے سے نہیں سنبھلی تھی کہ یہ دوسرا جھٹکا۔

''آپ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں؟'' کام کرتی علیشا کے ہاتھ رک گئے۔

''میرے بتانے پر یا بھائی کے بھولنے پر یا گفٹ موصول نہ ہونے پر؟'' انداز شرارتی تھا۔

اس نے جھجکے سے نگاہ چرالی۔ کیا بتاتی اسے کہ دل کیوں ٹھٹکا تھا۔ سانسیں کیوں تھم رہی تھیں۔

''اتنی جلدی وقت گزر جاتا ہے۔'' اس کے لہجے میں یاس تھا۔

''آپ کو یاد تھا نا؟'' علیشا اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''مگر بھائی کو یاد نہیں رہتا' انہیں سال گرہیں یا اہم دن یاد دلانے پڑتے ہیں اور زبردستی کے گفٹ لینے پڑتے ہیں

اور آپ کو ان کے ساتھ زبردستی ہی کرنا ہے' یاد دلانا ہے۔"
جنرل پر فیتہ لگاتے ہوئے علیشا بڑے موڈ میں باتیں کر رہی تھی۔
زبردستی کی یاد؟ اس کی انا' خودداری نے سر بلند کیا۔
محبت' اور وہ بھی مانگنے کی' نہیں' بالکل نہیں...... دل نے سرزنش کی۔
"اور میرے خیال میں شوہروں کو اس بات کا احساس دلاتے رہنا چاہیے۔" علیشا اپنی دھن میں مگن کہہ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ علیشا کو احساس ہو اور وہ کچھ سوچے اور سوال کرنا شروع کر دے اور آگہی کا کوئی در اس پر وا ہو جائے اس نے ٹوک دیا۔
"بس بھئی' بس' جو حکم مس علیشا احمد کا!" نوین نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ علیشا ہنس دی۔ "تم بیوی ہو اور نہ شوہر کے رتبے پر فائز ہو اس لیے پلیز' آگے کچھ مت کہنا۔" اسے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ علیشا خفت زدہ ہو گئی۔
"میں تو اپنا تجزیہ......"
"شکریہ آپ کا!" شرارت سے نوین نے مزید جملہ روک دیا۔
"ویسے کوئی تگڑا سا تحفہ لیجیے گا پھر' عید بھی آ رہی ہے خالی جانے مت دیجیے گا۔"
"ہاں' یہ تو ہے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے تھا اتنا اہم دن۔"
تبھی بڑی پھوپو بھی ادھر ہی آ گئیں۔ ان کا چہرہ کسی اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا۔
"خیریت پھوپو' پھوپا جانی نے گلاب جامن دے دیے ہیں کیا؟" علیشا نے چہک کر اسے دیکھا۔
"ارے میری بنو' گلاب جامن تو کیا' انہوں نے مجھے پورا ڈبہ ہی پکڑا دیا ہے۔" پھوپو نے پہلے اس کا مطلوبہ لائف بوائے شیمپو کا ایکسٹرا لارج پیک اُسے پکڑایا اور پھر اُسے گلے لگا کر پیار کیا۔ اک حسین تصور سے علیشا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ چہرہ گلابی ہو گیا۔ نوین نے نگاہیں چرا لیں۔
یہ ہم مشرقی لڑکیاں......!
اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ کیسے مشرقیت کے نام پر مٹ جاتی ہیں۔
اسے اپنا وقت یاد آنے لگا۔ جب علیش احمد کا رشتہ اس کے لیے آیا تھا تو دل میں کتنی خوشی ہوئی تھی۔ اس کی ساس نے اسے پہلے ہی نظر میں پسند کر لیا تھا۔ اُس کی دونوں بھابیاں اُس سے اسی طرح سے چھیڑ خانی کر رہی تھیں۔ آتے جاتے ذو معنی گفتگو کرتیں' شرارتی انداز' معنی خیز مسکراہٹیں' اس کے دل میں کتنی ہی دیر تک گدگدی ہوتی رہتی۔ پلکیں نادیدہ خوشی سے لرز لرز جاتی تھیں۔ عارض گرم ہو کر دہکنے لگتے۔ ایسے میں چھوٹی بھابی اگر چٹکی کاٹ لیتیں تو رنگت دو آتشہ ہو جاتی تھی۔ سنہرے روپہلے سپنے آنکھوں میں جگمگاتے اور دل میں گنگناتے تھے۔
نوین کے دل میں یادوں کی پکڑ دھکڑ ہونے لگی۔ آنکھیں سپنوں کی تعبیر پر بھیگ گئیں مگر وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے اٹھی اور باہر آ گئی۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے ٹیرس پر آ گئی۔ موسم بھی اس کے من جیسا ہو رہا تھا۔ بھیگا بھیگا اور اداس' کسی بھی پل برسنے کو تیار۔ بادلوں نے آسمان کو اسی طرح سے گھیر لیا تھا جیسے اداسیاں اس کے دل کے اردگرد اپنے پر پھیلائے رقص کرتی تھیں۔ منچلے بادلوں کی طرح گول گول گھومتی تھیں اور ادھم مچاتی تھیں۔ آنسو نم پلکوں کی دہلیز سے نکل کر رخساروں پر پھیل گئے۔
"ہم مشرقی لڑکیاں کیسے مشرقیت کے نام پر مٹ جاتی ہیں۔ کیسی سیاہ ساعتیں ہوتی ہیں' کیسے خبیث لمحے ہوتے ہیں' کیسا زخمی' فگار وقت ہوتا ہے' جو کسی نوعروس کو وصل کی پہلی شب ہی ایک عظیم دکھ سے ہمکنار کر دے۔ اس کی سماعتوں میں زہر بن کر خوب صورت آواز دھیما لہجہ اور گمبھیر لہجے کے زیروبم اترے۔
"تم اس گھر کی بہو ہو۔ اس گھر کی ہر چیز تمہاری ہے۔ سوائے میرے اور میرے دل کے' اِس کے دل میں تو......" اس کے آگے وہ کچھ کہہ نہ پایا تھا اور نوین نے اپنی آنکھ کا آنسو انگلی کی پور پر چنا۔
علیش کے دل میں لائف بوائے شیمپو کے اشتہار میں لہراتے بالوں والی حسینہ گھوم رہی تھی۔ نوین کے بال اتنے لمبے نہ تھے لیکن ان زلفوں کو ناگن ضرور کہہ سکتے تھے۔ جن کو لائف بوائے شیمپو نے جادو کر کے بہت دیدہ زیب بنا دیا تھا مگر علیش اپنے دل کا کیا کرتا۔ سو وہ پہلی ہی رات اپنا مدعا نئی عروس سے بیان کر بیٹھا۔
"ہونہہ' بھلا دل کے بعد رہ ہی کیا جاتا ہے۔"

نوین کے سارے خواب بھربھری مٹی کی طرح ہاتھ سے پھسلتے چلے گئے تھے۔ اس کی حنا آلود ہتھیلیاں خالی رہ گئیں۔ ان پر کوئی بھی لمس کسی کے نام کا نہیں ٹھہرا۔ اس کی مہندی سے رچی ہتھیلیاں دید اور تحسین کی منتظر ہی رہ گئیں۔ علیش احمد تو کسی اور کی آنکھوں کا سپنا تھے۔ کسی اور کے دل کا خواب! خود ان کی آنکھوں میں بھی کسی اور کے خواب تھے اور اس کی ذات کس قدر بے مایہ ہو گئی تھی کہ اس کا وجود ان چاہا ہے' ناپسندیدہ ہے۔ وہ سوچتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

علیش احمد نے اسے بہو بنا دیا تھا' بیوی نہیں اور جب بیوی کے حقوق' فرائض ادا نہ ہوں تو بہو کے فرائض کیسے ادا ہوں گے مگر شاید پھر ادھر سے ہی سمجھوتے کی راہ نکلتی ہے۔ اس نے بھی سمجھوتے کی نرم چادر کو اپنے وجود کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ واپس جانے کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ منزل سامنے نہیں تھی، دھند کے بادل تھے جو آکٹوپس کی طرح اسے گھیر رہے تھے مگر بات وہی، مشرقیت کی تھی۔ والدین کی عزت اور خاندانی وقار آڑے آجاتا ہے۔

ماں باپ جس وقت لڑکی کو رخصت کر دیتے ہیں تو وہ پرائی ہو جاتی ہے۔ روز آئے' ملے' ویک اینڈ پر آئے' سو بسم اللہ! ادھر اس نے دکھ کی کہانی سنا کر منتظر نگاہوں سے ماں باپ کو دیکھا کہ آپ نے پسند کیا تھا' میں نے سر جھکا دیا۔ اب......اب......میں کیا کروں؟ اور وہ بیٹی دکھ کی سل کی طرح والدین کے سینوں پر گر جاتی ہے۔

ترحم اور ترسی ہوئی نگاہیں اس کی جانب اٹھتی ہیں اور وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود میں مجرم بن جاتی ہے۔

اس نے خود ترسی' ترحم کے بجائے سمجھوتے کی چادر وقار سے اوڑھ کر آنسوؤں کا آبشار' سسکیوں کا طوفان اور چیخوں کا شور اپنے وجود میں دفن کر لیا تھا۔ یہ اس کا مقدر تھا اور جو چیز مقدر میں نہ ہو تو مقدر سے لڑنا؟ عذاب جان بننے سے بہتر تھا کہ خود پر عذاب جھیل لیں۔ اسے اپنے ماں باپ، خود سے زیادہ عزیز تھے۔

دکھ گو کہ قیامت کا تھا۔ سوال نارسائی' انا' خودداری کا تھا مگر اس کے والدین کو معلوم ہوتا تو وہ جیتے جی مر جاتے اور امی' ابو اسے کتنے عزیز تھے' کوئی اس سے پوچھتا تو بتا نہ پاتی۔

اس کی آنکھ بھر آئی!

یہ جو اک نارسائی کا دکھ ہے
بیٹی سہتی ہے
بیٹی ہر پل
اس دکھ کی مالا
سینت سینت کر رکھتی ہے
یہ جو اک سمجھوتے کی چادر ہے
بیوی اوڑھتی ہے
ہر موسم میں
تن سے لگائے رکھتی ہے
زندگی تمام کرتی ہے
لحد میں لے کر اترتی ہے
مگر کب تک......؟

اُس نے گرل پر کہنی جما کر بند مٹھی پر چہرہ ٹکا کر سامنے پھیلے سبزے کو دیکھا۔ ہل پارک کا پچھلا حصہ اس کے سامنے تھا۔ بچے کھیل رہے تھے۔ نوجوان جوڑے راز و نیاز میں مصروف تھے۔ سامنے ایک قدیم درخت تھا۔ جس کی گھنی چھاؤں کے نیچے ایک لڑکا اور لڑکی بیٹھے تھے۔ نوین نے نگاہ چرالی۔ نو بیاہتا جوڑا تھا۔ ایک دوسرے کو آئس کریم کھلاتے' ایک اسٹرا سے کولڈ ڈرنک ختم کرتے دیکھ کر اُس نے ایک اور دفعہ نظریں چرالیں۔

اس کے دل میں ایسی خواہش کبھی نہیں تھی۔ جو محبت شادی کے بعد ہوتی ہے' وہ پہلے ہونے والی محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ اس کا یقین تھا مگر......دل دکھ کی شدت سے ڈوبنے لگا۔

اس کے مقدر میں شاید محبت' محبت کا احساس' چاہت کا حصول اور چاہے جانے کا جذبہ ہی نہیں تھا۔ اُس کے کھلے سلکی بال ہوا میں لہرائے تھے۔ جھٹ اُس نے دوپٹا سر پر جمالیا۔

☆......☆......☆

علیشا کے لیے آیا ہوا پروپوزل قبول کر لیا گیا۔ سنہری خوابوں نے علیشا کی براؤن آنکھوں میں بسیرا کر لیا۔ لب ہمہ وقت مسکراتے رہتے۔ وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھے جاتی اور دل سے اس کے لیے دعا کرتی۔

''یا اللہ! اس کا دل آنگن آباد رکھنا۔ اس کو دکھی نہ کرنا۔ اس کے خوابوں کو سلامت رکھنا۔ اسے سہاگن ہی رکھنا۔ اس کی راتوں کو شب قمر کی طرح رکھنا۔

گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اس شب علیش احمد بھی آگیا۔ کئی دنوں سے آفس کی طرف سے کورس کے لیے وہ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ گھر کی

گہما گہمی میں اضافہ ہوگیا۔ عید کے اگلے ہفتے شادی تھی۔ اس گھر میں نوین کا پہلا رمضان، پہلی عید اور پہلی تیاری تھی۔ ساتھ ساتھ علیشا کی شادی تھی۔ عید کی تیاری اور شادی کی تیاری ساتھ ساتھ تھیں۔ خوب بازار آنا جانا ہو رہا تھا۔ شاپنگ، عید کی تیاریاں!

علیش احمد کے آنے کے بعد نوین کی مصروفیات میں اضافہ ہوگیا تھا۔ جب تعلقات سرد مہری کا شکار ہوں اور بھرم بھی رکھنا ہو تو پھر مصروفیات ذریعہ نجات بن جاتی ہیں۔ وہ رات گئے کمرے میں آتی۔ علیش احمد سو چکے ہوتے۔ وہ فجر تک اپنی کمر سیدھی کرتی۔ خاموشی سے ضروری امور انجام دیتی اور علی الصبح کمرے سے باہر نکل جاتی۔ اپنی ذمے داریاں ادا کرتی اور علیشا کی تیاریوں کے چکر میں اس کے کمرے میں ہی قیام کرتی۔

''بھابی! بھائی ناراض نہیں ہوتے؟''

''کس بات پر؟'' وہ تجاہل سے اسے دیکھتی۔

''اتنی رات گئے تک آپ میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ دیکھیں رات کے دو بج رہے ہیں۔''

''تو کیا ہوا؟'' اُس نے شانے اچکا کر کہا۔ ''ان کی پیاری بہن کے پاس ہوں۔'' اُس نے ہاتھ بڑھا کر علیشا کا رخسار چھوا۔

''حالانکہ اس وقت آپ کو میرے پیارے بھائی کے پاس ہونا چاہیے۔'' وہ شرارت سے ہنسی۔ نوین کے دل پر چوٹ سی لگی۔

''پھر تم کہو گی کہ بھائی نے ادھر ہی رہنا ہے۔ میں نے چلے جانا ہے۔ کچھ تو خیال کریں۔'' نوین نے مسکین سی صورت بنائی۔

علیشا نے لب بھینچ کر مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا اور پھر دونوں ہنس دیں۔

''ارے بھابی! میرا شیمپو ختم ہوگیا ہے۔ پلیز کل بھیا سے لازمی منگوا دیں۔''

''او کے! تم بھی تو میری طرح لائف بوائے شیمپو ہی استعمال کرتی ہو نا۔''

''بالکل بھابی! سب سے اچھا شیمپو تو ہے ہی ہمارا لائف بوائے شیمپو۔''

''سچ کہتی ہو۔ میرا یقین ہے لائف بوائے شیمپو۔ یقین کرو۔ جب پت جھڑ کے موسم میں بال جھڑتے ہیں تو بھی یہ لائف بوائے شیمپو اپنے اعلیٰ معیار کی بدولت ہی بالوں کو مضبوط اور توانا رکھتا ہے۔ سچی بھی مجھے کسی موسم میں بھی لائف بوائے شیمپو کی وجہ سے بالوں کے مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔''

''بالکل بھابی! میرا بھی یقین لائف بوائے شیمپو ہی ہے۔''

پھر نوین نگاہ چرا کر اس کا دوپٹہ تہہ کرنے لگی۔ علیشا کی آنکھیں چمک رہی تھیں ہیرے کی کنی کی طرح۔

اے اللہ! ان آنکھوں کے خوابوں کی آبرو رکھنا۔ نوین کے دل سے دعا نکلی۔

☆......☆......☆

''ایک بات بتاؤں؟''

اگلے دن علیشا نے چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہوں۔''

''ان کا فون آیا تھا۔''

''ان کا؟'' تعجب سے دیکھا اور سمجھی نہیں ''کس کا؟''

''وہ......وہ......عثمان کا!'' جھجک کر اُس نے پلکیں جھکا لیں۔

''ہیں......سچ! کب......کب......کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔ دل میں وسوسے سے اٹھنے لگے۔

''کہہ رہے تھے کہ آپ بہت اچھی ہیں۔ کاش منگنی کے بعد ملاقات ہو سکتی۔'' وہ درمیان میں رک کر ہنسی۔ اندرونی خوشی کا عکس اس کے چہرے پر جھلملا رہا تھا اور سکون نوین کی روح میں سرائیت کر رہا تھا۔

''اور کیا کہہ رہے تھے؟'' شرارت سے چھیڑا۔

''کیا سب کچھ بتا دوں؟'' ہنسی کا فوارہ سا فضا میں بکھر رہا تھا اور نوین نے صد شکر دل میں ادا کیا۔

''اور کچھ بھی تو کہا ہوگا؟''

''جی ہاں! اُن کو میرے بال بہت پسند آئے۔ میں نے بھی جھٹ کہہ دیا کہ اس سلسلے میں آپ ہمارے لائف بوائے شیمپو کا شکریہ ادا کریں۔''

''ہم سب کا یقین ہے لائف بوائے شیمپو۔''

علیشا کا نصیب اس جیسا نہیں ہے۔ ایک مکمل، بھرپور محبت کرنے والا رفیق، علیشا کا نصیب بننے والا ہے۔

☆......☆

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ تیزی سے کچن میں

مصروف تھی۔ ایک چولہے پر بھجیا پک رہی تھی۔ دوسرے پر قیمہ آخری مرحلے میں تھا۔ پراٹھوں کے لیے آٹا گوندھ کر فریج میں رکھ دیا تھا۔ صبح پہلا روزہ تھا۔ سحری کے لیے وقت تھوڑا ہوتا ہے اس لیے نوین نے یہ ذمے داری اٹھالی۔ ویسے بھی علیش احمد سے بچنے کے لیے راہ فرار کا یہ بہترین راستہ تھا۔

"چائے۔" وہ کاؤنٹر صاف کر رہی تھی کہ آواز پر پلٹی۔

کچن کے دروازے پر ایستادہ علیش احمد اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ "مجھے فلو ہو رہا ہے' پلیز' ایک کپ چائے مل جائے گی؟"

چائے بنانا تو دور کی بات تھی' وہ مخاطب ہونے پر حیران بھی اور پھر توجہ...... نظریں چرا کر ایک کپ چائے بنا کر مگ اس کی جانب بڑھا دیا۔ علیش احمد نے کپ تھاما اور باہر نکل گیا۔ نوین ادھر ہی کھڑی رہ گئی۔

اس کا مخاطب کرنا...... دیکھنا...... ادھر ہی کھڑے رہنا...... سب نیا تھا۔

مگر کیوں' وہ تو دیکھنا' بات کرنا پسند ہی نہیں کرتا تھا۔

اس دفعہ جب سے علیش احمد واپس آئے تھے کچھ چپ چپ سے تھے۔ اپنی سوچوں میں گم' اکثر انہیں سگریٹ اور دھوئیں کی دھند میں گم ہوتے دیکھا تھا۔ اس کے پاس حق نہیں تھا جو سوال کرتی اور مسئلہ پوچھ لیتی یا دکھے ہوئے دل پر محبت کا مرہم رکھتی۔

"ہوگی کچھ آفیشیل وجہ؟" وہ خود کو تسلی دے کر پلٹی۔

مگر ان کا مجھے مخاطب کرنا......؟ وجود پر آگہی کی برف گرنے لگی جس نے احساسات کو سن کر دیا۔ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ رہا تھا مگر جب اسے لوٹنا ہی تھا تو راستہ کیوں بھولا؟ ہوسکتا ہے یہ اس کا وہم ہو۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

ساری رات نیند نہ آسکی۔ صبح سحری کے لیے اٹھی تو دماغ اور طبیعت میں بوجھل پن تھا۔

اگلے گزرتے ہوئے دنوں نے اس کے احساس کو یقین دیا کہ علیش احمد اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اس کی جانب دیکھتے ہیں۔ اس کی توجہ چاہتے ہیں مگر وہ اپنی ذات میں سمٹ گئی۔

اتنی ہتک کے بعد' اتنی بے عزتی کے بعد اب میری ضرورت کیوں؟ جائیں جہاں جانا چاہتے ہیں' میں نے پابند نہیں کیا اور کیوں کروں گی۔

نماز پڑھتے ہوئے بے اختیار آنکھیں نم ہو جاتیں۔ دعا کے لیے اٹھی ہوئی ہتھیلیاں بے دم ہو کر گود میں گر جاتیں۔

کیا دعا مانگے؟

کبھی اس شخص کے پلٹنے کی دعا مانگی تھی' کبھی اور نہ دل بدلنے کی۔ اگر اس نے سمجھوتہ کیا تھا تو صرف اپنے خاندانی' وقار' عزت اور والدین کی محبت کے لیے' ان کی لاج کے لیے...... اسے محبت کی بھیک چاہیے تھی اور نہ مانگے کی محبت۔ دل کو یقین ہو گیا تھا یہ شخص اس کا نہیں' اس کے لیے نہیں۔ پھر جبر کیوں...... زبردستی کیوں......بس زندگی جیسے چل رہی ہے چلتی رہے گی تو اب......اب کیوں؟

اس کے وجود میں آگ سی جلنے لگی۔

میری ذات اتنی ارزاں نہیں کہ یوں بے مول ہو جائے۔

بظاہر سوتی وہ سوچوں کے گرداب بنتی رہتی۔

نوین احمد! کوئی اس کے اندر بولا تھا۔ اگر علیش احمد واپس لوٹ رہا ہے اپنے گھر کی جانب' تمہاری طرف تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا۔ تم کیا کرو گی۔ اس کی پذیرائی؟ یا تمہاری واپسی کا عمل شروع ہو جائے گا؟

اس کی ساری حسیات الرٹ ہو کر جاگ گئیں۔

☆......☆

"سنو' یہ کپڑے استری کردو۔" علیش احمد اپنا شلوار قمیص لے کر روبرو تھا۔

"علیشا سے کہہ دیں۔"

"تم......تم کر دو۔" اب وہ اس کے پہلو میں بیٹھا تھا۔

بے اختیار چونک کر سر گھما کر اُس نے اُسے دیکھا۔

"میں......میں......کیوں؟ مجھے حق تھا نہ اختیار ہے۔" اُس نے واپس سر گھما کر ہتھیلیاں مسلیں۔

"تمہیں حق بھی دے رہا ہوں اور اختیار بھی اور......" دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے یخ ہاتھوں کو تھام لیا۔

"اور میں شرمندہ بھی ہوں۔"

نوین کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

وہ دن' وہ لمحے' وہ ایک نئی دلہن کو ٹھکرائے جانے کی ذلت کا احساس' اس کے سنہری خواب اور خوابناک دن' ایک ناگواری کی لہر اٹھی۔ اور...... ازالہ کے طور پر صرف شرمندگی؟

اُس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور ایک نگاہ اس پر ڈالے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ اب فیصلے کا اختیار اس کے پاس تھا۔

کچن میں آکر بریانی کے لیے پیاز کاٹتے ہوئے وہ بے تحاشا روئی۔ یہ اس کی اہمیت تھی۔ یہ اس کی حیثیت تھی اب کیوں...... اب بھی کیوں؟ ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کیں۔ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے علیش احمد نے بے حد ملال اور شرمندگی سے اس کے رنجور اور بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

کسی اور کی محبت نے اسے اس چہرے سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب لوٹا تھا تو اسی محبت سے رنجور ہو کر۔ کتنا دکھ دیا تھا اس کی محبت نے اور کس قدر اذیت ہوتی ہے جب ہمیں اس بات کا ادراک ہو کہ جس محبت کے لیے ہم ساری دنیا کو دکھ دے رہے ہیں وہ محبت ہماری نہیں کسی اور کے لیے ہے تو...... تو کیسے دل دکھی ہوتا ہے اور جب اپنا دل دکھی ہو تو دوسرے دکھے ہوئے دلوں کا احساس بھی ہوتا ہے اور شرمندگی بھی۔

☆......☆......☆

علیش احمد آج کل اسی مرحلے سے گزر رہا تھا۔ شرمندہ بھی تھا اور احساس بھی کر رہا تھا۔ اس کے لیے یہ مرحلہ پل صراط سے کم نہیں تھا۔ جس کمال ضبط صبر اور شکر گزاری سے نوین نے یہ مرحلہ طے کیا تھا اس کی کج ادائیوں بے وفائیوں کو برداشت کیا تھا۔ حرف شکایت لبوں پر لائے بغیر۔ کوئی ملامت کیے بنا نوین نے اس کے گریز اور جدائی کو برداشت کیا تھا۔ بے شک نوین ایک اچھی لڑکی تھی۔ گھر والوں کا انتخاب لاجواب تھا۔ وہی تھا جو اپنے پیروں پر کلہاڑی مار بیٹھا تھا اور...... اب......"

آزردہ دل کے ساتھ ٹیرس پر کھڑا وہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

بادل ایک دوسرے سے ٹکرائے اور بوندوں نے شرارتیں کرنا شروع کر دیں۔ کن من کرتی بوندوں نے ہر طرف جل تھل کر دی تھی۔

ایسے میں نوین لان میں آکر اپنے تن من کو اس برکھا میں بھگونے لگی۔ علیش کا دل اُسے دیکھ کر اچھل پھل کر رہا تھا۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا وہ جا کر ابھی اُسے بانہوں میں بھر لے اتنے میں نوین اپنے بال پھیلائے اور لائف بوائے شیمپو کی بوتل سے مخصوص مقدار میں شیمپو لے کر گھنے بالوں کو شیمپو کرنے لگی۔ اُس کی عادت تھی۔ جب بھی بارش برستی تو وہ بارش کے پانی سے بال شیمپو ضرور کرتی تھی۔ اور پھر علیش کے لیے وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہو گیا۔ وہ اب لان میں تھا۔ نوین بال شیمپو کر چکی تھی۔ ابھی وہ مڑ کر لائف بوائے شیمپو کی بوتل کو رکھنے لگی ہی تھی کہ اچانک کوئی پتھر اُس کے نازک پاؤں میں چبھا اور وہ لہرا گئی۔ علیش نے اُسے سہارا نہ دیا ہوتا تو وہ کب کی زمین بوس ہو چکی ہوتی۔

وہ ٹکر ٹکر اُسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں حجاب اور سرخوشی، حیرت، مان، سمان سب کچھ تھا۔

"معاف کر دو!" علیش نے اُسے بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا۔ وہ کسمسائی مگر خود کو اس حصار سے الگ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ موسم کی جولانی نے اس رومان کو مزید دوآتشہ کر دیا تھا۔

"پلیز! میری لائف! تم میری لائف بوائے شیمپو والی وائف ہو! سو لو یو۔" یہ کہہ کر علیش نے اُس کے گلابی رخسار پر مہر محبت ثبت کر دی۔ عورت جب بیوی ہو تو اُس کے لیے یہ اتنی سی محبت ہی سب سے بڑا 'لوا ایگریمنٹ' ہوتی ہے۔

اِس محبت کی مہر کے بعد وہ دنیا جہان کی دولت کے پیپرز بھی اپنے شوہر کے نام پر سائن کر دیتی ہے۔ اور...... علیش...... وہ تو واپس لوٹ چکا تھا۔ اِک محبت میں ناکام ہو کر دوسری محبت کا کلیئرنس سرٹیفکیٹ اُس کے پاس تھا۔ سو اب کس چیز کی فکر ہوتی۔

"معاف کیا۔" یہ کہہ کر نوین اُس سے دور ہوئی۔

"مگر یاد رکھیے گا۔ اب اتنے سارے دنوں کے تمام حساب آپ سے لوں گی۔" وہ مسکرائی اور وہاں سے چل دی۔

باہر بارش کا شور بہت تیز ہو گیا تھا اور اِدھر علیش کا دل اپنی سچی محبت پا کر دھڑکنا بھول گیا تھا۔

اُس نے جب نوین کو بارش میں لائف بوائے شیمپو کرتے دیکھا تو...... اُس کے سامنے اُس کی لائف بوائے شیمپو والی گرل بالکل سامنے تھی۔ اُس نے بھی نوین کو گہری نظروں سے دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ ورنہ وہ کب کا اپنی منزل، اپنا یقین پا چکا ہوتا۔ اُس نے زوردار آواز میں ہاتھ لہرایا۔

"لائف بوائے شیمپو...... سب کا یقین کامل بنائے۔"

☆☆......☆☆

قسط 11

معاشرے کے بطن سے نکلی وہ حقیقتیں، جو دھڑکنیں
بے ترتیب کر دیں گی' رفعت سراج کے جادوگر قلم سے

چمن نے شکر ادا کرتے ہوئے کال ریسو کی۔
تھینک گاڈ..... آپ کہاں ہیں.....؟
یہی بتانے کے لیے اس وقت کال کی ہے۔ میں ایک ایمرجنسی کی وجہ سے ابھی ہاسپٹل میں ہوں۔
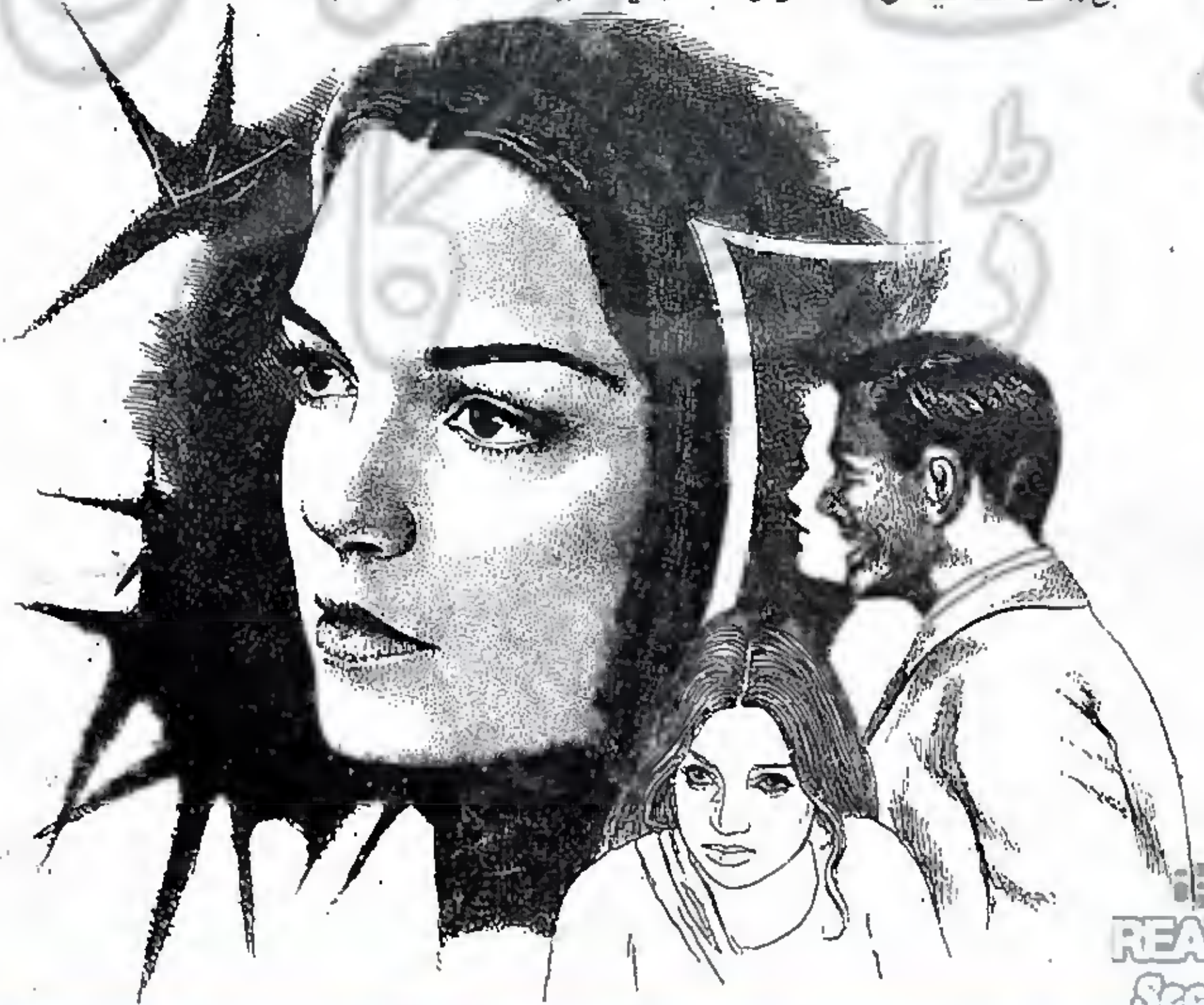
ہاسپٹل!!؟'' کیا ہوا؟ کیسے ہیں آپ......؟ چمن کے اعصاب تھکن سے چور چور تھے لفظ ہاسپٹل تو اس کے لیے ایک ہولناک دھماکہ تھا اس کی حواس باختگی کی وجہ سے ثمر کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔
الحمد اللہ میں بالکل خیریت سے ہوں...... اس وقت ایک سیریس پیشنٹ کے ساتھ ہوں۔ جیسے ہی انہیں ہوش آتا ہے میں گھر آتا ہوں۔
یہ کہہ کر ثمر نے چمن کی طرف سے کچھ سننے یا مزید سوال کا انتظار کرنے کا بھی تکلف نہیں کیا اور اپنی طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔
بچی رو رو کر اتنی نڈھال ہو چکی تھی کہ خود بخود گہری نیند میں اتر گئی اس کا سر ادھر ادھر لڑھک رہا تھا چمن اسے بڑی احتیاط سے سنبھالتی بیڈ کی طرف بڑھی۔

☆......☆......☆

یاور بری طرح الجھا ہوا تھا گھر کی چہار دیواری کے اندر عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ کسی انسان کی روح میں ضمیر کی سی کمزوری آ وز کا ارتعاش باقی ہو تو وہ زیادتی کرنے یا ہونے کے احساس سے تھوڑا سے بے چین ضرور ہو جاتا ہے یہ الگ بات کہ اسے خود وجہ سمجھ نہ آ رہی ہو...... اپنی بے چینی و بے کلی کو دوسرا کوئی نام دینا چاہ رہا ہو۔
فردوس نے بیڈ روم کی کھڑکی سے یاور کو لان میں بے قراری سے ٹہلتا دیکھ کر بڑی تشویش سے حامد حسین کو متوجہ کیا تھا۔
ارے ہمارا بچہ صدمے سے باؤلا ہو رہا ہے۔ تیسری بیٹی کوئی مذاق ہے اسے اندر لے کر آئیں...... تسلی دلاسہ دیں فردوس نے پہلے حامد حسین کا بازو دبوچ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے کھڑکی سے بیٹے کی پریشانی اور دکھ کی کیفیت رجسٹرڈ کرائی پھر اسی طرح کا حسن سلوک کرتی ہوئی، انہیں اپنے زور بازو پر کمرے سے باہر لے گئیں حامد حسین یوں کشاں کشاں کھنچتے چلے گئے۔ جیسے شدید گرمی میں ٹھنڈی نہر میں نہانے کے لیے اتر رہے ہوں۔
یاور نے اپنے ہمدرد و غم گسار والدین کو اپنی طرف آتا پایا تو جلدی سے خود کو سنبھال لیا۔
بیٹا...... مچھروں کے جلسے ہو رہے ہیں۔ یار بولتے ہوئے بھی خوف آتا ہے وہ اینگی ڈینگی کا بھی ہر وقت شور رہتا ہے۔ دشمنوں کو کچھ ہو جائے تو میں کیا کروں گی...... چلو اندر...... یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہو۔
صدمہ بہت ہی بڑا ہے مگر اللہ صبر دے ہی دیتا ہے فردوس نے دُلار کی تمام سرحدیں ایک ہی جست میں عبور کرنے کی کوشش کی۔
''صدمہ......'' یاور نے بے خیالی سے ماں کی طرف دیکھا۔
ارے تو تیسری بیٹی کیا خوشخبری ہے......؟ چلو اندر...... اندر بیٹھ کر کچھ ضروری بات کرتے ہیں...... فردوس نے پیار سے بیٹے کا بازو تھاما ضروری باتیں......؟ اب کون سی باتیں رہ گئی ہیں امی جان......؟''
ارے توبہ کیسا ڈنک مارا ہے منحوس نے...... حامد حسین نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ اپنے گال پر خود ہی تھپڑ مار کر مچھر سے انتقام لینے کی کوشش کی۔ ایسے نہ کہیں ابا جان...... اس کی حالت ابھی خطرے سے باہر نہیں تھوڑی دیر پہلے میری ڈاکٹر سے بات ہوئی تھی۔
ارے میں تو مچھر کو کہہ رہا ہوں...... اس کا تو ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا...... حامد حسین نے سخت برا مان کر کہا۔

تمہیں کیا ضرورت ہے ڈاکٹر سے بات کرنے کی......؟ اب ہمارا اس سے کیا لینا دینا...... خیر اندر چلو۔
اب انہوں نے By force یاور کو اندر کی طرف دھکیلا۔
یاور غائب دماغی کی کیفیت میں ذرا سا لڑکھڑایا پھر سنبھل کر اندر کی طرف چل پڑا۔
ارے ہم تمہاری خوشیوں کا بندوبست کرنے جا رہے ہیں شکر کرو اس بار بھی بیٹی ہوئی جان چھوٹ گئی ہماری ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔
فردوس یاور کے ہم قدم ہو کر بڑی لگاوٹ سے کہہ رہی تھیں۔
جان کیسے چھوٹ سکتی ہے امی جان...... اس کے ساتھ میری تین بیٹیاں تو ہیں۔
سمجھو جہیز میں لائی تھی...... سامان کے ساتھ واپس چلی گئیں۔
لاحولا ولا قوۃ...... سمجھنے سے کیا مسائل کا حل ہو جاتے ہیں یاور ایک دم بدک سا گیا۔ حامد حسین نے اس کے کندھے پر یوں ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا جیسے پرندے کو اڑان بھرنے سے روک رہے ہوں۔
میاں زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں...... اپنی نسل کی افزائش و بقا کے لیے دوسری شادی کرنا تمہارا پیدائشی حق ہے جو کسی کا باپ بھی تم سے نہیں چھین سکتا۔
حامد حسین کی بات مکمل ہوتے ہی وہ تینوں لاؤنج میں داخل ہو چکے تھے۔
فردوس تو صوفے پر یوں ڈھے گئیں جیسے پہاڑ کی چڑھائی مکمل ہوئی ہو دوسری شادی تو میں ضرور کروں گا کیونکہ بیٹے کی خواہش تو مجھے بھی ہے مگر ایک بات صاف کہہ دینا چاہتا ہوں......
بولو بیٹا! حامد حسین بے تابی سے گویا ہوئے...... فردوس تو بیٹے کی طرف دوسری شادی کے لیے رضامندی پا کر اپنی بے پایاں مسرت کو سنبھالنے کی کوشش میں لگ گئی تھیں...... حامد حسین نے اس دوران اپنے نصف بہتر ہونے کا ثبوت دیا ورنہ بے تابانہ کلمہ حیران فردوس کی طرف سے بنتا تھا۔
میں دوسری شادی کل ہی کرنے کو تیار ہوں مگر ایمن کو طلاق نہیں دوں گا یاور اب بہت آرام دہ حالت میں صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ ایک دھماکہ ہی ہوا تھا...... دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں یہ دھماکہ کیسا تھا......؟
ہم نے اس کا اچار ڈالنا ہے؟
اس ڈیکوریشن پیس اور ساتھ چھوٹے چھوٹے تین گل دانوں کے تمہیں کوئی اپنی بیٹی نہیں دے گا...... فردوس تو مارے طیش کے حالت غیر ہونے لگیں۔
کیا سمجھے؟ حامد حسین کا سوال بیگم سے اتفاق کا اظہار تھا
اب ایسی بھی آفت نہیں آ گئی کہ میں کل ہی شادی کر لوں...... ایمن ابھی ہاسپٹل میں ہے اس کے ڈسچارج ہونے تک آپ لوگ خاموش رہیں...... میں اس وقت بہت الجھا ہوا ہوں...... یاور نے وہ کہا جو سچ تھا درحقیقت اس کا دماغ ماؤف تھا۔ زندگی کے اہم فیصلے جھولا جھولتے ہوئے نہیں کیے جاتے۔
ماں صدقے جائے۔ ارے تمہیں الجھنوں سے نجات دلانے کے لیے ہی تو یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔100 کی ایک بات سن لو بیٹا۔ ایمن سے اب ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس تحفے کو اس کے ماں کے گھر پہنچا دو...... اپنی ہنر والی بیٹی کو سر پر رکھ کر ناچیں......

فردوس اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ پاؤں پٹختی چلی گئیں۔
ماں کو ناراض نہیں کرتے گناہ ہوتا ہے بیٹا۔ حامد حسین نے لوہا گرم دیکھ کر زوردار چوٹ لگائی۔ مگر شاید یاور کے حواس سن تھے ضرب بے کار گئی۔ ایسا ہی تھا جیسے جسم کا کوئی حصہ سن کر کے آپریشن ہو اور مریض کو چیر پھاڑ کا پتا ہی نہ چلے۔
یاور باپ کی بات کا جواب دیے بغیر طرح دے کر اندر چلا گیا۔ حامد حسین منہ دیکھتے رہ گئے۔ مہرالنسا کی طرح جس کے دونوں کبوتر اڑ گئے تھے۔

☆......☆......☆

ہوش آتے ہی شبیر حسین نے نامانوس سے در و دیوار دیکھ کر چند لمحے مراقبہ کیا کہ وہ بعد از مرگ کے مرحلے سے دوچار ہیں یا ابھی زندگی کے شکنجے میں گرفتار ہیں معاً انہیں اسپرٹ فینائل کی ملی جلی خوشبوؤں نے بری طرح چونکا دیا۔ ایک پل میں سارے حواس متحرک ہو گئے۔
یوں بھی جس عمل یا شے سے نفرت ہو، وہی یادداشت کا خاص حصہ ہوتی ہے۔
ارے ہمیں کس نے یہاں لا پٹخا......؟ مرنے کے لیے گھر سے اچھی کوئی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی......لمحوں میں پارہ سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔ نفرت و طیش کی قوت میں اتنی شدت تھی کہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھے اور پاؤں لٹکا کر نیچے چپل ٹٹولنے۔
ندا کو ذرا کی ذرا اونگھ آئی اور ہڑبڑا کر جاگی......طبل جنگ بجا تھا یا اسرافیل نے صور آخر کار پھونک ہی ڈالی تھی۔ سلیپر چھوڑ کر دوڑی۔
نانا جان پلیز لیٹے رہیے......ڈرپ لگی ہوئی ہے......یہ دیکھیے ٹیوب میں Blood آ گیا ہے۔ اس نے حواس باختہ انداز میں شبیر حسین کو لٹانے کی کوشش کی۔
ارے سالوں کشتے کھا کر چار قطرے خون بنتا ہے وہ بھی ٹیوبوں میں پھنکوا دیا۔ جو تھوڑا بہت بچ گیا ہے وہ تم پی لو، شبیر حسین نے دھاڑنے کی کوشش میں کھانسنے لگے۔
نرس آواز سن کر گرتی پڑتی اندر آئی۔
بی بی......پیشنٹ کو کیوں بٹھا دیا Blood ٹیوب میں آ رہا ہے۔ دیکھا نہیں نڈل بھی ہل گئی ہے یہ دیکھو Swelling بھی شروع ہو گئی ہے......افوہ......نرس غصے میں بڑبڑاتی ڈرپ بند کر رہی تھی کہ شبیر حسین نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ بوڑھا سمجھ کر خون خرابا کیا جا رہا ہے کہ چلو مرنے والا ہے اس کی فکر کرنے تو ضرورت نہیں ہے جاتے ٹائم زنبیل جتنی لمبی فہرست تھما دینا خون بھی ضائع کر دو اور گرہ سے لاکھ روپے کا بل بھی دو......پیچھے ہٹو......ہم گھر جا رہے ہیں۔
یہ تو بے عقل بچی ہے مگر ہم عقل کے اندھے نہیں ہیں ایک دھیلہ نہیں دیں گے پولیس بلاؤ۔
یہ دس روپے کی پانی کی تھیلی......اس میں سے چلو بھر پانی میں ڈوب کر مرو۔
شبیر حسین نے گلوکوز کے بیگ کی طرف اشارہ کر کے نرس کو جھاڑ پلائی......صبح سے شام تک بلکہ رات تک بے بس مریضوں کو جھاڑ پلانے والی کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔
ندا پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔

بزرگوار یہ کینولہ تو نکالنے دیجیے..... دیکھیے کتنی سوجن ہوگئی ہے نرس نے واقعی ایسا نرالا پیشنٹ پہلی بار بھگتا تھا، بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

خبردار..... ہاتھ مت لگانا ہم خود نکال لیں گے یہ اینولہ..... کینولہ اتنا کہہ کر، وکینولہ کے ساتھ اکھاڑ پچھاڑ کرنے لگے۔

بی بی..... آپ منہ کیا دیکھ رہی ہیں اپنے پیشنٹ کو سمجھائیے۔

نانا جان آپ رہنے دیجیے نرس کو نکالنے دیجیے، ورنہ بہت خون بہہ جائے گا۔ ندا نے نرس کی ملامت سہہ کر جلدی سے شبیر حسین کو مزید کارروائی کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔

تم گھر چلو تمہیں تو ہم پوچھیں گے صحیح کا۔ جانتی ہو ہمیں ڈاکٹر ہسپتال کے نام سے نفرت ہے، پھر بھی یہاں لے آئیں۔ شبیر حسین نے خشونت بھری نظروں نے ندا کو گھورا۔

آپ بے ہوش ہوگئے تھے۔ پھر کیا کرتی؟ ندا نے بے بسی سے صفائی پیش کی۔

ارے کوئی بے ہوش ہو جاتا ہے تو پانی کے چھینٹے مارتے ہیں، جوتی سنگھاتے ہیں۔ سر کے نیچے ہاتھ دے کر تھوڑا اوپر نیچے کرتے ہیں مریض ہوش میں آ جاتا ہے۔

آپ ایک منٹ آ کر انہیں پکڑیں میں کینولہ نکال کر انہیں بینڈیج کرتی ہوں..... جلدی آئیں یہ سو 100 برس کے ہیں آپ تو کچھ Active ہوں۔ نرس نے بڑی بدمزاجی سے ندا سے کہا۔

میں ان کو نہیں پکڑ سکتی..... مجھے دو لگا دیں گے۔ ندا نے نرس کی بدمزاجی کو کوئی اہمیت نہیں دی..... اس وقت تو وہ صرف یہ سوچ رہی تھی کہ گھر جانے کے بعد اس کی مہینوں کلاس ہوتی رہے گی۔ کیونکہ شبیر حسین کا موڈ خطرناک حد تک خراب تھا۔

نرس نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی تاکہ ایک اور نرس آ کر اس کی Help کرے چند ہی لمحوں میں ایک عمر دار بھاری بھرکم نرس آ گئی۔ یہاں سسٹر تو ہے پھر کیوں گھنٹی بجا رہی ہو.....؟''

نو آمدہ نے آتے ہی ندا پر چڑھائی کر دی۔

ارے آنٹی میں نے آپ کو بلایا ہے ایک منٹ پیشنٹ کو قابو کریں۔ میں نے کینولہ نکالنا ہے یہ دیکھیے کتنی Swelling ہوگئی ہے بڑے میاں لیٹ جاؤ اور ہاتھ ٹھیک سے رکھو۔

سینئر نرس نے اپنے خاص پروفیشنل انداز میں حکم صادر کیا۔

تم بہت نبھی ہو بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں تمہارے باپ نے یہ تربیت کی ہے.....''

یہ نہیں سوچا بیٹی ذات ہے کل کو پرائے گھر جانا ہے یہ گز بھر زبان تمہارے شوہر نے تم جیسی بدزبان عورت کے ساتھ کیسے گزارا کر لیا۔ ہسپتال میں یہی کچھ دیکھنا ہوتا ہے ہم نے وصیت میں لکھ دیا ہے ہمیں قبر میں اتار دینا مگر ہسپتال کا منہ مت دکھانا مگر اس نے من مانی کی۔ شبیر حسین نے پھر خون آشام نظروں سے ندا کو گھورا تو وہ اپنی جگہ تھر تھر کانپنے لگی۔

مگر یہ کیا..... سینئر نرس نے فوراً نوزائیدہ بچے کی طرح شبیر حسین کو دبوچا پہلی نرس نے کینولہ نکال کر اسپرٹ سے اچھی طرح صفائی کی پھر ٹیپ لگا دی۔ پلک جھپکتے ہی یہ سب کچھ ہو گیا۔ شبیر حسین ایسے اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے دیکھتے ہی رہ گئے۔

بی بی...... ان کو نیورو لوجی میں لے جائیں، اتنی عمر ہو جائے تو دماغ کے ڈاکٹر کو بھی دکھا دینا چاہیے۔

یہ کہہ کر وہ رُکی نہیں، آرمی چیف کے اسٹائل میں چلتی باہر نکل گئی۔ پہلے والی نرس نے بھی ٹیوب کینولہ، کاٹن ڈسٹ بن میں پھینکی اور منہ ٹیڑھا کر کے چلتی بنی۔ شبیر حسین اپنی طاقت اور حوصلہ مندی دکھانے کے لیے یوں بیڈ سے اترے جیسے رنگروٹ چڑھائی سے اترتے ہیں۔

نانا جان آپ ادھر چیئر پر بیٹھیں میں ایمبولینس کے لیے کہتی ہوں۔ ندا نے اپنے آنسو روکتے ہوئے بمشکل کہا تھا۔

شبیر حسین کی خفگی اس مقام پر تھی، جہاں بات کرنا یا جواب دینا توہین سمجھا جاتا تھا۔

☆......☆......☆

B.P ڈراپ ہو گیا ہے۔ Blood چڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اللہ سے دعا کرو عطیہ۔ کہ یا اللہ ان چھوٹی چھوٹی بچیوں پر رحم فرما۔

مشکور احمد نے ڈاکٹر سے تفصیلی بات کرنے کے بعد بہت دل شکستہ انداز میں عطیہ بیگم کو مطلع کر رہے تھے۔

B.P ڈراپ ہو گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے......؟'' عطیہ بیگم کو الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے، مگر مشکور احمد کے چہرے پر تحریر غم و حزن ہولانے لگا تھا۔ جب انسان قوت حیات کھو رہا ہوتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے خون کی گردش پر تو زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ خون کی معمول کی گردش قوت حیات پیدا کرتی ہے۔''

یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی مشکور صاحب...... عطیہ بیگم کے حلق سے الفاظ پھنس کر نکل رہے تھے۔

دعا کرو عطیہ...... وقت دعا ہے...... مشکور احمد کٹی ہوئی شاخ کی طرح پلاسٹک کی کرسی پر ڈھے گئے اور آنکھوں پر اپنا داہنا ہاتھ رکھ دیا۔

عطیہ بیگم کو لگا جیسے ایمن کے بجائے ان کی روح ان کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

آپ یاور کو فون کر کے تو بتا دیں...... ایسے موقع پر تو اسے یہاں ہونا چاہیے عطیہ بیگم گھورتے ہوئے بولیں۔

اس کی بیوی ہاسپٹل میں ہے، آپریشن سے بچی پیدا ہوئی ہے، اسے بتانے کی ضرورت ہے کہ اسے کہاں ہونا چاہیے۔

بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر ایسا غائب ہوا کہ ابھی تک رابطہ ہی نہیں کیا ہم اسے فون کر کے بتائیں......؟ مشکور احمد کی آواز بہت آہستہ اور دکھ سے ٹوٹ رہی تھی۔

اور اب عطیہ بیگم کی ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی وہ مشکور احمد کے برابر میں بیٹھ گئیں۔ اور دعا کے لیے آنچل پھیلا دیے جیسے بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہوں۔

میں نے تو اپنی دونوں بیٹیوں کو خدا کا سلام جان کر وعلیکم السلام کہا تھا پھر یہ کیسی آزمائش ہے۔

غلطی سے بھی بیٹا نہ ہونے کا گلہ نہیں کیا تھا۔ رب کی رضا پر راضی رہا۔

بولتے بولتے مشکور احمد کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

عطیہ بیگم کے گالوں پر آنسو تواتر سے لڑھک رہے تھے، مالک حقیقی سے رابطے کی اس منزل پر تھیں جہاں

من ختم ہو جاتا ہے صرف تو ہی تو رہ جاتا ہے۔

☆......☆......☆

ثمر صبح کاذب کے دودھیا اجالے میں گھر آیا تھا۔ بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی اسے حیرت کا زبردست جھٹکا لگا تھا۔ اس کے جہازی سائز بیڈ پر ایک نوزائیدہ ننھی پری محوخرام تھی اور اُس کے قریب ہی چمن آڑی ترچھی اس طرح سو رہی تھی۔ جیسے وہ سونا نہ چاہتی ہو مگر نیند کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہوگئی ہو۔ ثمر کو چند لمحوں میں معاملہ سمجھ آ گیا یہ اطلاع تو تھی کہ ایمن کا سیزرین ہوا ہے ظاہر ہے اس حالت میں نوزائیدہ کو سنبھالنا ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ چمن اسی لیے بچی کو اٹھا لائی ہوگی کہ بہن کو آرام ملے اس نے تھکے ہوئے اعصاب کے ساتھ حقائق کو قبول کرتے ہوئے اپنا نائٹ سوٹ وارڈ روب سے نکالا کمرے میں بہت ہلکی روشنی تھی۔ وہ جلے پیر کی بلی کی طرح اپنے معمولات انجام دے رہا تھا مگر وارڈ روب کا پٹ بند کرتے ہوئے ہلکا سا کھٹکا ہوا اور چمن چونکی نیند ٹوٹ گئی۔ وہ ثمر کو دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

آپ آ گئے؟ کیا ٹائم ہو رہا ہے؟ اس نے ہلکی روشنی میں وال کلاک کی طرف دیکھا نیند بھری آنکھوں میں کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔

ساڑھے تین بج رہے ہیں...... تم آرام کرو...... میں کھانا نہیں کھاؤں گا...... ثمر نے ایک دانستہ نظر سوئی ہوئی بچی پر ڈال کر کہا۔

آپ تو ہاسپٹل میں تھے پھر کھانا کہاں کھایا......؟ چمن نے الجھے الجھے انداز میں بے سوچے سمجھے پوچھ لیا۔

ہاسپٹل میں بھوک کسے لگتی ہے، بس چائے بسکٹ سے کام چلا لیا تھا اس وقت تھکن سے بری حالت ہے بس سونا چاہتا ہوں۔ ثمر نے پھر بچی کی طرف دیکھا تھا اور ڈریسنگ کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔

آپا کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے، بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں۔ اس لیے میں اسے لے آئی...... امی دو پہلے ہی دو بچیوں کو سنبھال رہی ہیں، چمن نے از خود وضاحت کر دی...... ثمر نے کچھ نہیں پوچھا تھا مگر بار بار بچی کی طرف جاتی نگاہ نے چمن کو وضاحت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ٹھیک ہے ظاہر ہے ایسے موقع پر تو یہ سب کرنا پڑتا ہے یہ کہہ کر ثمر نے ڈریسنگ میں چلا گیا۔

اور چمن کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا سب سے زیادہ یہی فکر دامن گیر تھی کہ محاذ ٹھنڈا ہونے کے بعد کوئی نیا محاذ نہ کھل جائے ثمر بچی کو Issue بنا کر اگلے پچھلے بدلے لینا نہ شروع کر دے مگر اس وقت اس کا صلح جو انسانیت پر مبنی طرز عمل چمن کے لیے بے انداز باعث تقویت تھا اب وہ طریقے قرینے سے لیٹ گئی۔ اس انداز میں کہ ثمر کو لیٹتے ہوئے ذرا سا بھی محسوس نہ ہو کہ آج کوئی بستر پر تیسرا بھی ہے بیڈ پر جتنا وہ حصہ استعمال کرتا تھا چمن نے اس حد کا بے حد خیال رکھا تھا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

معاً خیال آیا کہ ثمر بے اندازہ تھکا ہوا آیا ہے لیٹتے ہی سو جائے گا۔ اگر بچی نے رونا شروع کر دیا تو وہ بہت بے آرام ہوگا۔ خیال آتے ہی نیند راستے سے بھاگ گئی وہ اٹھ بیٹھی اور بچی کی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔

ثمر نے ڈریسنگ سے باہر آ کر حیرت سے چمن کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا......؟ کیا کر رہی ہو......؟''

وہ میں اسے لے کر گیسٹ روم میں چلی جاتی ہوں، اگر اس نے رونا شروع کر دیا تو آپ کی نیند خراب ہو

گی۔ صبح کے اٹھے ہوئے ہیں اگر ٹھیک سے سوئیں گے تو فریش ہوں گے۔
ٹھیک ہے تمہاری مرضی...... مجھے بہر حال کوئی اعتراض نہیں......
میں مفت کے ثواب کما رہا ہوں اور تم میرے انتظار میں rest less رہی ہو اتنا تو مجھے بھی برداشت کر لینا چاہیے وہ کالر ٹھیک کرتا ہوا بیڈ کے کنارے ٹک گیا۔
مفت کے ثواب...... جملہ مختصر مگر بلا کا معنی تھا مگر مزید سوال جواب کی گنجائش نہ تھی۔ چمن بجی اور اس کا بیگ اٹھا کر باہر چلی گئی۔
اس کے کمرے سے جاتے ہی ثمر بیڈ پر دراز ہو گیا اب ذہن کے پردے پر نہ چمن تھی نہ ایمن کی بچی۔
ندا جاگ رہی ہوگی وہ سوچ رہا تھا۔
ڈاکٹر نے جیسے ہی بتایا کہ مریض کی حالت خطرے سے باہر ہے وہ باہر سے باہر ہی گھر واپس آ گیا تھا مقصد مریض کو ہسپتال پہنچا کر فرسٹ ایڈ دلوانا تھا جو پورا ہو گیا تھا۔
ندا سوچ رہی ہوگی کہ شاید ابھی میں ہاسپٹل میں ہوں...... خیر اب جو مرضی سوچے اور جتنا مجھے کرنا تھا وہ کر چکا۔ یہ سوچ آتے ہی اس نے کروٹ لے کر آنکھیں موندلیں۔
اچھا خاصا Heavy Amount اس نے ڈیپارٹ کروایا تھا اس لیے بھی بہت زیادہ پرسکون تھا۔ مال کی خوش دلی سے قربانی دینے کے بعد یوں بھی انسان بہت زیادہ پرسکون ہو جاتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ اس نے دنیا کا مشکل ترین کام کیا ہے ہاتھ پاؤں ہلانا منہ ہلانے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کا ضمیر مطمئن تھا کہ اس نے دونوں مشکل کام خوش اسلوبی سے کیے ہیں، ہاتھ پاؤں بھی ہلائے اور جیب سے پیسہ بھی نکالا۔
اسی اطمینان کی وجہ سے بہت جلد نیند کی وادی میں اتر گیا۔ یوں بھی اعصاب اتنے شل ہو گئے تھے کہ غور فکر، عمل، نتیجہ جیسے موضوعات بے معنی ہو چکے تھے۔
نیند فطرت نہ ہوتی تو سولی پر کیوں آتی......"

☆......☆......☆

مسجدوں سے اذان فجر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ عطیہ بیگم بچیوں کی وجہ سے مجبوراً گھر چلی گئی تھیں۔ مشکور احمد اذان کے انتظار میں بیٹھے جاگ رہے تھے۔ I.C.U میں ڈاکٹر ایمن کی زندگی بچانے کی سر توڑ کوششوں میں لگے ہوتے تھے۔
عطیہ بیگم نے گھر پہنچ کر چند گھنٹوں میں دس مرتبہ فون کر کے ایمن کی حالت کے بارے میں پوچھا تھا جس کا مشکور صاحب کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ ڈاکٹر لگے ہوئے ہیں دعا کرو۔
ایک ماں کو یہ سن کر بہت ڈھارس ہو جاتی ہے کہ مسیحا میسر ہیں کوشش کر رہے ہیں۔
مشکور احمد ہاسپٹل کے احاطے میں بنی مسجد کی طرف جانے کی نیت کر کے آگے ہی بڑھے تھے کہ ڈاکٹروں دو نرسوں کے ساتھ I.C.U سے باہر آتا دکھائی دیا۔
مشکور احمد نے اُمید بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا تینوں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔
ہم نے بہت کوشش کی...... سوری...... ڈاکٹر کا ہاتھ مشکور احمد کے کندھے پر تھا مگر یوں چاندی کا ورق رکھا ہوا بالکل بھی دباؤ نہیں تھا۔

شاید جوان اولاد کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانے کی خبر سنانے والے چند لمحوں کے لیے خود بھی کشش ثقل سے آزاد ہو کر بے وزن ہو جاتے ہیں۔

مشکور احمد کے شل بوڑھے اعصاب یوں ہلے جیسے 8.2 کا زلزلے سے زمین ہلتی ہے اور ہر ایستادہ شئے منہدم ہوتی ہے۔

جواں مرگ باپ کے لیے ایک زلزلہ ہی تو ہوتی ہے زندگی بھر آفٹر شاکس لگتے رہتے ہیں۔

ناقابل فراموش حادثہ...... کلیجے کا ناسور، روح کا کینسر...... دماغ کا روگ۔

دونوں نرسوں نے بھی اداس چہروں کے ساتھ سرخمیدہ کر کے رخصت چاہی۔

تینوں آگے بڑھ گئے تھے۔ مشکور احمد کے ہاتھ معلق جیسے کسی کو گلے لگانے کے لیے بے تاب ہوں۔ کوئی ایسا غم گسار جوان کو گلے لگا کر دلاسہ دے۔

''کل نفس ذائقہ الموت۔''

کہہ کر اپنی موت کی طرف متوجہ کرے تا کہ جدائی کا صدمہ کچھ تو ہلکا محسوس ہو۔

مگر آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ایک بوڑھا بے قصور باپ...... جسے بیٹوں کا باپ ہونے کی وجہ سے عدل سے ہٹ کر جبر و قہر کے ساتھ مجرم ثابت کرنے کی 100 فیصد کوشش کی گئی تھی۔

کائنات کا تمام نظام، جہاں عدل نہیں ہوتا وہاں ظلم ہوتا ہے، جہاں ظلم ہوتا ہے فطرت مزاحم ہوتی ہے اسی لیے مظلوم کو صبر کی کیفیت بھی عطا کر دی جاتی ہے۔

کیونکہ صبر قائم رہنے میں مدد کرتا ہے جب قیام ہوگا تو ظلم مقابلہ بھی ہوگا۔

ظلم سہہ کر لوگ ہاتھ کے ہاتھ مر جائیں تو ظلم کا مقابلہ کون کرے گا۔ دائمی جدائی کی قیامت بہر حال واقع ہو گئی۔

سامنے مرحومہ کی تین بیٹیاں نانا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تینوں کی نگاہ میں ایسا مان و اعتماد تھا کہ مشکور احمد کے پتھریلے وجود میں ازلی فطری نے یوں مارا جیسے بحر مردار کناروں سے ابل گیا ہو۔

وہ عطیہ بیگم کو مطلع کرنے کا حوصلہ اکٹھا کر رہے تھے...... یاور کو فون کر کے بتانے پر طبیعت مائل نہیں ہو رہی تھی......

فطرت نے عورت کو مرد کے روحانی و جسمانی سکھ کے لیے تخلیق کیا مگر عورت کے حقوق کی نگہداشت کا بھی پابند کیا۔

راتوں کو تھکی ہاری عورت کی میٹھی نیندیں تباہ کر کے اس سے سکھ اٹھانے والے تو ویسے بھی اس کی موت واقع ہوتے ہی نامحرم ہو جاتے ہیں۔

اللہ نے ان وقتی محرموں کو قیامت تک کے اختیارات ہی نہیں دیے...... زندگی ختم...... رشتہ بھی ختم......

یاور اس سے پہلے تم میری بیٹی کو ہمیشہ کے لیے ٹھکراتے بے رحم فیصلہ سناتے۔

اس نے خود ہی تمہیں ٹھکرا دیا۔

تمہیں تو اب میری بیٹی کا چہرہ دیکھنے کی اجازت ہی نہیں...... اس کی زندگی میں چلے گئے تھے......

موت پر آ کر کیا کرو گے......؟

مشکور احمد لرزتے ہاتھوں سے عطیہ بیگم کا نمبر Dail کر رہے تھے صبر کی قوت نے غم کا پہاڑ انگلی پر اٹھایا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

عطیہ بیگم کی آنکھ جانے کب لگی تھی، دن رات کی بے آرامی اور تھکن نے فطری نیند سے خود بخود ہمکنار کر دیا تھا مگر موبائل پر ہونے والی Ring سے یوں اٹھیں جیسے کال کے انتظار میں گھڑیاں گن رہی تھیں۔ سیل اٹھا کر کالر کا نام دیکھا۔ جی مشکور صاحب...... خیریت ہے ناں......؟ ایمن کو ہوش آ گیا......؟ وہ جیسے عالم دیوانگی میں سوالات کر رہی تھیں۔

عطیہ...... بہت صبر و حوصلے کی ضرورت ہے...... میری بات توجہ سے سنو۔

جی جی بولیے میں سن رہی ہوں...... انہوں نے کانپتے کلیجے کو یوں تھاما جیسے وہ نکل بھاگے۔ ساتھ ہی سوئی ہوئی بے خبر معصوم بچیوں کی طرف دیکھا ہمارے آقا سرور کائناتﷺ نے مرگ پر نوحہ کرنے یا گریہ کرنے کو کفر کہا ہے۔ ارے اولاد اللہ کی امانت ہوتی ہے اور جس کی امانت ہوتی ہے اس کا حق ہے جب چاہے واپس لے لے...... ہم طویل عمری کی دعائیں دے تو سکتے ہیں عمر نہیں دے سکتے۔

میں یہاں کے تمام معاملات دیکھ کر نمٹا کر گھر پہنچوں گا۔ جس جس کو خبر پہنچانا ہو پہنچا دو۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں تدفین جلدی ہو تو بہتر ہے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ خدا حافظ۔

مشکور احمد نے بڑے سلیقے سے اندوہ ناک خبر پہنچا کر فون بند کر دیا۔ عطیہ بیگم کے چہرے پر وحشت برسنے لگی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی اپنے موبائل کی طرف کبھی بچیوں کی طرف دیکھا کرتیں۔

چند لمحے تو خود کو یقین دلانے میں ہی گزر گئے کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب نہیں دیکھ رہی ہیں بلکہ بھیانک حقیقت سے دوچار ہیں۔

ایمن چلی گئی......؟ ماں کا خیال بھی نہ کیا...... اولاد کا بھی نہ سوچا...... وحشت بڑھنے لگی۔ مگر قیامت کا ضبط کرنا تھا...... ایک سنگین مرحلہ درپیش تھا کہ ان معصوم بچیوں کو کیسے بتائیں کہ وہ ماں کے سائے سے محروم ہو گئی ہیں۔

دُکھ توقع سے بڑا ہو تو ذہن ایک حد پر رُک کر منجمد ہو جاتا ہے۔ انہیں خوف لاحق ہوا کہ وہ کہیں حواس نہ کھو بیٹھیں۔

پھر بچیاں کیا کریں گی......؟

ایک دے کر تین وصول کیں۔ گھر بھر گیا مگر دل خالی ہو گیا۔ ماں کا دل تو ایک وسیع آنگن ہوتا ہے...... جب تک زندہ رہتی ہے اس آنگن میں اس کے بچے کھیلتے رہتے ہیں چاہے ان کی عمریں کتنی بھی ہو جائیں۔

ایمن چلی گئی...... ارے ماں سے کچھ کہہ سن لیا ہوتا...... وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح بستر پر ڈھے گئیں۔

دل تو چاہتا تھا اتنا روئیں کہ حشر اٹھا دیں۔

اتنا چیخیں کہ گویائی تھک کر سلب ہو جائے۔ مگر دیندار عورت کے مومنانہ صفات کے حامل شوہر نے شروع ہی میں حدیثﷺ سنا کر انہیں صبر کا پابند کر دیا تھا ایمان قبر میں ساتھ جاتا ہے۔ اولاد نہیں جاتی...... کبھی ماں باپ پہلے چلے جاتے ہیں کبھی اولاد...... کون ہمیشہ کسی کے ساتھ رہتا ہے۔

مگر شروع کے تین دن کے سوگ کی اجازت تو دیتی ہے کیوں کہ خالق نے فطرت تخلیق کی ہے...... قوانین وضع کیے؛ وہ جانتا ہے کہ پیاروں کی دائمی جدائی کا واقعہ یادداشت کا زخم ہوتا ہے جو صرف صبر کے مرہم سے ہی اچھا ہوتا ہے۔

عطیہ بیگم فی الفور چمن کو مطلع کر دینا چاہتی تھیں...... انہیں شدت سے کسی سچے غم گسار کی ضرورت تھی مگر قوت حیات کی اتنی قلت ہو رہی تھی کہ موبائل اٹھا کر چمن کا نمبر ملانا پہاڑ کھود دینے جیسا تھا آنسو سینے میں گھٹ رہے تھے۔

آنسو بھی تو کسی غم گسار کا انتظار کرتے ہیں

جیسے ہی نظر آتا ہے تو بند توڑ کر نکلتے ہیں اور پھر رکنے کا نام نہیں لیتے ایمن کی صورت نظروں میں گھوم رہی تھی۔

اسکول سے آ کر بیگ ادھر اُدھر ڈالتی ہوئی......

جوانی کی علامتیں ماں سے گھبرا کر شرما کر رو رو کر Share کرتی ہوئی پھر کالج کی پڑھائی میں راتوں کو جاگتی ہوئی......

شادی کی تیاریاں کرتی ہوئی...... پہلے بچے کی ماں بننے کے عمل کے دوران خوبصورت خیالات میں کھوئی آنے والے مہمان کے سواگت کی تیاریاں کرتی ہوئی۔

پھر ہر وقت اداس، کڑھتی سلگتی صورت، ڈیریشن، آنسو...... جان چھوٹی میری بچی کی...... ایک انگارہ دہکتی آہ سینے سے نکلی غم...... اور ایسا غم کہ زندگی میں ملنے والی کوئی خوشی بھولے سے بھی نہیں یاد آئے۔

جیسے غم کی مٹی سے بن کر بس غم ہی غم ہوئے......

اس محل میں کوئی آنے والی خوشی کے خواب دکھانے کی کوشش کرے تو جی چاہے کھینچ کر ایک طمانچہ رسید کریں......

جوان اولاد کا مرا منہ دیکھنا کوئی مذاق ہے......؟

انہوں نے ریزہ ریزہ بکھرتے اعصاب کو مجتمع کرنے کی مقدور بھر کوشش کی کہ کسی طرح چمن کو فون کر کے اطلاع دے دیں...... باقی پھر وہی سنبھالے میں کیوں کسی کو بتاؤں کہ میری کوکھ اجڑ گئی ہے۔

ڈھونڈنے والوں مجھے خود ڈھونڈو...... یہ سوچ کر کہ کہیں میں تو نہیں چل بسی...... غم نے تو مجھے تو نہیں کھا گیا......!"

اب دکھ دیوانگی میں تبدیل ہو چکا تھا بے سروپا، بے محابا...... اور منتشر خیالات کی یلغار تھی۔

غم کی قوت خوشی کی قوت سے لاکھوں گناہ زیادہ ہوتی ہے۔ عظیم صدمے نے بیگم کو تنہائی کا خوف دلا کر ایک جھٹکے سے اٹھا کر بٹھا دیا تھا آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے چمن کا نمبر Search کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ایمن کی بچی جس کا تا حال کوئی نام نہیں رکھا گیا تھا۔ نور کے تڑکے جاگ گئی تھی۔ چمن نے ننھی سی فیڈر سے اسے دودھ پلانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے ذرا سا پی کر آنکھیں موند لی تھیں...... چمن کی نیند چونکہ ٹوٹ گئی تھی اس لیے اُسے ٹائم دیکھنے کا خیال آیا تا کہ وہ ثمر کے ناشتے وغیرہ کا انتظام کرے اور بچے کے سونے کا فائدہ

انھائے مگر ڈر رہی تھی بچی کو گود میں اٹھا کر لاؤنج میں کیسے لے کر جائے اگر وہ جاگ کر پھر رونے لگی تو کام ویسے ہی رک جائے گا۔
اس کشمکش میں تھی کہ ثمر نیند بھری آنکھوں کے ساتھ گیسٹ روم میں نمودار ہوا..... اس کے ہاتھ میں چمن کا موبائل تھا۔
آنٹی کی کال آ رہی تھی میں نے اٹھایا تو Discounect ہوگئی۔ تم ملا کر بات کو لو۔
امی..... صبح صبح..........؟ انجانے اندیشے سے دل بڑے زور سے دھڑکا۔
ثمر اسے موبائل تھما کر واپس جا چکا تھا۔
چمن نے ایک نظر بچی کی طرف دیکھا پھر لرزتے ہاتھوں سے موبائل سنبھال کر عطیہ بیگم کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔
مگر نمبر انگیج تھا..... شاید وہ دوبارہ ٹرائی کر رہی تھیں۔
چمن نے اب توقف کیا..... فوراً ہی عطیہ بیگم کی دوبارہ کال آ گئی۔
چمن نے بے تابی سے ریسیو کی اور لرزتے کانپتے دل سے سلام کیا۔
السلام وعلیکم امی..... خیریت ہے ناں..... آپا کو ہوش آ گیا؟ وعلیکم السلام میری بیٹی..... مجھے اس وقت تمہاری بہت ضرورت ہے بہت مشکل سے خود کو سنبھال پا رہی ہوں۔ عطیہ بیگم بھرائی آواز میں کہہ رہی تھیں۔ سماعت کرب سے چیخنے لگی۔
امی کیا ہوا.....؟ آپ رو رہی ہیں؟ چمن کی آواز کمتر ہوتی ہوگئی۔
اکیلی ہوگئی ہوں بیٹا..... وہ تو چلی گئی..... اللہ نے اسے تمام تر تکلیفوں سے نجات دے کر اسے سکھ کی نیند سلا دیا۔
امی..... چمن کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔ اس کے بعد قوت گویائی ہی گم ہوگئی۔
عطیہ بیگم نے رقت کی شدت سے عاجز آ کر سلسلہ منقطع کر دیا مگر چمن کے کان سے ابھی تک موبائل لگا ہوا تھا۔
دماغی تحریکات وقتی طور پر معطل ہو چکی تھیں معاً بانو آپا کی تیز آواز نے اس کے وجود میں از سرنو تحریک پیدا کر دی وہ غالباً اسے سنانے کو ہی اونچا بول رہی تھیں۔
بیٹا اپنی لاڈلی بیگم کو جگا دو۔
اب لے پالک کی وجہ سے ناشتہ بھی نہیں ملے گا تمہیں؟
صبح سے رات تک آفس میں خون پسینہ ایک کرتے ہو..... حرام لقمہ توڑ رہی ہے..... تمہاری کمائی پر عیش کر رہی ہے خدمتیں اوروں کی کر رہی ہے۔
چمن پہلے کی طرح ان طعنوں تشنوں سے متاثر نہیں ہوئی تھی اس وقت تو ایسا ہی تھا جیسے کسی لہولہان زخمی کو کوئی اپنا سابقہ زخم دکھا رہا ہو۔
اس نے سوئی ہوئی بچی کی طرف دیکھا۔ چند ثانیے سوچا پھر بچی کو اٹھا کر گود بھری اور اس کی ضروریات کا بیگ اٹھایا۔
ادھر اُدھر نظر دوڑائی کے کوئی ضروری شئے نہ پڑی رہ جائے پھر اپنی تسلی کر کے گیسٹ روم سے باہر چلی گئی۔

لاؤنج میں جھانکنے کا تکلف بھی نہیں کیا اور سیدھی بیڈ روم میں چلی آئی۔ ثمر بیڈ روم چھوڑ کر واش روم میں جا دبکا تھا۔ چمن نے سوئی بچی کو بیڈ پر لٹایا اور اپنے لیے ایک بیگ نکال کر اپنے کپڑے اور ضروری چیزیں بیگ میں رکھنے لگی۔

وہ صوفے سے بیڈ تک کا سفر استقامت سے کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ابھی ذہن صرف بہن کی دائمی جدائی کے احساس تک محدود تھا کوئی سوچ اتنی طاقتور نہیں تھی کہ اس احساس پر غالب آ جاتی۔

بیگ تیار کر کے وہ ثمر کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی، ایک ایک پل میں ہزار خاموش آنسو دل کی بھٹی پر گر کر بھسم ہو رہے تھے۔ بار بار نظر سوئی بچی پر جاتی تھی۔

بے انتہاء خوبصورت نازک گڑیا کی مثل بچی...... جیسے دنیا میں آتے ہی ماں کے بجائے خالہ کی گود کی گرمی ملی...... گویا دنیا میں آتے ہی ماں کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔

چند منٹوں میں صدیاں گزر گئیں ثمر نے واش روم سے باہر قدم رکھا تو صورت حال کا نیا پن محسوس کر کے چونک پڑا۔

چمن اسے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی۔ ثمر میں امی کی طرف جا رہی ہوں آپا کی ڈ۔تھ ہوگئی ہے۔

اس نے بمشکل و بدقت یہ الفاظ ادا کیے تھے......

OH-no ثمر کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

عطیہ آنٹی اسی لیے فون کر رہی تھیں......؟ اب اس نے بچی پر نظر ڈال کر تاسف بھرے لہجے میں پوچھا......

چمن نے اثبات میں سر ہلایا...... بولنا محال تھا۔ ثمر کے سامنے آتے ہی دل چاہا تھا کہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر سارے آنسو بہا دے جو اندر ہی اندر سیلاب کی طرح جمع ہو رہے ہیں مگر جانے کیوں ایک تکلف سا سوکن بن کر درمیان میں آیا تھا۔ ثمر نے چند ثانیے سوچا...... توقف کیا پھر آگے بڑھ کر چمن کو سینے سے لگا لیا۔

آنسوؤں کو راہ، غم کو بہانہ مل گیا۔

میری مظلوم بہن چلی گئی ثمر...... میں بالکل اکیلی ہوگئی۔

وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

Really...... چمن...... یہ میرے لیے بہت Shoking ہے، مگر ہونے والی بات ہوگئی...... اب صبر ہی کرنا ہے۔ کیوں کہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔

چلو...... میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں...... دو منٹ Wait کرو میں Change کرلوں۔

ثمر نے چمن کی پیشانی چوم کر اسے زور سے اپنے ساتھ بھینچ کر الگ کیا۔

کچھ بھی یاد نہ رہا...... روح اپنائیت کا رفاقت کا بھرپور احساس پا کر شاد اور ہلکی پھلکی ہوگئی۔

جیسے گھاؤ پر کسی نے ٹھنڈا مرہم رکھ دیا تھا۔ وہ آنچل سے آنسو پونچھنے لگی۔

☆......☆......☆

ارے گھاس کھا گئی ہو۔ کیا ضرورت تھی دفتر سے افسر کو بلانے کی...... پرائے مرد کو گھر کا رستہ دکھاتی ہو۔

شبیر حسین تو یہ سن کر ہی بری طرح برسنے لگے کہ ندا کے باس نے انہیں ہاسپٹل پہنچایا تھا۔
ہمارا تو ماتھا ٹھنک رہا تھا...... ارے وہ کیوں تمہاری خدمتوں پر تلا ہوا ہے......؟ بدقماش شخص...... مشکل وقت کی آڑ لے کر جوان جہان لڑکی پر ڈورے ڈال رہا ہے۔
وہ خود تو نہیں آئے تھے میں نے بلایا تھا آپ بے ہوش تھے...... کیا کرتی میں......؟ ندا اتنی شرمناک الزام تراشی پر بے بسی سے کہہ رہی تھی۔
اگلے محلے کے غیر نامحرم مرد سے مدد مانگنے کی کیا ضرورت تھی نکڑ پر حکیم صاحب کا گھر ہے...... وہ ہمارے طبیب ہیں ان کو کیوں نہیں بلایا......؟ دو منٹ میں ہوش میں لے آتے......
شبیر حسین چک چک کر اچھلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر توانائی کے بحران کی وجہ سے ارمان حسرت بن رہے تھے۔ سانس پھول گئی...... دوبارہ بستر پر ڈھے گئے۔
شور شرابہ سن کر وہ بھی آ گئے تھے ان میں کوئی قابلیت ہوتی تو آپ ہوش میں آ جاتے اور پھر ہم آپ کو ہاسپٹل لے کر ہی کیوں جاتے۔
ندا نے تاک کر نشانہ لگایا۔ شبیر حسین حکمت کی اس عظیم توہین پر بستر پر پڑے پڑے بلبلانے لگے۔
ناخلف، نابنجار نواسی...... ان کے نظریات سے ٹکرار ہی تھی تم نے ان کو موقع ہی کب دیا ہوگا۔ اتنا بڑا افسر گھر بلایا تھا کوئی بیس بائیس سال کا لونڈا نہیں...... شادی شدہ ہوگا بال بچے بھی ہوں گے یہ کھیلے کھائے مرد ہوتے ہیں، معصوم بچیوں پر ڈورے ڈالتے ہیں اور پھر اپنا اُلو سیدھا کیا چلتے بنے ارے جنت مکانی تم کیوں ہم سے پہلے چلی گئیں......؟
لڑکی ذات کی پرورش تو ایک عورت ہی کر سکتی ہے...... مگر تمہیں تو بیٹی سے ملاقات کی جلدی تھی......
گرجنے برسنے کے بعد معاً انہیں اپنی مرحومہ بیگم یاد آ گئیں فل اسٹاپ، کامہ لگائے بغیر ایک سانس میں یاد آوری بھی ہوگئی۔
نانی جان زندہ ہوتیں تو ان حکیم صاحب کو گیٹ کے سامنے سے بھی گزرنے نہ دیتیں۔
یہ کہہ کر ندا رکی نہیں پاؤں پٹختی کمرے سے باہر چلی گئی۔
ارے...... خون پی لیا ہمارا...... حکیم صاحب کو برا بھلا کہہ کر کیا ملتا ہے تمہیں...... کیوں ان سے بے زار ہو۔ ان سے زیادہ مخلص اور بے لوث شخص پورے محلے میں نہیں ہے۔
ارے مر گئے تو وہی تمہارا خیال رکھیں گے۔
ندا کچن میں آ کر ناشتے کی تیاری میں لگ گئی۔ شبیر حسین کی آواز کچن تک صاف سنائی دے رہی تھی۔
ندا نے برتن پٹخنا شروع کر دیے تاکہ حکیم صاحب کی تعریفوں سے نجات ملے انداز ایسا تھا جیسے برتن حکیم صاحب کے سر پر مار رہی ہو۔

☆......☆......☆

ارے ہم نے تو نہیں مارا موت زندگی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اتنی ہی عمر لائی تھی...... ائے ہئے...... فردوس اور حامد حسین کو مشکور احمد نے اطلاع دی کیونکہ یاور کا سیل آف مل رہا تھا۔
دونوں میاں بیوی کچھ وقت کے لیے ہکا بکا تو ہو گئے پھر لگے اپنے ضمیر کو بہلانے۔

اور نہیں تو کیا...... کیا نہیں کیا ہم نے اور ہمارے بیٹے نے...... الگ گھر لے کر رہنا چاہتی تھی الگ گھر کا انتظام کر دیا...... بیٹے سے اس کی تنخواہ نہیں مانگی کہ آگے خرچے ہی خرچے آ رہے ہیں، حامد حسین نے بھی اپنے احسانات یاد کرنا شروع کر دیے۔

میرے بیٹے کی قسمت میں دوسری شادی لکھی تھی۔ اس لیے بار بار یہی خیال آتا تھا کہ چلو دوسری شادی کر دیں...... مرد تو چار شادیاں کر لیتے ہیں...... اللہ نے کوئی پابندی تو نہیں لگائی فردوس کو اپنی روحانی طاقت کے بھی ادراک ہونے لگے......

دوسری شادی کی تمنا کو قدرت کے اشارے سے موسوم کر کے بڑی صفائی سے ہاتھ جھاڑ کر پاک صاف ہو گئیں۔

ٹھیک کہہ رہی ہو...... قسمت کا لکھا کون ٹال سکا ہے بس اب جلدی ہی کریں گے اس کی شادی...... اب وہ عورت تو نہیں ہے جو چار مہینے کی عدت گزارے۔

حامد حسین کی طرف سے اتفاق معمول بات تھی۔

اب پہلے تو یاور سے نمٹیں...... اسے ایمن کے انتقال کی خبر سنانا ہے ظاہر ہے خبر ملتے ہی وہ سسرال دوڑ جائے گا۔

موقع ایسا ہے کہ میں اور آپ بھی اسے روک نہیں سکتے۔ فردوس کو نئی سوچ نے آ لیا۔

ہاں تو ضرورت بھی کیا ہے...... ظاہر ہے اس کے نکاح میں تھی تجہیز و تکفین اور تدفین میں تو اسے لازمی جانا ہوگا جانے دو...... حامد حسین نے لاپرواہی سے جواب دیا...... ایمن چلی گی ان کے سارے دلدر دور ہو گئے...... اب انہیں کوئی ٹینشن ہی نہیں تھی بڑے آرام سے کہہ رہے ہیں...... ارے وہ تین بچیاں اٹھا کر ساتھ لے آیا تو ہم کیا کریں گے......

تین بیٹیوں کے باپ کو کون بیٹی دے گا......؟ خوب جوتیاں چٹخانا پڑیں گی...... اور پھر تین بیٹیوں کے باپ کو کوئی بہت مجبور بے بس اجاڑ ہی قبول کرے گی۔

طلاق یافتہ کا کیا پتہ کہ اسے بے اولادی کی وجہ سے طلاق ہوئی ہو لوگ بتاتے تھوڑی ہیں ماں باپ تو یہی کہیں گے کہ ان کی بیٹی پر ظلم ہوا ہے۔

کوئی بیوہ مل گئی تو اور مصیبت...... ہر وقت شوہر کی یاد میں کھوئی رہے گی ہمارے بیٹے کا مرحوم سے مقابلہ کرتی رہے گی...... فردوس کے اندیشے طوفانی تھے۔

حامد حسین نے بیگم کی طرف بڑی ستائش بھری نظروں سے دیکھا۔

دانشمندی تو ان کی بیگم کے خمیر میں گندھی ہوئی تھی۔

کیا بات ہے آپ کی...... وکیل بنیں۔ تو کبھی کوئی کیس نہ ہاریں بہت اچھا نکتہ اٹھایا ہے...... اس پر غور کرنا ہوگا۔

حامد حسین کی تعریف پر فردوس پھولی نہ سمائی۔ بلکہ مارے جوش کے نئی نئی سوجھنے لگی۔

اب میں بتاتی ہوں کیا کرنا ہے...... فردوس اٹھ کر حامد حسین کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

جلدی سے بتاؤ...... یاور جاگ گیا تو بس تھوڑی دیر ہی میں نیچے آ جائے گا۔ حامد حسین یوں بے تاب نظر

آ ئے گویا وسل ہوگئی ہو...... گاڑی چھوٹی جا رہی ہو۔ یاور کو تسلی دینا ہے...... تھوڑی رونے والی شکل بھی بنانا ہے...... صبر کی تاکید کے ساتھ ساتھ یہ تاکید بھی کرتا ہے کہ ابھی بچیوں کو یہاں مت لانا...... ماں کو یاد کر کے بہت روئیں گی تھوڑے دن نانا نانی کے پاس رہنے دو...... خود روز جا کر ملتے رہو بچیوں کو بھی ڈھارس رہے گی اور ان کے نانا نانی کو بھی اطمینان ہوگا...... اتنی دیر میں ہم لڑکی ڈھونڈ ڈھانڈ کر نکاح کی تیاری کر لیں گے۔

واہ...... واہ بہت ہی زبردست وزیر با تدبیر ہو...... حامد حسین تو بیگم کی ذکاوت پر سر دھنے لگے۔

اس کائنات کا ایک لگا بندھا نظام ہے...... زمین کے ایک طرف اندھیرا پھیلتا ہے تو دوسری طرف سورج نکلتا ہے......

کسی کی خوشی حاسد کا غم
کسی کا غم کسی ظالم کی خوشی

☆......☆......☆

بیٹا تمہاری بہن کو شہادت کی موت نصیب ہوئی...... جو عورت زچگی کے وجہ سے دنیا سے رخصت ہوتی ہے حدیث میں اس کے لیے شہادت کی خوشخبری آئی ہے۔

ایک دردمند خاتون چمن کو گلے سے لگا کر بہت باوقار انداز میں تعزیت کر رہی تھیں۔

چھوٹی چھوٹی بچیاں ماں کے سائے سے محروم ہوگئیں آنٹی۔ ان کی طرف دیکھتی ہوں تو ہوش گم ہوتے ہیں چمن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا...... کرب سے الفاظ میں چیرے لگ رہے تھے اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ نہیں ڈالتا۔

جب واپسی کا وقت طے ہوگیا ہے تو دنیا داری کے بوجھ سے ہی فارغ کر دیا جاتا ہے۔

اللہ اسے ٹھنڈی چھاؤں میں رکھے۔ بچیاں اکیلی بے آسرا نہیں ہیں...... خالہ ہے ناں...... وہ کہتے ہیں ناں ماں مرے ماسی جئے۔

ایک ضعیف العمر خاتون جو کہ عطیہ بیگم کی کسی دوست کی ماں تھیں چمن کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیر کر اپنی دانست میں تسلی دی چمن نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''خالہ......!!''

خالہ کا ایک گھر ہے جو ہر وقت پانی پر لکڑی کے تختے کے مصداق تیرتا ہے۔

بے ستون چھت ہے...... ارمانوں اور تمناؤں کے سراب ہیں......

بارش برستی ہے تو چھت ٹپکتی ہے۔

دھوپ نکلتی ہے تو بستروں تک آتی ہے۔ جو کھڑکیاں ہوا کے رُخ کھلتی ہیں انہیں کھلنا منع ہے۔

جس رُخ پھول کھلتے ہیں ادھر دیواریں ہیں

نکلنے کے لیے بارہ دروازے......

واپسی کے لیے گزرگاہ میں خندقیں

کون رویا ہے کسی اور کے غم میں

سب ہی کو اپنی ہی کسی بات پر رونا آیا

یا پھر یہ کے
ماتم سرا بھی کیا عجیب ہوتے ہیں قتیل
اپنے غموں پہ روتے ہیں اوروں کا نام لے کر
گھر یاد دلایا گیا تو آنسوؤں کے سیلاب کو بھی رخ مل گیا۔ وہ ہچکیاں لے اس بری طرح روئی کہ سنبھلنا مشکل ہوا۔
بیٹا..... خود کو سنبھالو..... اپنے ماں باپ کی طرف دیکھو..... ارے مشکور صاحب جیسا صابر بندہ آج تک نہیں دیکھا..... آنکھ کے سارے آنسو دل میں جمع کر رہے ہیں۔
جوان جہان بیٹی کا صدمہ اٹھایا ہے مگر حوصلہ دیکھو..... وہی ضعیف العمر خاتون اب چمن کو خاموش کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔
بس بیٹا..... بہن کو ایصال ثواب پہنچاؤ..... اسے تمہارے آنسوؤں کی نہیں..... ایصال ثواب کی ضرورت ہے..... دیکھو سب سے زیادہ حوصلہ تمہیں دکھانا ہے۔
کیونکہ تم جوان ہو ماں باپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ بہن کی بچیاں بہت چھوٹی ہیں.....
سب کچھ اب تمہیں دیکھنا ہے اور سنبھالنا ہے وہی ضعیف العمر خاتون راہ سجھانے لگیں۔
ایک اور خاتون نے آگے بڑھ کر اپنے آنچل سے چمن کے آنسو پونچھے۔
جاؤ بیٹا..... ماں کے پاس جا کر بیٹھو..... بہت دیر سے وہ چپ ہیں..... خدانخواستہ سکتہ تو نہیں ہو گیا.....
چمن جیسے ایک دم ہوش میں آ گئی۔
ایمن غسل آخرت و تکفین کے مرحلے سے گزر رہی تھی سب اس کے آخری دیدار کے انتظار میں بیٹھے تھے۔
ایمن کی ساس دکھائی نہیں دیں.....؟ ایک خاتون کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا وہ بھی اڑوس پڑوس سے ہی آئی تھیں۔
ارے ایمن تو الگ گھر میں رہ رہی تھی..... آتی ہوں گی..... دوسری خاتون نے احتیاط کے ضمن میں انہیں فوراً خاموش کروا دیا کیونکہ بہت سی حاضر خواتین ایک دوسرے سے ناواقف تھیں کون جانے کہ کوئی عطیہ یا چمن کی قریبی رشتے دار ہو اور ان کی باتیں سن رہی ہو۔
چمن عطیہ بیگم کے بیڈروم میں جا چکی تھی، جہاں وہ سکتے میں اپنی نوزائیدہ نواسی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

اتنی دیر سے بتا رہی ہیں.....؟ جب خبر آ گئی تھی تو، مجھے جگا کر بتاتیں۔
آپ لوگ اتنی بڑی بات کو بھی اتنا لائٹ لے رہے ہیں کمال ہے یاور نے جیسے ہی یہ قیامت خیز خبر سنی بتھے سے اکھڑ گیا۔ ارے..... بہو تھی وہ..... بیٹی نہیں..... دکھ کی بات ہے ماتم نہیں کریں گے۔ جانے والی چلی گئی ..... اب تم اور میں کیا کر سکتے ہیں..... خدانخواستہ ہم نے زہر دے کر تو نہیں مارا اُسے۔
اب خبر مل گئی ہے چلے جاؤ۔ آٹھ برس ساتھ رہی..... کندھا دے دو..... دو مٹھی خاک قبر پر ڈال کر دعا کرو۔
حامد حسین صرف مرد ہی نہیں سخت دل مرد تھے۔ بڑے فارمل اور دوٹوک انداز میں گویا ہوئے۔
آپ لوگ تعزیت کے لیے نہیں جائیں گے.....؟ اس نے غم سے بوجھل دل کے ساتھ حیرت آمیز سوال کیا۔

دونوں لگے ایک دوسرے کا منہ تکنے۔
ارے دنیاداری کی خاطر چلیں گے...... کیوں نہیں جائیں گے ہمیں بھی اپنی عزت کی فکر ہے۔
لوگ ہمیں اچھا سمجھیں گے تو دوسری شادی میں آسانی ہوگی...... حامد حسین نے پھر کڑوے انداز میں کہا۔
دوسری شادی......؟!! یاور بھونچکا ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگا۔
ارے چھوڑیں یہ ان باتوں کا وقت نہیں۔ ابھی تو دیکھیے گا عطیہ اور مشکور ہمیں دنیا کے سامنے کس کس طرح ذلیل کریں گے۔ ایک ایک کو بتائیں گے ان کی بیٹی کی موت کے ذمہ دار ہم ہیں۔
ہم تو ویسے ہی پوتے کے ارمان میں کچھ بول جاتے تھے ہم اس کے دشمن تو نہیں تھے۔
اپنے ہاتھوں سے بیاہ کر لائے تھے...... وہ بھاگ کر تو نہیں آئی تھی۔
ائے ہئے مجھے کیا پتہ تھا اتنا برا مانے گی کہ دنیا ہی چھوڑ دے گی...... فردوس نے دوپٹہ آنکھوں پر رکھ دیا۔
گھر میں بکری باندھو تو اس سے بھی انسیت ہو جاتی ہے۔
اسے تو ہم ہزاروں کے سامنے بہو بنا کر لائے تھے۔
دکھ سے کلیجہ پھٹا جا رہا ہے...... اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے...... یہ عمر جانے والی نہیں تھی مگر جو اللہ کی رضا حامد حسین نے بھی بیٹے کے موڈ کے حساب سے فوراً پینترا بدلا جو حیرت و دکھ کی سرحد پر کھڑا گومگو کیفیت سے دوچار تھا۔
ماں باپ کے دکھ کے اظہار پر اس کی چتون ڈھیلی پڑ گئی۔
اسے یاد آیا کہ اس کے پیارے ماں باپ بہت رحم دل ہیں اکثر ایمن کی زیادتی معاف کر دیا کرتے تھے۔
آپ تیاری کریں امی...... میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں وہ اسی کیفیت میں بولتا ہوا اپنے بیڈروم کی طرف جا رہا تھا۔ آنکھ سے اوجھل ہوا تو فردوس نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔
ابھی یہ بکھیڑے بھی نمٹانا ہیں...... منہ ہی منہ میں بدبدائی۔

☆......☆......☆

ٹھیک ہے چمن...... تم کچھ دن یہاں رک جاؤ...... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔
رات گئے تدفین سے فراغت کے بعد چمن کا ثمر سے آمنا سامنا ہوا تو ثمر نے چمن کے کچھ کہنے کا انتظار کیے بغیر اس کا احساس کرتے ہوئے ماں کے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔
یاور بھی دنیاداری اور مارے مروت کے ساس سسر کے پاس رک گیا تھا۔ کیونکہ دونوں بچیاں سائے کی طرح اس کے ساتھ تھیں۔
پھر ساس سسر کو بھی یقین دلانا تھا کہ اسے ایمن سے بہت محبت تھی اور اس میں کچھ بھی جھوٹ نہ تھا۔
ماں باپ کی زہر افشانی کے سبب تعلقات میں استحکام نہیں تھا مگر اس کی زندگی میں ایمن کے علاوہ کوئی دوسری عورت کبھی نہیں تھی۔
ثمر چلا گیا وہ بچی کو گود میں لیے عطیہ بیگم کے پاس چلی آئی۔

(رشتوں کی نزاکت اور سفاکی دکھاتے اس سحر انگیز ناول کی اگلی قسط انشاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

رحمٰن، رحیم، سدا سائیں

اتباع چونک کر پلٹی۔ عبداللہ کو دروازے پر ایستادہ پا کر دھک سے رہ گئی۔ سب سے زیادہ تشویش اور گھبراہٹ کا باعث یہ بات تھی کہ آٹا گوندھنے سے قبل وہ چادر اتار کر کچن کے دروازے پہ لٹکا چکی تھی۔ ''آپ......؟'' اس کی بوکھلاہٹ حد سے سوا تھی۔ عجیب بے کسی بے بسی تھی کہ بڑھ کر......

زندگی کے ساتھ سفر کرتے کرداروں کی فسوں گری، ایمان افروز ناول کا اکیسواں حصہ

اس نے ہچکی بھری تھی اور ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ انداز فیصلہ کن تھا مگر اتباع کو سامنے موجود پا کر بے اختیار نہ صرف نظریں چرائیں بلکہ رُخ بھی پھیر لیا۔

''چائے لو۔'' اس نے بھاپ اڑاتا مگ اس کے سامنے کیا۔

''مجھے نہیں پینی۔'' اس کا گلا بھرایا ہوا تھا۔

''تمہیں آخر کیا ہوا ہے......؟'' اتباع نے اضطراب میں گھرتے اسے دیکھا۔

''قدر نے جواب نہیں دیا تکیہ ہٹا کر بستر پہ اپنا سیل فون ڈھونڈا۔ پھر کچھ نمبر پش کر کے فون کان سے لگا لیا۔ ادھر رابطہ بحال ہونے تک وہ اضطراری کیفیت میں ہونٹ کچلتی رہی۔

''پاپا جان مجھے واپس آنا ہے...... آج ابھی......'' اس کے انداز شدت کا اصرار تھا جبکہ اتباع اپنی جگہ تبدیل کر کے رہ گئی تھی اسے معاملے کی سنگینی کا احساس جاگا تو چہرے پہ تشویش چھلکنے لگی۔

''پلیز پاپا جانی......! نو کوئیسچن۔ بس مجھے آ کر لے جائیں ورنہ مر جاؤں گی میں۔''

وہ ایک دم گھٹ گھٹ کر رونے لگی، اتباع پریشان تھی کہ سمجھ نہیں آئی کیا کرے قدر نے سلسلہ منقطع کیا اور الماری کھول کر اپنا سوٹ کیس نکال کر کپڑے اس میں بھرنے لگی اتباع نے کپ رکھا اور لپک کر اس تک آئی۔

''میرا دل پھٹ جائے گا قدر......! اگر تم نے مجھے اب بھی کچھ نہ بتایا تو......''

وہ سسک کر کہتی بے اختیار اسے جھنجھوڑ کر رکھ گئی تھی۔

''مجھ سے نہیں...... یہ سوال جا کر اپنے بھائی سے کرو۔'' قدر نے متنفرانہ انداز میں اس کا ہاتھ زور سے جھٹک کر چیخنے کے انداز میں کہا تھا اتباع کا رنگ یکدم پیلا پڑ گیا کچھ دیر یونہی کھڑی ساکن نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر کچھ کہے بغیر تیزی

سے باہر نکل گئی۔
عبدالعلی کے کمرے کا دروازہ بجا کر اس نے اجازت ملنے کا بھی انتظار نہیں کیا اور عجلت میں اندر داخل ہوگئی۔ عبدالعلی بھی بیگ میں کپڑے رکھ رہا تھا اسے یوں افتاں وخیزاں آتے پا کر چونکا مگر چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی باقاعدہ پریشان ہوگیا۔
''آپ بھی کہیں جارہے ہیں......'' وہ ٹھٹکی۔
ہاں ڈیوٹی پر واپس مگر ممکن ہے یہیں پوسٹنگ ہوجائے زیادہ امکان تو سیاچن کا ہے۔ وہ مسکرایا جبکہ اتباع مضطرب ہوکر اسے تکنے لگی تھی۔
''تمہیں کیا ہوا......؟ ابھی تو صرف بابا جانی کو بتایا تھا میں نے...... تمہیں بھی اطلاع مل گئی۔
اتباع نے سر کو نفی میں ہلایا اور گہرا سانس بھرا۔
''وہ......قدر...... اسے شاید یہی خبر ملی ہے یعنی آپ کے جانے کی بھائی آپ نے اسے یہی بتایا ہے ناں......؟ جب ہی وہ اتنی اپ سیٹ ہے۔ رورو کر برا حال کیا ہوا ہے بلکہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس جارہی ہے۔
وہ عجلت میں تیز تیز بول کر ساری بات بتانے لگی۔ عبدالعلی ایک دم ٹھٹھکا جہاں تک اس کی سوچ کا عمل دخل تھا تو یہ ممکن نہیں تھا تو ابھی کچھ دیر قبل آرڈر آئے تھے اور اس نے صرف پاپا کو بتایا تھا عبدالغنی ابھی جامعہ سے ہی نہ لوٹے تھے کہ وہ شام کو آئے تھے اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح کھل سے اٹھے۔ اس کی پیشانی چومی گلے لگایا اور بازو کے حصار میں لیے بیٹھ گئے۔
'خیریت سے آئے ہیں یہاں......؟'' اسے تکتے ان کی نظریں مسکرانے لگیں تھیں اس میں کیا شک تھا کہ وہ ان کا فخر تھا غرور تھا، مان تھا۔
''ابھی کمانڈر کی کال آئی تھی بابا جان! مجھے واپس جانا ہے۔ ممکن ہے اس بار بارڈر پہ تعینات کیا جاؤں اللہ جانے کتنے عرصے بعد واپسی ہو۔''
''اللہ حامی وناصر ہو بیٹے! کامیاب وکامران رہو اللہ کی رحمت کے سائے میں۔
انہوں نے پھر سے اس کا سر چوم کر دعاؤں سے نوازا۔ کچھ دیر خاموش رہے پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔
''ایک خواہش ہے بیٹے اگر اعتراض نہ ہو تو......''
''حکم کیجیے بابا جان......!'' وہ مودب ہوگیا تھا۔
شادی کر کے چلے جانا یہ ہم سب کی خواہش ہے۔ ان کی بات پہ عبدالعلی کے چہرے پہ ایک دم تمتماہٹ آمیز تبسم لہرا گیا تھا وہ ذرا سا جھینپ گیا۔
''سچ پوچھیں تو بابا جان! میں خود بھی یہی گزارش کرنے آیا تھا آپ سے۔ شادی کرنا چاہتا ہوں جانے سے پہلے۔ ممکن ہے قدر کو تھوڑا اعتراض ہو اتنی جلدی مگر آپ سنبھال لیں۔
اور عبدالغنی کو بھلا کہاں توقع تھی کہ وہ ایسی بات بھی کہہ سکتا ہے جب ہی وفور جذبات سمیت اسے ایک بار سے گلے لگالیا۔
''الحمدللہ! اللہ کا شکر ہے کہ یہ خوشی کی بات تمہارے منہ سے سننا اللہ نے نصیب کی، قدر کو اعتراض نہیں ہوسکتا وہ بہت پیاری بچی ہے، تم بے فکر ہو جاؤ میں عبدل ہادی اور علیزے سے بات کرتا ہوں۔
انشاء اللہ! ہم نزدیک کی کوئی تاریخ طے کر دیں گے۔''
انہوں نے نہال ہوتے اس کا کاندھا تھپکا تھا

اور عبدل علی مطمئن ہو گیا تھا اس بدگمان لڑکی کو وہ پورے اعزاز اور پورے وقار کے ساتھ، منانا اور اعتبار سونپنا چاہتا تھا، مگر وہ تو ازل سے کم عقل بھی تھی۔ اور جلد باز بھی عبدالعلی کا چہرہ اس خیال سے تمتمایا تھا کہ ابھی تلک وہ اسی ایک بات کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی بلکہ اپنا اور اس کا بھرم بھی خراب کرنے امیج بگاڑنے پہ تلی ہوئی تھی۔

تھا کوئی اس سے بڑھ کر بے وقوف بھلا۔ وہ اندر ہی اندر تلملا اٹھا تھا۔

''تم ذرا یہ پیکنگ کرو میری اتباع! میں دیکھتا ہوں۔'' اس نے بمشکل تحمل کا مظاہرہ کیا اور خود لمبے ڈگ بھرتا ہوا قدر کے کمرے کی جانب آ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے......؟'' اس نے جاتے ہی سوٹ کیس کو ٹھوکر رسید کی جس کو بند کرنے میں مصروف تھی وہ۔ اس کی برہمی اس کے سوال اس کے انداز سے عیاں تھی۔ قدر نے حیرانی سے سر اونچا کر کے سے دیکھا پھر اس لڑکھڑا گئی۔

''آپ ہوتے کون ہیں مجھ سے یہ سوال کرنے والے......؟'' اور بغیر اجازت کمرے میں کیسے آئے......؟''

''شٹ اپ قدر......!'' وہ دھاڑا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے مقابل کر لیا۔

''کیا کہا تم نے اتباع سے......؟'' اس کا لہجہ بے حد خوفناک قسم کا تھا قدر کے مچلنے احتجاج کرنے کو خاطر میں لائے بغیر وہ خوفناک قسم کی سنجیدگی استفار کر رہا تھا۔

''کمرے سے چلے جائیں ورنہ میں شور مچا دوں گی، بتا دوں گی سب کو کہ آپ کتنے غلط انسان......''

عبدالعلی کا اٹھا ہوا ہاتھ اس کی آواز ہی نہیں بند کر گیا، زبان بھی گنگ کرنے کا باعث بنا تھا۔ گال پہ ہاتھ رکھے سناٹے میں گھری وہ پھٹی پھٹی آنکھوں میں خوف لیے اُسے تکنے لگی۔

''میں جیسا بھی ہوں...... تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بہرحال تمہارا شوہر ہوں۔ اس شب میری بے تکلفی کوئی گناہ نہیں تھی، نہ مجھے اس پہ شرمندگی ہے کوئی تم بتاؤ...... تم نے یہ سارا کیا ڈرامہ رچا رکھا ہے......؟ قدر بیگم حد ہوتی ہے کسی بھی بات کی۔ بچپنا چھوڑ دو اب اس لیے بھی کہ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔

اس کا لہجہ جتنا بھی کڑا اور سخت تھا مگر بلند نہیں تھا وہ بے حد مشتعل تھا مگر چلا نہیں رہا تھا معاً وہ آگے بڑھا اور اس کے سناٹوں میں گھرے وجود کو شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کر لیا تھا۔

اس لیے بھی کہ شوہر و بیوی کو اللہ نے ایک دوسرے کا پردہ قرار دیا ہے تم اگر میرے بھید عیاں کرو گی، کمزوریوں کی تشہیر کرو گی تو لوگ مجھے تو برا سمجھیں گے ہی تمہیں بھی ترس دھتکار اور ہمدردی سے نوازیں گے۔ اس سارے چکر میں سب سے بڑا نقصان تمہارا ہی ہوگا کہ تم میری محبت میرا اعتماد اور میرا مان کھو دو گی اس وقت بھی تمہاری حماقت نے کسر نہیں چھوڑی تھی کوئی مگر اللہ نے بھرم رکھ لیا ہے۔ سو بی کیئر فُل نیکسٹ ٹائم۔''

انگلی اٹھا کر تنبیہ کے انداز میں وہ کہتا وہ اسے چھوڑ کر پیچھے ہوا۔ واپس پلٹا تھا کہ کسی خیال کے آنے پہ گردن موڑ کر اُسے دیکھنے لگا اس کی آنکھیں ابھی بھی برس رہی تھیں عبدالعلی نے ہونٹوں کو باہم بھینچ کر بولا۔

''رو...... رونے میں کوئی برائی نہیں۔ نم آنکھیں نرم دل کی نشانی ہیں اور دلوں کو نرم ہی رہنا چاہیے اگر سخت ہو جائیں تو پھر ان میں پیار و

محبت ناپید ہو جائے تو پھر انسان کی سمت بدلنے لگتی ہے محبت اور اعتماد وہ واحد طاقتیں ہیں جو انسان کے قدم مضبوطی سے جما سکتی ہیں اور وہ بھٹکتا نہیں گمراہ نہیں ہوتا بس ان آنسوؤں کے پیچھے نا امیدی اور مایوسی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ نا امیدی انسان کی کمزوری کی علامت ہے اللہ سے ہمیشہ بھلائی اور اچھے وقت کی آس رکھنی چاہیے وہ اپنے بندے کو اس چیز سے نوازتا ہے جس کی وہ اپنے رب سے توقع رکھتے ہیں۔'' اس نے توقف کیا کچھ دیر اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا پھر جیسے بے بسی کا شکار ہوتا پلٹ کر اس کے پھر سے نزدیک آ گیا۔

''قدر......!!'' اب کے وہ پکارا تو اس کا لہجہ اس کی آواز بے حد بوجھل تھی جذبوں سے......

قدر بے حد ہرٹ تھی بے حد خفا جب ہی سر اٹھایا نہ اسے دیکھا۔ عبدالعلی نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیا۔

''اک اور بات کہوں گا اللہ گواہ ہے اس میں رتی برابر بھی شبہ نہیں۔''

قدر نے خفگی سے اس کے ہاتھ ہٹانے چاہے جو عبدالعلی نے ہٹا تو دیے مگر بازوؤں کا حلقہ اس کی کمر کے گرد ڈال دیا تھا۔

قدر نے چونک کر گھبرا کر جبکہ عبدالعلی نے متبسم خیز اور شریر نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اس شب میں نے ایک بات نہیں کہی تھی۔ وہ بھی سچ ہے۔ جو کہہ رہی تھی وہ بھی سچ ہے جانتی ہو کیا......؟ یہ کہ اسی رات تم نے مجھے اپنی محبت میں گرفتار کیا اور یہ بھی کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا جب ہی اللہ سے گذارش کی تھی ان فاصلوں کو مٹا دے اللہ نے بابا جان کے ذریعے اس کا انتظام کر دیا۔ آپ اب اصلی والی میری دلہن بننے کی تیاری کر لیں اور میں...... اس رات کی طرح ہرگز بھی آپ کے گریز کو اپنی خاطر میں نہیں لاؤں گا۔''

وہ مسکرایا تھا جھک کر اس کا گال والہانہ انداز میں چوما اور اسے حیران و پریشان چھوڑ کر ہنستا ہوا ہاتھ ہلاتا پلٹ کر چلا گیا قدر کتنی ہی دیر یونہی سکتہ زدہ کھڑی رہی تھی دھیرے دھیرے حواس بحال ہوئے تو اس کی باتیں اس کی گستاخیاں سمجھ میں آئی تھیں اس کے چہرے پہ خفت اتری پھر حجاب پھر شرگیں مسکان اس نے لجا کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ لیا اور دھپ سے بستر پہ گر گئی۔

اسے شرم آ رہی تھی خود سے بھی عبدالعلی سے بھی...... واقعی کتنی جذباتی اور احمقانہ حرکت کر رہی تھی اور کتنا تنگ کرتی ہوں میں انہیں۔ بچپنا چھوڑ دینا چاہیے مجھے اب۔''

وہ سوچ رہی تھی عہد باندھ رہی تھی۔ مسکرا رہی تھی تب ہی اس کے سیل فون کی میسج ٹون بجی اس نے یونہی لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھا لیا۔ عبدالعلی کا میسج تھا اس نے مسکراہٹ دبا کر کھولا۔

''ارادہ تھا شادی کی رات سارے انکشافات کرنے کا مگر تمہارا خیال آ گیا تم نے تو اتنے عرصے میں کڑھ کڑھ کر مار ڈالنا تھا خود کو...... پھر میرا کیا بنتا......؟''

آگے مسکراتا ہوا فیس تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''عبدالعلی......!!'' اسے عبدالعلی پہ بہت سارا پیار آ گیا تھا۔ ایک بار پھر میسج ٹون بجی اس نے عبدالعلی کا نام دیکھ کر تیزی سے میسج کھولا۔ اس بار ایک شعر تھا وہ ایک جذب ایک بے قراری سے پڑھنے لگی۔

اک لڑکی کلی جیسی چاندی کے ورق جیسی

اس کا چہرہ صحیح معنوں میں کھل کر گلاب ہوا کچھ سوچے بنا اس نے عبدالعلی کوری پلائی کر دیا تھا۔

وہ چاندنی بس اک جگہ رہنا چاہتی تھی۔ وہ عبدالعلی کا دل تھا۔صد شکر اسے اس کا ٹھکانہ مل گیا۔

☆......☆......☆

بریرہ کی طبیعت کچھ دنوں سے خراب تھی۔ امن بھی کالج سے نہیں آئی تو اتباع کو تشویش لاحق ہوئی تھی عبید اور لاریب کو بتا کر وہ خود واپسی پہ ادھر ہی آ گئی۔ بریرہ تو کچھ بہتر تھیں البتہ امن بخار میں پھنک رہی تھی۔

''ابھی دوا لے کر سوئی ہے بیٹے!'' بریرہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھیں۔

''بہت اچھا لگا اسی بہانے تم چلی آئیں۔''

اور وہ جواباً خفیف سی ہو گئی تھی۔

''تم بیٹھو...... میں کچھ لاتی ہوں تمہارے کھانے کو۔'' انہوں نے اٹھنا چاہا تو اتباع نے بصد اصرار انہیں واپس لٹا دیا۔

''پلیز بس ہو جائیں! لیٹ جائیں غیر تھوڑی ہوں اپنا گھر ہے میرا۔خود لے لوں گی میں بلکہ آپ بتائیں کچھ کھایا......''

اور اس کے جواب پہ کہ ابھی وہ بھوکی ہیں وہ اسی وقت بریرہ کے منع کرنے کے باوجود کچن میں آ گئی تھی سب کچھ موجود تھا بس آٹا ذرا کم لگا اسے...... دونوں خواتین کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ اس نے ایک سائیڈ پہ بریرہ اور امن کے لیے سوپ چڑھایا اور دوسری جانب سالن گرم ہونے کو رکھ کر روٹی پکانے سے قبل آٹا نکال کر چھاننے لگی۔ آٹے میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس نے دونوں چولہوں کی آنچ دھیمی کر دی۔

اک 'عین' تھا پھر 'شین' تھا
کچھ آگ تھی کچھ راکھ تھی
اِک دشت تھا اِک ہجر تھا
صحرا بھی تھا اور پیاس بھی تھی
پھر اِک خلا...... بے انت سا
اِک بند گلی سارا رستہ
ویرانیاں تنہائیاں
پھر قاف تھا پھر سارا منظر راکھ تھا
سب خاک تھا

اتباع چونک کر پلٹی۔ عبداللہ کو دروازے پر ایستادہ پا کر دھک سے رہ گئی۔ سب سے زیادہ تشویش اور گھبراہٹ کا باعث یہ بات تھی کہ آٹا گوندھنے سے قبل وہ چادر اتار کر کچن کے دروازے پہ لٹکا چکی تھی۔

''آپ......؟''

اس کی بوکھلاہٹ حد سے سوا تھی۔ عجیب بے کسی بے بسی تھی کہ بڑھ کر دوپٹہ نہیں لے سکتی تھی وہ دروازے کے عین درمیان کھڑا تھا حجاب سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ہونٹ کچلتے اس نے رخ تبدیل کر لیا۔ عبداللہ نے گہرا سانس بھرا اور قدم بڑھا کر قریب آ گیا۔

''سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ شکوہ شکایت، یا خوشی کا اظہار کہ آپ کا یہ روپ محض خوابوں میں ہی دیکھا ہے یا پھر خفگی کا اظہار کہ آپ کو میری پرواہ تک نہیں...... اتباع یاد ہے نا آپ کو......؟ میں خفا تھا آپ سے۔'' اتباع نے کانپتے ہوئے وجود کے ساتھ پانی کے برتن میں ہاتھ دھوئے اور کترا کر اس نے پہلے چادر اٹھا کر اوڑھی تھی۔

''آپ تو اس وقت آفس میں ہوتے ہیں پھر......؟'' وہ دوبارہ سے آٹا گوندنے میں مشغول ہو گئی۔

''مجھے الہام ہوا تھا کہ آپ تشریف لا چکی ہیں۔ جبھی چلا آیا۔''

جواباً وہ بھی جان سے جل گیا اتباع نے گہرا سانس بھر لیا۔ جبکہ وہ اس کی لاتعلقی پہ جیسے پھر سے شاکی ہونے لگا۔

تیری محبت نے مار ڈالا ہزار ایذا سے مجھ کو
رلا رلا کر گھلا گھلا کر جلا جلا کر مٹا مٹا کر

اس کا لہجہ و انداز بڑا دل سوز تھا۔ اتباع نے آٹا گوندھ لیا تھا۔ باؤل میں رکھ کر پانی سنک میں بہاتے اس نے برتن اور ہاتھ دھویا اور آٹا اٹھا کر فریج میں رکھنے لگی۔

''چائے پئیں گے آپ......؟'' اس کا لہجہ پر سکون تھا۔

''دھت تیرے کی......'' عبداللہ سخت چڑ گیا۔ دانت پیسے پھر ایکدم سے اس کی کلائی جکڑ لی۔

''اتباع! مت ستاؤ مجھے بلکہ اگر کہوں کہ نہ ضبط آزماؤ تو اچھا ہے۔ وہ چٹخنے جلنے کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

اتباع کی پلکیں لرزنے لگیں۔ اس نے آہستگی سے اپنی کلائی سے اس کا ہاتھ ہٹایا پھر کس قدر نرمی سے ٹوک گئی تھی۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں۔ صحیح طرح بتا دیں سچ پوچھیں تو میں خفگی نہیں جان پائی۔''

عبداللہ جو اسے پر شوق نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے مفاہمت پہ خود بھی ڈھیلا پڑ گیا۔

''صاف اور واضح سننا چاہتی ہوں تو سن لیں۔ میں مستقل بنیادوں کو یہ آپ کو یہاں اپنے گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں خود سے بہت قریب۔ اگر پھر بھی سمجھ نہ آئی تو......شادی کرنا چاہتا ہوں۔ صرف قدر اور عبدالعلی کیوں......ہم کیوں نہیں......؟''

اس کے ایک ایک لفظ میں جیسے شدت تھی اصرار تھا اور آخیر میں تو احتجاج بھی۔

''عبداللہ آپ جانتے ہیں......''

''نہیں......میں کچھ نہیں جانتا...... اتباع نو ایکسیوز، نو کمپرومائز...... مجھے ہر صورت آپ کو رخصت کرانا ہے۔ سن لیں آپ۔''

''اور اگر میں نہ مانوں تو پھر......؟'' اتباع کو اس کے تحکمانہ انداز ناگواری بخشی تھی جبھی جیسے اس کے بہاؤ کے آگے بند باندھنا چاہا۔ یا پھر اس کے ارادے کی شدت کو پرکھنا تھا۔

''تو پھر اچھا نہیں ہوگا یہ میں آپ کو پہلے بتا دوں اتباع میں......''

''کیا یہ عہد شکنی نہیں ہوگی......؟ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میری تعلیم......''

''میں نے وعدہ نہیں کیا تھا۔ احترام کیا تھا آپ کی خواہش کا بس......'' عبداللہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بات قطع کی۔ اتباع اسے دیکھتی رہ گئی اس کے انداز و آواز میں دھیما پن ضرور تھا مگر غصے کی لپک بھی تھی۔ یہی شاید اس کا مخصوص انداز تھا بات کرنے کا۔ قطعی دوٹوک، پتا نہیں اس کا انداز تھا ہی طیش دلانے والا یا اتباع کو لگا تھا۔ چہرہ سپاٹ اور ہر تاثر سے عاری لیے اس نے چولہے بند کر دیے۔

جس وقت رُخ پھیرا عین اس پل چھت سے اکٹھی دو چھپکلیاں اس کے اوپر آن گری تھیں۔ وہ دہل کر......سہم کر پیچھے ہوئی بدحواسی اور خوف کے عالم میں پٹاخ سے نیچے فرش پر آن پڑنے والی کراہیت آمیز مخلوق کو دیکھنے لگی۔ اس طرح کہ دوپٹہ سر سے سرک گیا۔ ہاتھ دھک دھک کرتے

دل پر تھا رنگ فق۔ عبداللہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر جیسے کہہ رہا تھا۔

کھلی زلفیں گلابی ہونٹ اور غضب کی آنکھیں

تم ویسے ہی جان مانگ لیتے اتنا اہتمام کیوں کیا

اتباع نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی محویت اور اس پہ الفاظ کا تڑکا..... اسے اپنی پوزیشن کا خیال آیا تو خفت سے سرخ پڑتی ہوئی سنبھل کر دوپٹہ درست کرنے لگی۔ پلکیں حیا بار انداز میں لرزیں۔

یہ کہاں سے آ گئی تھیں......؟ اس نے خفت مٹانے کو کہا۔

''میں نے بلوائی تھیں یہ سوچ کر کہ کوئی رومینس کا چانس نکل آئے مگر فائدہ کوئی نہیں ہوا۔''

جواباً آہ بھر کے کہا گیا۔ بلکہ شکوہ ہوا اتباع کی رنگت تمتما اٹھی اس نے لمحہ بھر کو شاکی نظریں اٹھائی تھیں۔

''پتا نہیں ایسی باتیں کیسے کر لیتے ہیں......''

وہ خفا ہو کر کہہ گئی تھی بالآخر۔

''جب سامنے والا بے حس ہو...... پتھر ہو تو پھر ایسی باتیں ہی سوجھیں گی۔''

عبداللہ کا انداز اس کا لہجہ شکوہ کناں ہوا۔ اتباع نے ہونٹ بھینچ لیے دہکے گال ہر لمحہ سرخ تر ہو رہے تھے۔

''ویسے آپ ڈرتی کیوں ہیں یار......'' وہ عاجز ہوا۔ اتباع بے زار لفظ یار اسے جتنا چڑاتا تھا۔ عبداللہ پتا نہیں اتنا زیادہ کیوں استعمال کرتا تھا۔

''کہاں جا رہی ہیں......'' رُکیں...... میری بات کا جواب......''

اسے دروازے سے نکلتے پا کر عبداللہ اتنا بے چین ہوا کہ ہاتھ بڑھا کر بے اختیار اس کی کلائی جکڑ لی۔ انداز میں شدت بھی تھی سختی بھی تھی۔ اتباع کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے بے اختیار اپنی کلائی کھینچی گرفت اور بھی مضبوط ہوئی۔ فاصلہ اور بھی گھٹا۔ اتباع نے سہم کر اسے دیکھا جس کی آنچ دیتی نظروں میں ان گنت شکوے مچلتے تھے۔

''عبداللہ......! پلیز تنگ نہیں کریں مجھے......'' وہ جتنا گھبرائی! اسی قدر عاجزی سے گویا ہوئی تھی۔

عبداللہ تو جیسے ششدر ہونے لگا۔

''تنگ......؟ یہ الزام بھی لگنا تھا۔ یہی کسر باقی تھی بس۔'' وہ سخت برا مان چکا تھا اتباع اسی حد تک خفت سے سرخ پڑنے لگی۔

''گو کہ یہ حق حاصل ہو چکا تھا مگر آپ مانیں بھی تو...... جبھی باقاعدہ رخصتی ظاہر کر دی تاکہ دل کے ارمان نکالے جا سکیں۔ آپ ہم پر الزام عائد نہ کریں۔''

وہ بغیر اسے صفائی کا موقعہ دیے بولا جا رہا تھا اتباع نے پورا زور لگا کر اپنا ہاتھ آزاد کرایا۔ اور روہانسی ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

''آ آپ...... عبداللہ مجھے افسوس ہے آپ کی سوچ بہت سطحی ہے آپ کو کچھ نہیں سوجھتا ہے سوائے اپنی خواہشات کے......'' وہ جیسے رو پڑنے کو تیار تھی مزاج برہم ہو چکا تھا۔ اسے گھورتی اپنی کلائی سہلائی وہ کچھ فاصلے پہ ہوئی عبداللہ کے چہرے پہ لمحے کے ہزارویں حصے میں کتنے رنگ آ کر گزرے ہونٹ سختی سے باہم بھینچ گئے۔

''انسانی ذہن ہمیشہ بطخ کی طرح پانی کی سطح پر تیرتا ہے نیچے گہرائیوں میں جو سیپیاں ہوئی ہیں

بٹلے کو ان کا علم نہیں ہو پاتا۔''
وہ اس شدید کیفیت کے زیر اثر اسے کوئی نصیحت کرنے جا رہی تھی کہ عبداللہ نے طنزیہ ہنکار ابھرا۔
''ہاں ہاں کرلو مجھ پر طنز! مومنہ عالم فاضلہ صاحبہ! میں بہت گناہ گار ہوں میرا ذہن بھی گندہ ہی ہے واقعی میں اس قابل نہیں تھا کہ مجھے تم ملتیں میں تمہارے قابل نہیں یہی کہنا چاہتی ہو نا تم......؟''
خلاف معمول اس کا لہجہ شدید نہیں تھا نہ بلند نہ غصیلا۔ بلکہ بہت سرد کاٹ دار اور روکھا ضرور تھا۔
اتباع کو یکدم اپنے رویے کی بدصورتی کا اپنے انداز کی شدت کا اور غلطی کا احساس ہوا۔
''عبداللہ میں......'' عبداللہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔ کچھ دیر اسے دکھ بھری نظروں سے دیکھا۔ اور یونہی بھینچتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ پلٹ کر چلا گیا اتباع وہیں سر تھامے کھڑی رہ گئی تھی۔ پہلی مرتبہ اسے عبداللہ پر غصہ نہیں آیا اس میں شک نہیں تھی اس کا اپنا انداز غلط تھا۔
☆......☆......☆
کمرا نیم تاریک تھا وہ ساکن لیٹی ہوئی تھی خاموش بہتے آنسو اس کی کہنیوں میں اترتے تکیے میں جذب ہوتے رہے۔
''ارسل احمد......!!'' اس کے ہونٹوں سے کراہ بکھری اور سسکیاں ہونٹوں پر آن گریں۔
''کیوں ہیں اتنے ظالم آپ۔'' وہ اب باقاعدہ ہچکیوں سے رو پڑی جیسے مزید ضبط کا یارانہ رہا ہو۔ وہ اس ایک منظر کو بھول جانے کی خواہش مند تھی جو اس کے ذہن کی ہر رگ پہ کندہ ہو چکا تھا تب جب وہ اپنی نسوانیت اپنا وقار سب کچھ داؤ پہ لگا کر کاسہ دل لیے اس کے حضور پیش ہوئی تھی۔ کتنا چونک گیا تھا وہ اسے اپنے روبرو پا کے۔
''چائے کا موڈ ہو رہا تھا سوچا آپ کے ساتھ پی لوں۔''
ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجا کر اس نے بظاہر کتنے ہلکے پھلکے انداز میں بات چیت کا آغاز کیا یا پھر تمہید باندھی۔ جواباً وہ خاموش رہا تھا۔ آنکھوں کی سنجیدگی متانت اور گھمبیرتا اس پل کتنی گہری ہو رہی تھی اتنی کہ امن خائف ہونے لگی تھی۔
''آپ باہر چلی جایئے مجھے کسی کی کمپنی کی عادت نہیں ہے۔
وہ کتنی نخوت سے کہہ کر رخ پھیر کر اپنے لیپ ٹاپ میں مصروف ہوا اس کی آمد سے قبل بھی وہ وہیں بزی تھا۔ امن کو لگا کسی نے اس پر سوگھڑا پانی ڈال دیا ہو۔ اتنی خفت اسے یہ بھی لگا تھا ارسل احمد پہلے سے آگاہ ہے اس بات سے...... جو وہ اس نے کرنے آئی ہے۔ وہ اس کے احساسات جذبات کسی سے بھی بے خبر نہیں اسے یکدم رونا آیا بہت سا۔ اسے بہت ڈھارس بھی ملی۔ انوکھی مسرت بھی محسوس ہوئی تھی اسے لگا جیسے کوئی بوجھ سرکا ہے اب اسے ارسل کو اپنی بات سمجھانے میں ہرگز اتنی دقت نہیں ہوگی وہ اپنا بہت کچھ داؤ پر لگا کر آئی تھی اسے ناکامی کو اپنے پاس بھی بھٹکنے نہیں دینا تھا۔
''آپ نے ماموں کے سامنے شادی کے لیے جتنی کڑی شرط رکھی...... سچ پوچھیں تو مجھے مشکل میں ڈال دیا۔ اپنی بات کہنے سے قبل وہ اٹھ کر اس کے سامنے آئی تھی پہلے لیپ ٹاپ بند کیا پھر اس کی ریوالونگ چیئر کا رُخ اپنی جانب کر کے وہ جس اعتماد کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ وہی

ارسل احمد کو کانٹا بن کر چبھا تھا۔ اس نے نگاہ بھر کے اپنے سامنے کھڑی سوا پانچ فٹ کی بے حد نازک کرسٹل کی گڑیا نظر آئی اس بے حد حسین لڑکی کو آنچ دیتی نظروں سے دیکھا تھا اس کی ہموار بھنوؤں کے درمیان گہری شکن جو اس کے شدید موڈ اور گھمبیر سنجیدگی کی غماز ہوا کرتی تھی۔ مزید گہری اور نمایاں نظر آنے لگی اس کی نظریں تلخ تھیں مقابل کو جھلسا کر دکھ دینے کی صلاحیت سے مالا مال۔

''امن آپ باہر جائیں۔'' وہ اب کے قدرے بلند آواز میں بے حد خفگی سے مبتلا کر بولا۔ امن نے ہرگز اہمیت نہیں دی۔

''جاؤں گی، مگر صرف اتنا بتا دوں آپ سے شادی کرنے کے لیے مجھے لازمی مغرور ہونا پڑے گا...... مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے آنکھوں میں بے بسی لیے وہ کتنی لاچار نظر آ رہی تھی کرسی کے ہتھے پہ ارسل کے ہاتھ کی گرفت خطرناک حد تک بڑھ گئی۔ چہرہ ایسے سرخ ہو رہا تھا کہ امن کو لگا ہو کسی بھی پل چھلک جائے گا اسے ارسل سے خوف محسوس ہوا تھا لاشعوری طور پر وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''مجھے زندگی سے کبھی نفرت نہیں ہوگی مگر آج میں نفرت محسوس کر رہا ہوں مجھے ہمدردی سے چڑ ہے اور تم......''

''ارسل احمد......'' وہ جیسے اس کے الفاظ کی کاٹ سے لخت لخت ہوتی بے اختیار گھٹنوں کے بل زمیں پہ اس طرح گری کہ دونوں ہاتھ ارسل کے گھٹنوں پہ رکھ دیے۔

''آپ کو یہ ہمدردی کیوں لگی ہے ارسل احمد......!'' وہ جیسے کراہی تھی۔

''آپ اسے محبت بھی سمجھ سکتے تھے۔'' اس کے انداز میں شکوہ در آیا۔ ارسل احمد نے جواباً اسے سرد نظروں سے دیکھتے اس کے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے جھٹک دیے۔

''میرا چہرہ بہت ایٹریکٹیو ہے مانتا ہوں مگر تم اس حد تک نفس کی تابع ہوگی ہرگز اندازہ نہیں تھا امن اللہ گواہ ہے اگر پاپا جان کی بیٹی نہ ہوتیں تو بہت برا سلوک کرتا میں تمہارے ساتھ۔ بریرہ آنٹی جیسی نفیس اور نیک خاتون کی بیٹی ہے تم سمجھ لو یہ سب میں توقع نہیں رکھتا تھا تم خاموشی سے یہاں سے چلی جاؤ میں بھول جاؤں گا۔ تم نے کبھی ایسی بات مجھ سے کہی تھی۔''

اس کا لہجہ پرسکون تھا۔ امن اسی حد تک سناٹے میں گھر گئی تھی۔ اسے لگا کہ کسی نے اسے بھرے بازار میں سرعام عریاں کر دیا ہو اتنی ذلت، اس درجہ سبکی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ وہاں سے کیسے نکلی کیسے گھر آئی کتنے دنوں تک اس کی سماعتوں میں ارسل کے آخری الفاظ نوکیلے پتھروں کی مانند چبھتے رہے تھے وہ خود کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس کے نفس کی تکمیل نے اسے ذلت کی ایسی اتھاہ گہرائی میں پھینک دیا تھا جہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا وہ روز رو کر بھی تھکنے لگی تھی مگر آنسوؤں کا ذخیرہ ختم نہ ہوتا تھا۔ بریرہ کتنی حیران تھیں اس کی اس خاموشی اس قید تنہائی پال لینے کی عادت سے عبداللہ نے ہارون نے یہاں تک کہ اتباع نے بھی سر پٹخ لیا تھا۔ اس سے پوچھنے کو مگر اس کی ایک چپ کے سامنے سب شکست تسلیم کر گئے تھے۔ البتہ پریشانی کو کیسے ختم کیا جا سکتا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں لڑکی! سب کو پریشان کر لے بہت لطف آ رہا ہے تمہیں۔''

ایسے میں جب عبدالعلی اس کی گھر پہنچا تو کس

طرح بھی وہ خود پہ قابو نہیں رکھ سکی تھی ایسے پھوٹ پھوٹ کے تڑپ تڑپ کے روئی کہ عبدالعلی بھی پریشان ہو گیا۔

''کاش خودکشی حرام نہ ہوتی عبدالعلی! ورنہ میں ایک پل بھی زندہ رہنا گوارہ نہ کرتی۔ کوئی پوچھے اسے کس نے حق دیا مجھے اتنا ذلیل کرنے کا۔''

پوری طرح اس کے سامنے کھلتی وہ آخیر میں شاکی ہو گئی تھی۔ عبدالعلی ساکن بیٹھا رہ گیا۔

''مجھے واقعی شاک لگا ہے امن! تم جیسی لڑکی سے مجھے بھی......''

''وہ اپنے زندگی برباد کرنے پہ تلے ہوئے ہیں عبدالعلی! اور میری محبت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔''

اس کی پوری بات سنے بغیر وہ چیخ پڑی۔ عبدالعلی نے گہری سانس لی۔

''تم بھی تو ارسل کی کیفیات کو سمجھو امن! وہ جس پوزیشن میں ہیں......''

''تمہیں بھی ان کا دفاع کرنا ہے تو چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ آنسو پونچھتے غرائی۔ عبدالعلی بھنوؤں کو خائف انداز میں جنبش دیتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اس بات پہ تو یقین رکھتی ہو نا کہ...... اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔''

عبدالعلی نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا سر تھپکا۔ انداز میں شفقت تھی امن ہونٹ کچلتی رہی۔

''خود کو سنبھالو، تم بہت بہادر لڑکی ہو۔'' اس کا لہجہ نرم تھا امن ہچکیاں بھرتی رہی۔

''میرا دل کرتا ہے عبدالعلی! انہیں ایسا زخم لگاؤں کہ عمر بھر تڑپتے رہیں احساس زیاں انہیں ساری زندگی چین نہ لینے دے۔'' وہ گھبراہٹ زدہ آواز میں کہتی عبدالعلی کو چونکا گئی۔

''تم ہرگز کوئی حماقت نہیں کرو گی امن! تم اتنی ازراں ہو بھی نہیں کہ کسی کی خاطر خود کو ضائع کر دو۔''

امن کے شدت پسندانہ تاثرات نے عبدالعلی کو جتنا خائف کیا تھا وہ اس قدر مضطربانہ انداز میں کہہ رہا تھا جسے محسوس کرتی امن دکھ بھرے انداز میں دھیرے سے ہنس دی۔

''بے فکر رہیں موصوف کی خاطر خودکشی کا ارادہ بہرحال نہیں ہے۔'' عبدالعلی کو اس کا زخمی لہجہ خار بن کر چبھا۔ اور کچھ کہے بنا اسے دیکھتا رہا۔ حالانکہ وہ اسے بتانے بلکہ اس قائل کرنے آیا تھا کہ آج ہی عبدالغنی اور لاریب وعیراں کے ہاں آچکے ہیں۔ عبدل احد کا باقاعدہ اس کے لیے رشتہ لے کر۔ بریرہ تو سچی بات ہے اتنی راضی تھیں کہ بغیر کسی فارمیلٹی کے فوراً ہاں کر دینے کو تیار تھیں۔ جبکہ ہارون کو بھی اس رشتے پہ ہرگز اعتراض نہیں تھا عبداللہ کی رضا بھی شامل تھی۔ لے دے کے ایک وہی رہ گئی تھی جو بے خبر تھی۔

عبدالعلی کے خیال میں یہ موقع ہرگز ایسا نہیں تھا کہ اسے آشکار کیا جاتا۔

سخت الجھن اور اضطراب کا شکار جس پل وہ امن کے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ سیڑھیاں اترتی قدر نے اسے دیکھا بلکہ اس کے انداز کو دیکھا اور جیسے پتھر کی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ کچھ دیر کھڑی رہی۔ پھر اسی طرح اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی۔ عبدالعلی اپنے خیال میں تھا اسے روبرو پا کے قدرے چونکا۔

''یہ امن کا کمرہ ہے ناں......؟''

سوال ایسا تھا کہ عبدالعلی ٹھٹکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس نے تحیر آمیز غیر یقینی سمت اسے الجھ کر

دیکھا۔
''ہاں مگر تم...... کیوں پوچھ رہی ہو......؟''
''اس لیے کہ آپ اس کے کمرے سے نکلے ہیں جبکہ آپ کبھی اس طرح میرے کمرے میں بھی نہیں آئے اس کے باوجود کہ ہمارے درمیان تعلق بہت جائز اور......''
''یہ بہت بے معنی اور فضول سوال نہیں ہے......؟'' عبدالعلی کا لہجہ سخت ہوا قدر کا رنگ اسی لحاظ سے پھیکا پڑا۔ اسے لمحے کے ہزارویں حصے میں شاک لگا تھا۔ اس کا جو مان اور محبت کا ذرا سا تفاخر حاصل ہوا تھا۔ اسے لگا وہ منہ کے بل اس کے سامنے جا پڑا ہو۔
''اپنا کام کرو جا کے قدر! اور شک کرنا چھوڑ دو۔ خدشات پالوگی تو تم اپنے ساتھ میری زندگی بھی اجیرن کر دو گی۔ جس رشتے میں ہم بندھے ہیں...... یہ تعلق ٹوٹنے کے لیے نہیں بندھا تھا نہ میں تم سے دور کبھی جا سکتا ہوں۔''
اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی کو دیکھتا ہی وہ قدرے دھیما پڑا تھا اور گویا سمجھایا مگر قدر کا دل تو ٹوٹ چکا تھا کچھ کہے بغیر وہ پلٹ گئی تھی۔
تعلق صرف کاغذوں پہ سائن کرنے یا ایجاب وقبول سے ہی نہیں عبدل العلی! یہ دلوں کے ملنے سے طے پاتا ہے دل جتنے قریب ہوں گے تعلق اتنا پائیدار و گہرا ہوگا، مگر آپ کیا جانیں آپ کیا سمجھیں۔ سیڑھیاں چڑھتے اس کے آنسو اس کے قدموں میں رلتے بے مایا ہوتے رہے تھے۔

☆......☆......☆

وہ اسے پھر یاد آ رہا تھا۔ نظروں کا فسوں آواز کا شاکی پن انداز کا سلگتا تاثر اتباع نے گہرا سانس بھرا اور پھر اس کا نمبر ٹرائی کیا۔ ایک بار پھر اس کی کال ڈسکنکٹ ہوگئی تھی۔ اتباع نے ہونٹ بھینچ لیے اسے عبداللہ کے موڈ کی تباہی کا اندازہ ہوسکتا تھا۔ اس نے فون پھینک دیا۔ توہین کا خفت کا...... ہتکی کا احساس اس کی روح کو کچلو کے لگانے میں مصروف تھا جب اس کے فون پہ بیل آنے لگی اس نے قدرے چونکتے ہوئے نکاح کا زاویہ بدلا۔ کال عبداللہ کی ہی تھی اس نے زاویہ انداز تبدیل نہیں کیا اپنی جگہ سے جنبش کی یہاں تک کہ گھنٹی بج بج کر بند ہوگئی کچھ توقف سے میسج ٹون بجی اور عبداللہ کے نام کے پیغام سمیت اسکرین چمک اٹھی۔ اتباع نے ہاتھ بڑھا کر خود کو میسج کھولنے سے باز نہیں رکھ پائی۔
سیل فون اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ جب عبداللہ ہولے سے کھنکھارتا ہوا دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اتباع نے بے دھیانی میں نگاہ اٹھائی تھی اگلے لمحے وہ گہرے استعجاب کے عالم میں ہاتھ سے فون گرا بیٹھی۔
''بہت خوب......! ہمیں اہمیت نہیں ہمارے میسج کو ہی سہی۔'' اس کا طنز بھی بہت سرد تھا۔ اتباع سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اضطراری کیفیت میں دوپٹہ درست کیا۔
''آ آ آپ......؟'' اس کی حیرانی اس کے چہرے آنکھوں سے ہر ہر نقش سے چھلکتی تھی جسے محسوس کرتا عبداللہ مسکرانے لگا۔
''میں نے سوچا اچھا موقع ہے۔ آپ گھر پر اکیلی ہیں کچھ وقت ہی ساتھ گزار لیتے ہیں میرا بیڈ روم نہ سہی آپ کا سہی بات تو ایک ہی ہے کیا خیال ہے۔''
وہ سنجیدہ تھا اتباع تھرا کر رہ گئی۔ اس نے سہمتے ہوئے انداز میں عبداللہ کو دیکھا تھا۔ جو ہاتھ پشت پہ لے جا کر دروازہ لاک کر رہا تھا۔ اتباع کی

ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر اتری۔ رنگ لمحے میں فق ہوا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے عبداللہ کو اپنی جانب بڑھتا دیکھتی جیسے شاک میں گھر گئی تھی۔

''تم مجھے نفس پرست بھی کہہ سکتی ہو، ہوس میں مبتلا ہونے کا بھی طعنہ دے سکتی ہو۔تمہاری مرضی ہے میں بس اتنا جانتا ہوں...... میں غلط نہیں ہوں تم میری منکوحہ ہو میں کہیں غلط راستے پہ نہیں آیا، شرمندہ تب ہوتا اگر میں کوئی غلط انتخاب کرتا کیوں...... ہے ناں......؟''

فاصلہ مٹ گیا اب وہ اس سے اتنا قریب تھا کہ اس کی سانس کی تپش اتباع کے گال سلگا رہی تھی۔ وہ جیسے تھرا کر ہوش میں لوٹی اور تڑپ کر فاصلہ پہ ہونا چاہا تھا کہ عبداللہ نے جواباً بے حد درشتی سے اس کا بازو پکڑ کے اپنے نزدیک کھینچا۔

''مرد کو کسی بھی سطحی حرکت پہ کسی بھی انتہائی رویے پہ مجبور ہمیشہ عورت کرتی ہے میں یہ سوچنے پہ دق بجانب ہوں تم خود کو خاص سمجھتی ہو...... مگر میرے نزدیک ایسا نہیں ہے کہ......

اس کے پھترائے ہوئے انداز پہ دھیان دیے بناوہ اس پہ جھکا اور گستاخانہ انداز میں اس کا گال چوم لیا۔ اتباع پہ چھایا سکتہ ٹوٹ گیا وہ تڑپ کے مچل کے فاصلے پر ہونا چاہتی تھی کہ عبداللہ نے اس قدر سرکشی اور کسی حد تک جارحانہ انداز میں اسے بازوؤں کے شکنجے میں کس لیا۔ اتباع کا چہرہ بالکل پیلا پڑ گیا۔ گال شدت سے تپنے لگے حجاب سے بے بسی سے آنکھیں نم ہوئی تھیں عبداللہ کی حسین صورت سے بھی اس پل اسے وحشت محسوس ہونے لگی اس کا دل سینے میں زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑاتا چلا گیا۔

''آپ نے کیسے سوچا کہ آپ میرے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں......؟'' مت بھولیں کہ میں آپ کی رشتہ دار بھی ہوں اس حوالے سے کچھ خیال کر لیں۔''

اس کے لہجے میں اجنبیت و غصے کے ساتھ شک کا بھی سارا زہر امنڈ آیا تھا انداز میں غضب کا احتجاج اور جارحیت ابھری تھی مزاحمت تھی۔ عبداللہ ہکی اور طیش کے زیر اثر کچھ ثانیے بول نہیں سکا جبکہ وہ جیسے روتے ہوئے اس کا حصار توڑ کر فاصلے پہ ہوئی اور بھاگ کر بند دروازہ کھولنے کی کوشش کی عبداللہ نے ایک ہی جست میں اسے جا لیا۔

''میں آج جو ٹھان چکا ہوں وہ ہر صورت پورا ہوگا۔ چلو میرے ساتھ...... بس سمجھ لو تمہاری اس طرح رخصتی...... مت سمجھنا کہ تمہارے دل برداشتہ کر دینے والے رویے سے میں تم سے دستبردار بھی ہوں گا۔''

اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ خود دروازہ کھول کر باہر نکلتا اسے اپنے ساتھ گھسیٹ کر ایک طرح سے غرایا۔ اتباع دکھ سے شل ہو کر رہ گئی۔ اضطراب کی لہریں اس کے پورے وجود میں زہر بن کر دوڑنے لگیں تھیں جیسے۔ عجیب دل شکستہ نڈھال کیفیت میں وہ روتی ہوئی وہیں فرش پہ بیٹھ گئی۔

''آپ ایسا نہیں کر سکتے عبداللہ! وہ کراہی تھی۔

''تمہیں یاد ہے تم نے کہا تھا عبداللہ صاحب! محبت پاکیزگی ہے لیکن جب یہ پاکیزگی کی حدوں سے نکلنے لگے تو محبت کے حصار سے بھی آزاد ہو جاتی ہے باقی بچتا ہے تعلق...... نفس اور خواہشات کا تعلق اور دونوں تعلق بے لگام ہیں انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں کہ احساس بھی نہیں رہتا حصے میں آتا ہے تو افسوس اور ملال...... دونوں کا ہی کوئی مداوا نہیں...... تم تب بھی مجھے ایسا سمجھتی

تھیں جب میں ایسا نہیں تھا اب اگر میں کہوں اتباع کہ مجھے اس انتہا پہ ہی تمہارا رویہ لے کر آیا ہے تو ہرگز غلط نہ ہوگا۔ تم مجھے ایسا نفس پرست سمجھتی تھیں جو موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تم نے مجھے ایسا بنا دیا۔ تم مجھے ایسا سمجھ لو۔''

اس کی آواز دکھ سے ٹوٹ رہی تھی اس کے تاثرات اتنے برفیلے اور جامع تھے اور پتھر ملے ہو رہے تھے کہ اتباع کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوسکی، ویسے بھی جو صورتحال تھی اسے رونے سے فرصت نہیں تھی۔

''میری بات سن لیں عبداللہ! پلیز رحم کر دیں مجھ پر مت اس طرح گرائیں مجھے سب کی نظروں سے...... آپ کے نزدیک یہ محبت کی جیت ہوگی مگر میں ساری زندگی سر اٹھا کر نہیں جی سکوں گی اتنی مہلت تو دیں مجھے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں میں انکار نہیں کروں گی۔ ہماری شادی بھی بھائی جان کے ساتھ ہی ہوگی فار گاڈ سیک اس وقت مجھے چھوڑ دیں جائیں یہاں سے......''

زاروقطار روتی لڑکی اس کے قدموں میں بیٹھی منت کر رہی تھی۔ عبداللہ کے اندر برتری فوقیت کا تفاخر کا جیت کا احساس سر اٹھانے لگا اس نے نگاہ بھر کے اس بے حد حسین ایمان لوٹ لینے والی لڑکی کو دیکھا اور متاسفانہ گہرا سانس بھرا۔ پھر پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا کچھ دیر مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھتا تھا۔ پھر شریر انداز میں گویا ہوا تو فتح کا کامرانی کا احساس اس کے لہجے کو بھی انوکھی ترنگ بخش رہا تھا۔

''طے ہوا واقعی بہت ظالم ہو...... اب بھی عین وقت پہ کام بگاڑ دیا لیکن آخری بات مان رہا ہوں پھر اس کے بعد ہمیشہ میری چلے گی آفٹر آل اتباع! میں بھی چاہتا ہوں تم ہمیشہ سر اٹھا کر فخر سے جیو۔

اس کو بے دردی سے رلا کر وہ اسے تینی زندگی کی نوید سنا رہا تھا اتباع نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا اور خود کو سنبھال کر اٹھنا چاہا کہ عبداللہ نے اسی دلکش مسکان کے ساتھ اپنا ہاتھ سہارے کو اس کی جانب بڑھا دیا۔ جسے ظاہر ہے وہ تھامنے پہ آمادہ نہیں ہوئی تھی اور یہی نظر بندی یہی گریز عبداللہ کا موڈ پھر سے آف کرنے کا باعث بن گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا اور اٹھتے ہوئے اپنا بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کرتا ایک طرح سے اسے اپنے حصار میں مقید کر گیا۔

''آں...... ہاں...... ڈارلنگ......! میں نے کہا ناں اب صرف میری چلے گی سو کبھی انکار نہیں سنوں گا میں کسی بھی بات کے جواب میں۔'' اس کا انداز تنبیہہ کا تھا اتباع بدحواسی سے اسے دیکھتی رہ گئی وہ جتنی بھی ہوئی جتنی خائف تھی عبداللہ کا موڈ بھی اس حد تک ناخوش گوار ہو رہا تھا۔

''بعض لوگ ایسی غلطی کر جاتے ہیں جو ان کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوتی مگر ایسی چھوٹی غلطیاں بھی دل سے اتر جانے کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔ سو بی کیئرفل نیکسٹ ٹائم! اوکے......''

اس کا لہجہ قطعی تھا اس نے بہت رکھائی سے اپنا بازو ہٹایا اور اس سرد موڈ کے ساتھ پلٹ کر کمرے سے نکل گیا اتباع بری طرح نڈھال ہو رہی تھی دکھ سے رنج سے ملال سے اذیت سے آنسوؤں سے بھری آنکھیں چھلک رہی تھیں دل پہ بے تحاشا بوجھ لیے وہ بستر پہ جا گری، پتا نہیں عبداللہ کی شدت پسندانہ انتہائی طبیعت ابھی اسے کیا کیا مزید دکھلانے والی تھی۔

☆......☆......☆

خزاں کی سرد مگر بے رونق ہوا خشک پتوں کی

شاخوں سے جدا کرتی دور تلک اڑا لے گئی اس کی ساری توجہ اڑتے پتوں پہ تھی اور درختوں کی سوکھی ٹہنیوں پر جو بلند ہو کر آسمان کے سینے میں گڑی محسوس ہوتی تھیں۔ بادام کے درختوں میں گھری روش پہ ٹہلنا موقوف کر کے وہ تھکے ہوئے انداز میں سڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ ارسل نے بے اختیار نظر چرائی اسے ایسا لگا تھا اگر مزید کچھ لمحے اسے دیکھا تو شاید وہ خود کو گھل گھل کے اس کے قدموں میں ڈھیر ہوتا محسوس کرے گا کیا تھی یہ لڑکی۔ یا کیا تھی اس کی محبت...... جو اتنی تیزی سے ایسے جادوئی انداز میں اثر انداز ہوئی تھی کہ وہ اس کے سحر سے خود کو آزاد نہیں کر پا رہا تھا۔

آج عبداللہ اور عبدالعلی کی شادیوں کی تاریخیں طے ہونا تھی وہ کبھی اسامہ یا پھر سارا کی بات مان کر یہاں نہ آتا۔ مگر وہ کسی بھی طور عبدالغنی کی بات رَد نہیں کر سکا تھا جو کتنی چاہت سے خود لینے آئے تھے اسے وہ جانتا تھا جب سب لوگ اسے زندگی طرف بلاتے تھے۔ وہ زندگی جس میں اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش اور کوئی کشش نہ تھی مگر...... وہ کیسے اتنے دل توڑ دیتا ایک دل توڑ کر انجام میں بے انت بے چینی تو سمیٹ بیٹھا تھا ثابت ہوا تھا اسے خوشیاں اور زندگی دینے کو آئی لڑکی خود ان دونوں چیزوں سے دور ہو چکی ہے تھی اس نے گہرا سانس بھرا اور اضطراری کیفیت میں سگریٹ سلگانے لگا۔

''پتا نہیں یہ میری یہاں آمد سے باخبر ہے بھی کہ نہیں......'' اس کے دل نے عجیب سا سوال اٹھایا تھا جس کی ہرگز اہمیت نہیں ہونی چاہیے تھی اس نے گہرا کش لے کر دانستہ دھواں بکھیرا اور پھر اس دھندلے غبار کے پار اس پاگل لڑکی کو ڈھونڈنے کے کھیل کھیلنے لگا وہ اس کی نظروں کا اٹھنا۔ ان نظروں کی دلچسپی اور تقاضے سے ہرگز انجان نہیں رہا تھا جب ہی بالخصوص اسے نظر انداز کرنا شروع کر دیا اس کا بہانے بہانے سے یہاں آنا آس پاس منڈلانا اس سے ہرگز اچھا نہیں لگتا تھا وہ خود غرض نہیں تھا کہ آپ ایک ہنستی کھیلتی لڑکی کو خود اپنی خواہش کی بھینٹ چڑھا دیتا۔ شادی کے لیے سختی سے انکار اور پھر وہ شرط لگا کر وہ جتنا مطمئن ہوا تھا اس روز امن کی آمد اسے اس قدر وحشت زدہ اور بے چین کر رہی تھی پھر جو کچھ اس نے کہا جن الفاظ کا انتخاب کیا وہ خود اس کے لیے بھی بہت کٹھن...... بہت تکلیف دہ تھا مگر اسے کرنا پڑا وہ اس کانچ جیسی لڑکی کو نسبتاً کم دکھ دے کر بڑے اور دائمی دکھ سے بچانا چاہتا تھا اس نے ایسا ہی کیا تھا مگر اب...... سارا سے یہ سننا کے وہ عبدالاحد کے رشتے کو سختی سے انکار کر چکی ہے ارسل کو اپنی محنت پہ پانی پھرتا ہوا محسوس ہوا تھا کیا تھا وہ لمحہ...... جب اتفاقاً اس کے سامنے امن پہ انکشاف ہوا تھا وہ تب شام جب ارسل کو چیک اپ کے بعد اسامہ وہیں لے آئے اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر۔

''یار دس منٹ کا کام ہے کیا ہو گیا ہے......؟'' تم نہ اندر جانا میں بھائی جان سے مل کر واپس آ جاؤں گا بے شک گاڑی میں بیٹھے رہنا۔

اسامہ بھی اس کی معذوری اور گریز کو جانتے تھے جب ہی نرمی سے ٹال دیا تھا۔ پھر بھلا ممکن تھا کہ وہ وہیں گاڑی میں بیٹھا رہتا بریرہ کو جیسے ہی خبر ہوئی وہ خود ہارون کے ہمراہ آ کر اسے اندر لے گئی تھیں۔ عبدالغنی سے وہاں ملنا اسے ہمیشہ کی طرح اچھا لگا تھا یوں جیسے دل پہ دھرا بوجھ اترا ہو مگر ان لوگوں کی آمد کی وجہ جان کر اسے چپ بھی

لگ گئی تھی ایسے میں جب بریرہ کو سمجھانے بجھانے پہ کسی نہ کسی طرح امن چائے کی ٹرے سمیت وہاں آئی تو عبدالاحد نے اسے دیکھ کر دونوں ہاتھوں میں جس طرح چہرہ ڈھانپا وہ اگر سب کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا تو امن کو حیرانی نے آن لیا بہرحال وہ ابھی تک آگاہ نہیں ہو پائی تھی۔ حیران تو وہ ارسل کو بھی وہاں موجود پا کر ہوئی تھی مگر اسے صاف نظر انداز کر دیا بیگانگی کے ساتھ اس کے سامنے اذیت کا ایک ان دیکھا رنگ بھی چہرے پر بکھیرا تھا جسے صرف ارسل ہی محسوس کر سکتا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے...... تمہاری ڈیئر فیانسی سامنے آ گئی ہے جو شرما لجا رہے ہو......؟''

وہ اس کے سر پہ ایک چپت لگا کر بولی، انداز اپنا دھیان بٹا تا ارسل کو نظر انداز کرنا تھا جو اسے مہنگا پڑا تھا۔

''ایسا ہے تو پھر کیا کروں منگیتر کو تو شرمانے کا خیال نہیں آیا اس کی جگہ مجھے یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔''

عبدالاحد نے مزید شرمانے کی اداکاری کی تھی۔ اتباع کی بھنویں سکڑ کر رہ گئیں تھیں۔

''میں سمجھی نہیں یہاں کون سی منگیتر ہے تمہاری......؟'' اس نے اطراف میں شوخی سے نگاہ گھمائی تو عبدل احد نے اسی شریر انداز میں اس کی جانب انگلی اٹھا دی تھی۔

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے
باغ تو سارا جانے ہے

وہ دانت نکوس رہا تھا اتباع نے اسے مزید ایک چپت لگا دی تھی۔ گو کہ وہ اس سے بڑا تھا مگر مجال ہے جو امن نے کبھی اسے بڑا جانا ہو۔ ہمیشہ اپنے رعب جماتی گویا چھوٹا بچہ ہو وہ۔ اب عبدل احد کو اسے ستانے میں مزا آ رہا تھا۔

''بکواس نہیں کرو مجھے مذاق میں بھی ایسی بات پسند نہیں۔'' اس کا انداز نخوت سے بھرنے لگا۔

''مگر یہ مذاق نہیں ہے امن! بھائی جان آج اسی سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔ ہمیں بھی اعتراض نہیں۔ فی الحال بات طے ہوئی ہوگئی ہے، اللہ نے چاہا تو عنقریب شادی بھی......''

امن کی سنسناتی سماعتوں نے ڈھنگ سے بریرہ کی پوری بات بھی نہیں سنی۔ اس نے حق دق ہوتے بریرہ کو دیکھا جو سنجیدہ تھی وہ اڑتے ہوئے حواسوں کے ساتھ بے اختیار ارسل کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پہ بغیر کسی تاثر کے نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ امن دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ سب کچھ وہیں چھوڑ کر کمرے سے بھاگتے ہوئے نکل گئی تھی۔

''یہ لیجیے، شرما گئی بچی......!'' سب کو پتا نہیں کیوں لگتا ہے نہیں شرمائے گی وہ۔'' عبدالعلی نے مسکرا کر کہا تھا ارسل سر جھکائے ساکن بیٹھا رہا تب تک کیا۔ بعد میں بھی اس کے گمان تک یہ بات نہیں تھی کہ وہ انکار بھی کر سکتی ہے۔ انکار کا سن کر بھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''امن......!!'' اپنے دھیان میں چلتی وہ ایک دم اس کے سامنے آ گئی تھی ارسل نے پہلی مرتبہ دانستہ اس سے نگاہ نہیں ہٹائی اور اسے دیکھتا رہا امن تو جیسے تھی ہی سکتہ زدہ...... شاید اسے ایک بار پھر اس کی یہاں آمد کی توقع نہیں تھی مگر جیسے ہی وہ حواسوں میں آئی ایک جھٹکے سے وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی کہ ارسل کی دی گئی آواز نے اس کے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ وہ خود کو

آگے بڑھنے کے معاملے میں لاچار سخت لاچار محسوس کر رہی تھی۔

''اس پرپوزل کو ریجیکٹ مت کرو۔ ارسل نے اس کا تھمنا محسوس کیا تھا۔ وہ زہرخند سے ہنس پڑی۔

''میں ایسا کر چکی ہوں۔'' اس کا انداز تیکھا اور جتلایا ہوا تھا۔

''تم مان جاؤ گی تو وہ لوگ شادی کر لیں گے اور......''

امن نے جو اسے دیکھنے سے گریزاں تھی ایک جھٹکے سے پلٹی واپس اس تک آئی اور تیز نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے دبے ہوئے لہجے میں پھنکارنے لگی۔

''آپ ایک فیصلہ میرے لیے کر چکے ہیں آپ دوسرا فیصلہ میری زندگی کا کرنے والا کون ہوتے ہیں ارسل احمد!۔ ارسل نے نگاہ بھر کے اس کے لہورنگ چہرے کو دیکھا تھا اور نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔

میں نہیں چاہتا کہ تمہاری زندگی برباد ہو......''

''زندگی تو برباد ہو چکی ہے ارسل احمد!'' وہ زہرخند ہوئی۔

''تم......؟''

''کچھ مت کہیے ارسل احمد! آپ نے جو کرنا تھا آپ وہ کر گزرے...... مزید کچھ کریں میں اس کی اجازت نہیں دوں گی آپ کو...... سمجھے آپ......'' اس کی بات کاٹتی وہ بیگانگی کی انتہا پہ جا کھڑی ہوئی۔ ارسل نے پھر نگاہ بھر کے اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی کو دیکھا اور ہونٹ بھینچ لیے امن منہ پہ ہاتھ رکھا بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی تھی۔

☆......☆......☆

لاریب نے عبدالغنی کو وہیں کوٹ پہنائی اور بٹن بند کرنے لگی۔ عبدالغنی نے ان کی اداسی اور دلگیری کو محسوس کیا۔ جب ہی انے دونوں بازو ان کے شانوں پہ رکھ دیے لاریب چونک کر انہیں تکنے لگی پھر گہرا سانس بھرا اور ان کا بازو دونوں ہاتھوں میں تھام کر خود ان کے کاندھے سے لگ گئیں تھیں۔

''امن کے اس فیصلے سے بھابی بہت ہرٹ ہوئیں ہیں عبدالغنی! امن تو اتنی پیاری بچی تھی...... پھر یہ......''

''بریرہ سمجھ دار ہیں ہرگز برا نہیں مانیں گی۔ یہ بندھن ایسا ہے کہ اس میں فریقین کی رضامندی از حد ضروری ہے مجھے بچی کا فیصلہ ہرگز برا نہیں لگا۔ بچوں کو آزادی رائے کا حق ہم نے ہی دیا ہے مت بھولیں آپ......''

عبدالغنی کے دھیمے لہجے کے باوجود لاریب کا اضطراب اور ملال اپنی جگہ قائم تھا۔

''مجھے عجیب سی ندامت ہوتی ہے عبدالاحد کے سامنے یہ...... ماشاء اللہ! اتنا فرمانبردار ہمارا بچہ! جو فیصلہ کیا دل سے قبول کر لیا اس نے...... اب سوچتی ہوں اگر وہ ہرٹ ہوا امن کے انکار پہ تو......''

''عبدالاحد کی امن سے اس قسم کی کوئی انوالومنٹ نہیں تھی لاریب! آپ کیوں ہر بات کو اتنا گہرائی سے محسوس کرتی ہیں۔ الحمداللہ ہمارے بیٹے نے اس فیصلے کو بھی دل سے قبول کیا ہے میں بات کر چکا ہوں عبدالاحد سے۔ کہہ رہا تھا کہ بابا جان! سچ پوچھیں تو کبھی امن کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا مگر جب اس جانب دھیان دینا چاہا اس سے قبل ہی محترمہ نے ڈانٹ دیا مجھے تو پہلے ہی وہ اتیاع سے کم نہیں لگتی تھی اب اس سے بھی آگے کی چیز لگتی ہے۔

لاریب کی تسلی کی خاطر عبدالغنی نے حرف بہ

حرف عبدالاحد کے الفاظ ان کے سامنے رکھے تو وہ واقعی ہلکی پھلکی ہوتیں مسکرانے لگیں تھیں۔

''شکر ہے خدا کا، اللہ نے کرم کیا اللہ ہمارے درمیان ان دونوں بچوں کے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے آمیں۔

''ثم آمین۔'' چلیے اب تیار ہو جائیے علیزے اور عبدل ہادی بھی آنے والے ہوں گے۔''

انہوں نے خود سے الگ کر کے لاریب کا سرزمی سے تھپکا۔ لاریب مسکراتے ہوئے پھر ان کے ساتھ لگ گئی تو عبدالغنی نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ ان کی نگاہ میں شکوہ تھا عجیب سی تشنگی تھی۔

''جتنے مجھے زیادہ اچھے لگتے تھے آپ عبدالغنی! اس قدر کم دستیاب ہونے لگے۔ اتنے ہی فاصلوں پر چلے گئے۔

اتنے مصروف رہنے لگے کہ بس آپ کی راہ تکتی...... انتظار کرتی رہ جاتی ہوں۔

عبدالغنی کے خوبرو باوقار چہرے پہ انوکھی روشنی سی پھیل گئی لاریب کا اظہار کا شکوہ انہیں آج بھی انوکھی خوشی سے ہمکنار کر رہا تھا ڈھیروں خون بڑھا دیتا۔ انہوں نے جواباً بہت وارفتگی کے عالم میں لاریب کو اپنے حصار میں لے لیا۔

''اگلے کچھ مہینوں تک میں نے اجتماع کے ساتھ جانے کا ارادہ کرلیا ہے لاریب! بچوں کی شادیوں کے بعد سارا وقت میں خود بھی آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔''

ہاتھوں کے پیالے میں ان کا چہرہ لیے وہ بہت والہانہ انداز میں گویا تھے۔ جب دروازے پر دستک ہونے لگی۔

عبدالغنی چونکے جبکہ لاریب جو بے حد مگن اور سرشار تھیں۔ سرد آہ بھر کر، ان سے فاصلے پہ ہوئی تھیں۔

''آجاؤ کون ہے۔'' انہوں نے کسی قدر خفگی سے کہا تو عبدالغنی نے مسکراہٹ ضبط کی تھی وہ انہیں گھورتی کچھ اور فاصلے پہ چلی گئیں۔

''السلام وعلیکم بابا جان! والدہ!'' عبدالعلی نے اندر داخل ہوتے مودبانہ انداز میں سر جھکایا۔ عبدالغنی نے بے اختیار آگے بڑھ کر سلام کا جواب دیتے پیشانی پر بوسہ ثبت کیا۔

''ٹھیک ہو بیٹے!'' وہ مسکرا رہے تھے۔ عبدالعلی نے خوبصورت تبسم کے ساتھ ماں کے آگے سر جھکایا تو لاریب نے نہال ہوتے اس کے سر پہ بوسہ لیا تھا۔

''دونوں بہو تشریف لے آئی ہیں۔ میں آپ کو بلانے آیا تھا۔'' وہ ہنوز مسکرایا تھا۔

''بہت خوش ہے میرا بیٹا'' لاریب نے مسکراہٹ سے اپنی پسند کا نتیجہ اخذ کیا۔

''بابا جان آپ بتایئے......؟'' مستقل بنیادوں پہ کسی کو اذنِ قید با مشقت سنائی جائے...... وہ پھر خوش ہوسکتا ہے؟ آپ تو اس کیفیت سے گزر چکے ہیں۔''

اس کا انداز اتنا شوخ تھا تھا کہ عبدالغنی باقاعدہ جھینپ کر ہنسے تھے۔ لاریب گہرا سانس بھر کے رہ گئیں۔

''اتنی پیاری لڑکی بڑی آسانی سے مل رہی ہے، پھیل رہا ہے خواہ مخواہ لڑکا۔ انہوں نے بھی چھیڑا تھا۔

''والدہ مت بھولا کریں کہ آپ میری ماں ہیں اور لڑکا بہرحال لڑکی سے زیادہ ہی پیارا ہے نو ڈاؤٹ۔''

وہ گردن اکڑا کر بولا۔ عبدالغنی مسکرا گئے تھے۔

''آپ نے بتایا نہیں بابا جان! زنجیریں پہن کر کتنا پچھتائے تھے آپ......؟'' وہ اسی موڈ میں تھا لاریب نے گھورا۔

''میں تو یہی بات ہے بہت خوش تھا تمہاری والدہ کے حوالے سے کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا جب یہ ملیں تو کتنا عرصہ خواب میں ہی بسر ہوا۔

عبدالغنی کی مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی لاریب کی گردن فکر سے خوشی سے تن گئی۔

انہوں نے بڑی جتلاتی نظروں سے بیٹے کو دیکھا اور تفاخر سے مسکرائیں۔

''لیکن یہ بھی طے ہے کہ تمہارے بابا کا اس میں کوئی کمال نہیں تھا یہ تو میری شدت تھی جو اللہ کو مجھ پہ رحم آیا اور یہ مجھے مل گئے۔ ورنہ انہوں نے تو کبھی دعا نہیں کی ہوگی۔''

اب وہ شاکی بھی ہو گئی تھیں منہ بنا کر کہہ رہی تھیں عبدالعلی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا تھا۔ گویا بہت لطف لیا ہو۔ عبدالغنی البتہ خفیف سے ہو گئے تھے۔

''بیگم صاحبہ!، یہ میرا اور رب کا معاملہ ہے رہنے ہی دیں۔ زبان سے اگر نہیں بھی یہ گزارش کی تھی تو دل کی بے قراری پہ بہر حال اختیار نہیں تھا۔

ان کا بھاری لہجہ گھمبیر تر ہوا۔ لاریب عبدالعلی کی موجودگی میں اس انکشاف پہ بری طرح جھینپیں تھیں۔

''افوہ......چلیں اب چلتے ہیں سب انتظار کر رہے ہوں گے۔'' وہ نظریں چراتی دونوں کو بہت اچھی لگیں۔ عبدالعلی نے تو بڑھ کر انہیں شانوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگا کر پیار بھی کر لیا تھا۔

''جب بھی آپ اپنا یہ روپ دکھاتی ہیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں ماں! آپ دنیا کی سب سے حسین بیوی ہیں سب سے خوبصورت ماں ہیں مگر......''

''مگر کیا......؟'' لاریب کے ساتھ عبدالغنی بھی چونک گئے تھے عبدالعلی نے سرد آہ بھری۔

''مگر بیوی کے معاملے میں بابا جان کے جتنا خوش قسمت ثابت نہیں ہو سکا ہوں۔ آپ کی بہو صاحبہ شکی، تیز مزاج اور بہت حد تک احمق ہیں۔ مجھے لگتا ہے بڑی آزمائش میں پڑنے والا ہوں۔''

اب کہ اگر اس کا انداز سابقہ ہوتا تو قابل تشویش بات نہیں تھی مگر وہ جس حد تک ملول محسوس ہوا لاریب اس سے کئی گناہ بڑھ کے جان کنی عذاب میں مبتلا ہوئی تھی۔

''ایسا مت سوچو بیٹے! آپ کے اندازے غلط بھی ہو سکتے ہیں۔'' عبدالغنی نے نرمی سے ٹوکا تھا۔

''ابھی بچی ہے جذباتی ہے ٹھیک ہو جائے گی۔'' لاریب نے بھی قدر کا ہی دفاع کیا تھا۔

''آپ بھی اس ایج میں تھیں والدہ جب آپ کی شادی ہوئی مگر آپ نے ثابت کیا کہ آپ......'' وہ ان کی بات قطع کر کے کہہ رہا تھا کہ عبدالغنی نے بے اختیار بڑھ کر اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

''ذہن پہ بوجھ نہ ڈالیں بیٹے! اللہ پر بھروسہ قائم رکھیں اللہ بہتر کرے گا انشاءاللہ!''

''جی بابا جان!'' عبدالعلی نے گہرا سانس بھر کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ دونوں ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے تھے۔ برآمدہ عبور کر کے ڈائننگ ہال سے گزرتے گیسٹ روم کی سمت جاتے عبدالعلی نے پھر سے انہیں مخاطب کیا تو انداز الجھا ہوا سا تھا۔

''عبداللہ کے انداز اور فیصلوں میں عجلت اور بے قاعدگی ہوتی ہے بابا جان! ایک دم نکاح ایک دم شادی کا فیصلہ...... مجھے اس کے مزاج کے تلون کی خبر دیتا ہے ایسے لوگ کبھی بھی کسی ایک مرکز پہ نہیں ٹھہرتے کبھی مجھے ایسا لگتا ہے۔ جیسے ہم نے

اتباع کی زندگی کے فیصلوں میں عجلت سے کام لیا ہے۔''

اس کے انداز میں بڑے بھائی کا سا تفکر تھا عبدالغنی کو بہت اچھا لگا اس کا یہ انداز...... انہوں نے مسکرا کر بیٹے کا گال نرمی سے سہلایا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے پتر! میں استخارہ کر چکا ہوں۔ دوسرا راجد کی حیثیت رکھتی ہے ان کی شادی۔ آزمائش بھی اللہ کی نعمت ہوا کرتی ہے۔ اگر سمجھا جائے۔ بسا اوقات ایسی مشکلات مزاج کے اختلاف کا باعث بھی ٹھہرتی ہیں۔ اللہ پاک ان بچوں کے تعلق میں برکت نازل فرمائے محبت پیدا فرمائے۔ آمین۔''

ثم آمین وہ جوابا دل کی تمام تر گہرائیوں سے مسکرایا تھا۔

☆......☆......☆

سادگی کی مظہر یہ تقریب بہت باوقار رہی تھی کھانے کے بعد مرد حضرات مسجد میں نماز کی ادائیگی کو روانہ ہوئے تھے اور خواتین گھر میں فرض کی ادائیگی میں مشغول ہوئیں، قدر جسے اک پل کو بھی چین نہیں تھا۔ علیزے کی نماز پڑھنے کی تاکید بھلائے وہیں برآمدے میں سیڑھیوں پہ بیٹھی جانے کس سوچ میں گم رہی تھی۔ بے خیالی میں کیوٹکس کھرچتی ہوئی جب اتباع نے اسے پکارا تھا۔

''نماز پڑھ لو قدر!'' اس نے جواب دینے کے بجائے کیوٹکس لگے ہاتھ سامنے کر دیے۔

''نہیں پڑھ سکتی۔''

''نو پرابلم نیل ریمور ہے میرے دراز میں تم وہ یوز کر سکتی ہو۔ اس کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا تھا۔ قدر جتنی بھی لاجواب ہوئی تھی مگر ہار نہیں مانی۔

''تم تو کبھی نیل پالش بھی نہیں لگاتی تھیں ریمور کا کیا کرنا تھا......؟'' اس کے نقطہ اعتراض پہ اتباع مسکرا دی تھی۔

نکاح کے موقع پر لگائی تھی ناں۔ انہیں بہت پسند ہے ناکیوٹکس، جب ہی...... مگر پھر ریمو کرنی تھی تو بھائی جان نے لا کر دیا۔ تب عشاء کی نماز پڑھی تھی۔''

اس کے چہرے پر بہت پیاری شرگیں مسکان اتر آئی۔ قدر کا دل عجیب سی جلن سمیٹ لایا۔

''ہاں تمہارے بھائی جان ایسے کام تو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ شادی کے بعد دن میں پانچ مرتبہ ریمو کیا کرو گی کیا......؟'' روز کا خرچہ الگ۔''

وہ دانت نکالنے لگی اتباع نے سر جھٹک دیا۔

''ضرورت نہیں ہے مجھے کہاں شوق ہے۔''

وہ سنجیدہ تھی۔

''مگر تمہارے ان کو تو شوق ہے ناں۔''

''انہیں سمجھایا جا سکتا ہے۔'' اتباع متانت سے بولی تو قدر نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''اور وہ سمجھ جائیں گے......؟''

''کیوں نہیں میں کہوں گی ہی ایسے کہ...... زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ نیل پالش لگاتے وقت ہر لڑکی کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ موت کسی بھی وقت آسکتی ہے۔ ایسے میں اگر موت آجائے تو نیل پالش لگے ہاتھوں سے اترے گی نہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد انسان کا جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو کوئی سلوشن نیل پالش ریموو نہیں کر سکتا۔ نیل پالش نہ اترنے سے غسل مکمل نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں ناپاکی کی حالت میں دفن ہونا پڑے گا۔ مجھے اس خیال سے بہت ڈر لگتا ہے۔ جب ہی کبھی لگاتی نہیں۔

(لفظ لفظ مہکتے اِس خوبصورت ناول کی اگلی قسط ماہ جنوری میں ملاحظہ فرمائیے)

میرا افسانہ بس اک تو

''آخر کیا سوچ کر آپ نے ذوئی کو گاؤں جانے کی اجازت دی ہے؟ وہ بھی اکیلی کو......؟
مونٹی بولی اور پپی کو بھی ساتھ بھیجیں ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے ذوئی کو وہاں بھیجنے کی۔''
ٹھنڈے دماغ سے سوچیے ہم نے اپنی پیاری بیٹی سے وعدہ کرلیا ہے اسے گاؤں......

''میری وفا پہ
میری محبت، میری وفا پہ
یقین کرنا نہیں ہے آسان؟
پر جان لینا یہ جان دے کر
تمہاری جاں پہ بنا نہ دی تو، تم کیا کرو گے؟
یہ دل تمہارا، یہ جان تمہاری، لہو کی ہر بوند
ورد تمہارا جو کررہی ہے
یہ متاع گل! ہم نے تم پہ جاناں!
لٹا نہ دی تو تم کیا کرو گے؟''

ہنستی مسکراتی زندگی کا یکا یک موت کے دہانے پہ آ پہنچی تھی زندگی کی اُمنگ، ترنگ جوت اور جوش سے چمکتی دمکتی آنکھوں میں اندھیرا، بسیرا کیے کھڑا تھا۔ وہ مہکتی سانسیں جن کے دم سے سینکڑوں دل دھڑکتے تھے وہ حساس دل جو مہر و وفا اور خلوص و دوستی کے جذبوں سے پُر تھا۔ اسے دھڑکنے کے لیے اس وقت مشینوں کی ضرورت پڑ گئی تھی آکسیجن ماسک کے ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ وہ زندہ دل وجود ان گنت مشینوں کے رحم و کرم پہ تھا۔

آس پاس کے پھول، پتے نراش ہو رہے تھے اور آس کی لو مدھم ہوئی جارہی تھی۔ صحت، شانتی، سکھ چین اور حُسن و دلکشی کے گلال سے دہکتے لب و رخسار میں پیلاہٹیں کھل گئیں تھیں۔ خوف تھا جو اس کے پیاروں کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرتا جارہا تھا۔ دُکھ و پریشانی اور بے بسی کا حصار کھنچتا جارہا تھا دوا کرنے والے بوکھلا رہے تھے تو دعا کرنے والے حیرت اور صدمے سے گنگ تھے۔ انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ہنستی مسکراتی، کھلکھلاتی کلی بھلا کیسے شاخ سے ٹوٹ سکتی ہے؟

ابھی تو اسے پوری طرح کھل کے پھول بننا تھا پھول سے گلشن ہونا تھا آنگن میں کئی موسم مہکنا تھا۔ جانے کس کی نظر لگ گئی تھی اس معصوم کلی کو اسے دکھ دینے والا بھی ندامت بے بسی اور صدمے سے خاموش کھڑا آپریشن تھیٹر کے بند دروازے کو خوف اور بے یقینی سے تک رہا تھا...... اچانک آپریشن تھیٹر کا بند دروازہ کھلا اور

ڈاکٹر کامران اندر سے نمودار ہوئے۔
انہیں دیکھتے ہی لمحے بھر کو سب کے دل رُک سے گئے۔ کسی میں ان سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ خوفزدہ نظروں سے وہ سب ڈاکٹر کامران کو دیکھ رہے تھے۔
''بچی کی حالت بہت نازک ہے خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے۔ او پوزیٹو بلڈ کا فوراً انتظام کریں۔ بلڈ بینک سے ہم ابھی معلوم کیے لیتے ہیں۔'' ڈاکٹر کامران کی آواز اور الفاظ نے سب کو ساکت کر دیا۔ دکھ ایسا تھا کہ آنسو خاموشی سے بہتے جا رہے تھے۔

☆......☆......☆

کوئی آیت، کوئی جادو، کوئی تعویذ لا دو
مجھے زندگی بھر اس کے ساتھ رہنا ہے
ذویا نے مونٹی کو دیکھتے ہوئے یہ شعر پڑھا تو وہ تاسف سے اسے دیکھتا نفی میں سر ہلانے لگا۔
''اتنی پڑھی لکھی ہو کہ تم تعویذ جادو کی باتیں کر رہی ہو سویٹی۔ تم تو خود پتھروں کو اپنے حسن کے جادو سے پاش پاش کرنے کا ہنر رکھتی ہو۔''
تو اس پہ اثر کیوں نہیں ہوتا......؟ ذویا کے سیاہ نینوں میں دلاور خان کی صورت آ سمائی تھی۔
''ہوگا ضرور ہوگا اس پہ بھی اثر اور وہ پاش

پاش نہیں ہوگا ریزہ ریزہ ہو جائے گا تمہارے عشق میں تم دیکھ لینا۔''
مونٹی نے پُر یقین لہجے میں کہا پپی بھی وہیں چلا آیا۔
''تو کدھر تھا......؟ مونٹی نے اسے دیکھتے ہی سوال داغا۔
''آج میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔''
اس کے جواب دینے سے پہلے ہی زویا بول پڑی۔
''اچھا......! جب ہی میں کہوں گیا کہاں......؟ کل شام سے ڈھونڈ رہا ہوں اس ڈفر کو۔'' مونٹی نے زویا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''اور تو زویا کے خواب میں کیا کر رہا تھا......؟''
''چہل قدمی کر رہا تھا۔ پپی آرام سے بولا۔
''واٹ......؟''
''حد ہوگئی یار اس گھر میں چین سے سونا بھی نصیب نہیں ہے۔''
بوبی آنکھیں ملتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا اور ان تینوں کو گھورا جن کی آوازوں نے اسے جگا دیا تھا۔
''بیٹا! چین سے تو تُو قبر میں سُو یُو۔'' مونٹی ہنسا۔
''وہ بھی اگر کیڑے مکوڑوں اور نیولوں نے سونے دیا تب نا۔''
پپی نے بھی مذاق سے کہا زویا ہنسنے لگی۔
''دفعہ ہو جاؤ منحوسو! تمہارے جیسے دوست ہوں تو دشمن کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' بوبی نے جل کر کہا وہ سب ہنس پڑے۔
''اچھا! تو سب کے سب نیستی مارے یہاں جمع ہیں اور میں وہاں انتظار کر رہی ہوں کب سے۔''
ٹینا دندناتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی اور ان کو ایک ساتھ دیکھ کر بولی۔
''نیستی ماری تو تم ہو، دن کے دس بج رہے تھے اور محترمہ خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھیں۔ ایک دن چھٹی کا ملتا ہے۔ بندہ انجوائے کرتا ہے اور تمہارے جیسے سستی کے مارے بستر توڑتے رہتے ہیں۔'' پپی نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔
''بس بس رہنے دو! تمہاری نیند کا بھی پتا ہے مجھے گھوڑے گدھے سب بیچ کر سوتے ہو۔ آج جلدی اٹھ گئے تو بڑا رعب جما رہے ہو۔'' ٹینا نے اپنی خفت مٹاتے ہوئے اسے آڑے ہاتھوں لیا وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔
اور مونٹی تم......تم نے تو کہا تھا کہ رات کو آؤ گے مجھ سے ملنے پھر کیوں نہیں آئے......؟ اب ٹینا کا رُخ مونٹی کی طرف تھا۔
''بس مرضی میری۔'' وہ اتراتے ہوئے بولا۔
''کیا......مرضی میری بتاؤ۔'' ٹینا نے اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے آستین چڑھائی۔
''بس میں نے سوچ لیا ہے آئندہ تم سے ملنے نہیں آؤں گا۔ محلے والے کُتے چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔''
مونٹی نے اس قدر مسکین صورت بنا کر کہا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔
تم تو میرے لیے جان دینے کی باتیں کرتے ہو اور اب کُتے سے ڈر گئے۔ ٹینا نے اسے خفگی سے دیکھا۔
کیونکہ میں کتے کی موت مرنا نہیں چاہتا۔ وہ فٹ سے بولا۔

مونٹی۔'' ٹینا نے صدمے میں گھر کر اُسے دیکھا۔

''کیا۔'' مونٹی کا انداز لڑنے والا تھا۔

''جھوٹے فلرٹ کہیں کے تم تو کہتے تھے میں تمہارے لیے آسمان سے چاند تارے توڑ کے لاؤں گا۔'' ٹینا نے یاد دلایا۔

''ہاں تو زندہ بچوں گا تو چاند تارے توڑ کے لاؤں گا ناں۔ تمہارے محلے کے خونخوار کتوں کے ہاتھوں خود ہی چاند پر پہنچ گیا تو دیکھتی رہنا آسمان کی طرف منہ اٹھائے کہ کیا چاند چڑھایا ہے تم نے......؟'' مونٹی اپنے مخصوص ظریفانہ لہجے میں بولا۔ تو ٹینا کو بھی ہنسی آ گئی۔

''بھی ناشتے گا۔'' بچی نے زریا کو دیکھا۔

''اپنے گھر سے کیوں نہیں کر کے آئے؟'' زریا نے پوچھا۔

''میں نے سوچا تمہارے ساتھ ناشتا کروں گا۔ اتفاق میں برکت ہوتی ہے نا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''یہ برکت تمہیں صرف کھانے کے وقت ہی کیوں یاد آتی ہے ریسٹورنٹ کا بل پے کرتے وقت کیوں یاد نہیں آتی، تب تو تمہاری جان جاتی ہے۔'' بوبی نے اس کے کندھے پر مکا جڑا تھا۔

نہار منہ باکسنگ نہ کر، جا کے ہاتھ منہ دھو۔''

''شیروں نے بھی کبھی منہ دھویا ہے۔'' بوبی نے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''ہاں ...ں ...ے شیر ...نہ ... تا ہے۔

مونٹی کی اس بات پر قہقہہ پڑا۔ بوبی نے اس کی گردن دبوچ لی۔

''مما، بھوکوں کی فوج جمع ہوگئی ہے جلدی سے ناشتا لگوا دیں ورنہ یہ ایک دوسرے کو ہڑپ جائیں گے۔ ذویا نے وہیں سے آواز لگائی۔ تو بوبی نے مونٹی کی گردن چھوڑ دی۔

''ذوئی پتا ہے کل یونیورسٹی میں بوبی پٹتے پٹتے بچا۔'' پپی نے بہت پرجوش انداز میں بتایا۔

''وہ کیوں؟'' ذویا اور ٹینا کو تجسس ہوا۔

''وہ ذرقا ہے نا فائنل ایئر کی، اس سے فلرٹ کی کوشش کر رہا تھا۔ تمہیں تو پتا ہے نا کے وہ بڑی تیز چیز ہے۔

''پر ہوا کیا......؟ ذویا چیخی۔

''کچھ نہیں ہوا ذوئی ایسے ہی بک رہا ہے۔ بوبی نے پپی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے چپ کرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

''یہ ذرقا سے اس کے گھر کا ایڈریس پوچھ رہا تھا اس نے سوال کیا کیوں چاہیے؟ تو کہنے لگا بارات لے کر آنی ہے۔''

''ہیں۔'' ذویا اور ٹینا ایک ساتھ بولیں۔

''ہاں بس پھر کیا تھا، ذرقا نے اسے سلامی دینے کی غرض سے اپنی سینڈل اتاری ہی تھی کہ یہ وہاں سے نو، دو، گیارہ ہوگیا ورنہ خوب مرمت ہوتی بوبی دیول کی۔''

پپی نے مزے سے سب کو بوبی کی حرکت کے بارے میں بتایا تو جہاں بوبی کھسانا ہو کر منہ ہاتھ دھونے چلا گیا وہاں سب خوب محفوظ ہو کر ہنس پڑے۔

☆......☆......☆

احتشام الحق اور فائزہ کا تعلق زمیں دار گھرانے سے تھا۔ مگر احتشام الحق اپنی زمین بیچ کر ہمیشہ کے لیے شہر منتقل ہوگئے تھے۔ صرف دو مربعے زمین گاؤں میں تھی اب ان کی جس پر گنا اور چاول کاشت کیا جاتا تھا۔ شہر میں ان کی ایک شوگر مل تھی۔ ڈیڑھ کنال کا بنگلا تھا۔ ڈبل اسٹوری شاندار بنگلہ جہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندی بسر کر رہے تھے۔ ان کے ایک بھائی انعام الحق سعودی عرب میں مقیم تھے گذشتہ بیس برس سے، ان کے تین بچے تھے۔ احتشام الحق اور فائزہ کے چار بچے تھے۔ تین بیٹے مصطفیٰ، مجتبیٰ اور ارتضیٰ ایک بیٹی ذویا تھی۔ ارتضیٰ اور ذویا جڑواں تھا۔ ان دونوں کی آپس میں دوستی بھی خوب تھی اور لڑائی بھی خوب ہوتی تھی۔ وہ دونوں یونیورسٹی میں ایم ایس سی فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹ تھے ذویا کو آرٹیکل، فیچر اور مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے کا بہت شوق تھا کالج اور یونیورسٹی میں وہ بہترین مضمون نویسی اور ڈبیٹ میں اول انعامات بھی حاصل کرتی رہی تھی۔ جبکہ ارتضیٰ عرف بوبی کو فوٹو گرافی کا بے حد شوق تھا اور اس نے بہت شاندار تصویریں کھینچ رکھی تھیں۔ دونوں بہت ذہین اسٹوڈنٹ تھے ہمیشہ پوزیشن لیتے تھے۔ مصطفیٰ اور مجتبیٰ امریکہ میں ایم بی اے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مصطفیٰ نیورو سرجن بن رہا تھا۔ اس کا اسپلائزیشن کا آخری سال تھا۔ اور مجتبیٰ ایم ایس سی ان کمپیوٹر سائنیز کے بعد ایم بی اے کر رہا تھا اور جاب کی آفر بھی تھی اسے وہ اس چانس کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا تعلیم اور جاب دونوں کو بہت خوش اسلوبی سے مینیج کر رہا تھا۔

ذویا تین بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن تو تھی ہی مما پاپا کی آنکھوں کا تارا بھی تھی۔ پاپا کی تو بہت ہی لاڈلی تھی۔ ہر فرمائش پوری ہوتی مگر پھر

بھی وہ خودسر اور ضدی نہیں تھی۔
مونٹی، پپی ٹینا ان کے پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ بچپن کے ساتھی اور گہرے دوست بھی تھے۔اسکول، کالج کے بعد یونیورسٹی میں بھی وہ سب ساتھ ساتھ تھے۔آپس میں محبت وانسیت کا دوستی اور اعتبار کا اٹوٹ رشتہ ان پانچوں کے درمیان نمو پا چکا تھا۔روزانہ ایک دوسرے سے ملے بغیر بات کیے بنا ان کا دن ہی نہیں گزرتا تھا۔ ٹینا کچھ عرصہ پہلے اپنے نئے گھر میں شفٹ ہوئی تھی جوان کی کالونی کی بیک سائیڈ پر تھا۔مگر پھر بھی روز یونیورسٹی میں ملاقات ہو جاتی تھی اور سنڈے کو سب ذویا اور بولی کی طرف آجاتے تھے اور سنڈے خوب انجوائے کرتے تھے۔

☆......☆......☆

تیری کہانی، ساری دنیا
میرا افسانہ بس اک تو

دلاور خان یونیورسٹی کی لڑکیوں اور لڑکوں کے جھرمٹ میں بڑی آن بان اور شان کے ساتھ کھڑا اپنی شاعری پر داد وصول کر رہا تھا۔سیاہ جینز کی پینٹ پر چیک کی شرٹ اس پر خوب جچ رہی تھی۔ چھ فٹ قد، گندمی رنگت، کھڑی ناک، بالائی ہونٹ پر گھنی مونچھیں، ڈارک براؤن آنکھیں جن میں ہر وقت ایک سختی، اور سناٹا چھلکا کرتا تھا کم از کم ذویا کو تو یہی لگتا تھا۔ بھرا بھرا جسم دلکش چہرہ ڈراک براؤن بال جو بہت اچھے اسٹائل میں کاٹے گئے تھے اور اس پر سوٹ بھی بہت کر رہے تھے۔ بلاشبہ وہ مردانہ وجاہت کا پیکر تھا۔لڑکیاں اسے لیڈی کلر کہا کرتی تھیں جبکہ ذویا صرف اُسے کلر کہتی تھی۔
”کلر اور پین کلر دونوں ہی تم ہو دلاور خان۔“
یہ احساس ذویا کا تھا نجانے کب سے......؟
دلاور خان ذویا احتشام کے دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ جو دنوں ایک دوسرے سے خار کھاتے تھے ایک دوسرے کے متعلق منفی رائے رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک کا دل دوسرے کے پیار میں دھڑکنے لگا تھا۔اور وہ تھی ذویا احتشام۔اسے یہ مغرور سا، نگاہوں اور رویے میں درشتی اور برہمی لیے روڈ انداز میں بولنا بانکا سجیلا دیہاتی بھا گیا تھا۔
دلاور کو ذویا اپنے دوستوں ٹینا، مونٹی، پپی اور بولی کے ساتھ ہنستی بولتی ڈرامے میں کام کرتی کبھی بھی پسند نہیں آئی تھی۔ وہ ان کے ڈیپارٹمنٹ کا نہیں تھا ان سے ایک سال سینئر تھا اور نجانے کیوں زراعت میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد اس نے انگلش میں ایم اے کرنے کی غرض سے دوبارہ ایڈمیشن لے لیا تھا۔ وہ اپنے علاقے کا ایک بڑا زمیندار تھا گاؤں میں کافی زمینیں تھیں اس کی۔ شہر میں اس نے اپنی کپڑے کی مل کا کام سنبھال رکھا تھا۔اور وہیں ایک کینال کے شاندار بنگلے میں ملازموں کے ساتھ رہتا تھا۔ملازم اس کے کام کاج کے لیے گاؤں سے ہی ساتھ آئے تھے۔ دلاور خان کے والد بختاور خان کو احتشام الحق بہت اچھی طرح جانتے تھے اور دلاور خان کو اس دن بہت شاک لگا جب اس نے ذویا کو احتشام ولا میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔
”تم...... ذویا بھی اسے اپنے گھر کے لان میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔
”ہاں میں۔“ وہ خوشدلی سے مسکرائی۔
”تم میرا پیچھا کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہو کان کھول کر سن لو لڑکی یہ گھر میرا نہیں ہے

سمجھیں۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا تھا۔ احتشام الحق کے انتظار میں وہ لان میں ہی بیٹھ گیا۔

''پہلی بات یہ ہے مسٹر دلاور کے میرا نام ذویا احتشام ہے اور دوسری بات یہ کے یہ گھر میرا ہے سمجھے۔ لہٰذا میرے گھر میں کھڑے ہو کر مجھی پر چلانے اور آنکھیں دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' ذویا کے اس انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''ہوگئی نا بولتی بند۔'' وہ ہنسی تھی۔

''شٹ اپ!'' وہ غصے سے بولا۔

''مجھے اگر ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ یہ تمہارا گھر ہے تو میں کبھی بھی یہاں قدم نہیں رکھتا۔

''اب تو قدم رکھ دیا ناں افسوس مجھے سارا گھر دھلوانا پڑے گا اب۔'' ذویا نے بہت طریقے سے اس کی بے عزتی کا جواب دیا تھا۔ دلاور خان کا چہرہ ضبط کی وجہ سے سرخ ہوگیا تھا اور وہ اس کو شعلہ بار نظروں سے گھورتا ہوا احتشام الحق سے ملے بغیر ہی وہاں سے چلا گیا۔ اور ذویا نے انہیں اپنی اور اس کی ملاقات کی تفصیل کی کشیدگی کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ مگر اس سے ان کی دلاور سے بات چیت اور ملاقات پر اثر نہیں پڑا تھا۔ وہ اکثر گھر کے باہر ملا کرتے تھے اور کبھی کبھار دلاور کو اصرار کر کے اپنے ساتھ گھر بھی لے آیا کرتے تھے مگر جب بھی دیکھتے تو ان کو جھگڑے، لڑتے، خار کھاتے ہی دیکھتے تھے۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی میں چھٹیاں ہونے والی تھیں۔ ذویا نے گاؤں کی موجودہ زندگی، حالات، مسائل اور وسائل پر فیچر لکھنے کا پروگرام بنایا اور اس سلسلے میں وہ خود کسی گاؤں میں جا کر کچھ وقت گزرنا چاہتی تھی۔ احتشام الحق سے اس نے اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا تو انہوں نے فوراً اسے اجازت دے دی اور نہ صرف اجازت دی بلکہ اپنے گاؤں بھجوانے کا انتظام بھی کروا دیا۔ اسے بختاور حویلی میں قیام کرنا تھا یعنی دلاور خان کی حویلی میں یہی سوچ کر وہ ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی مگر دُکھ اس بات کا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کو ہمراہ نہیں لے جا سکتی تھی کیونکہ دلاور خان کو ان سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ وہ ذویا کو ایک مادر پدر آزاد لڑکی سمجھتا تھا۔ اس کی نظر میں زدیا میں شرم و حیا نام کو نہیں تھی۔ اس کا لڑکوں سے دوستی کرنا یعنی مونٹی اور پپی کے ساتھ ہر وقت رہنا اسے ذویا کی آزاد خیالی اور بے راہ روی لگتی تھی۔ خود وہ لڑکیوں سے ملتا۔ دیر تلک ان سے باتیں کرتا یہ سب اُسے غلط نہیں لگتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کی لڑکیوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھا۔ جب ذویا نے اسے دیکھا تو وہ اسے خونخوار نظروں سے دیکھ کر نگاہ پھیر گیا۔ ذویا کے دل میں برچھی سی لگی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نظر آتا ہے سارا جہاں اس کو افسوس کے ان آنکھوں میں کبھی خود کو نہ دیکھا

ذوئی خود کو بے مول مت کروا اپنے جذبوں کو سنبھال کر رکھو اچھے وقتوں کے لیے اس کو اتنی اہمیت مت دو ورنہ تم اپنی اہمیت اپنی ہی نظر میں گنوا دو گی اگنور کر دیا اُسے۔ آل از ویل۔''

پپی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر دوستانہ انداز میں اسے سمجھایا۔

''وہ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے؟'' ذویا کا لہجہ اداس تھا۔

''ہماری وجہ سے ہم جو ہر وقت تیرے باڈی گارڈ بن کر گھومتے رہتے ہیں تو وہ جلتا ہے کہ اتنی حسین لڑکی ان بگلوں کے بیچ کیا کر رہی ہے۔ پپی نے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''خیر جلتا ہے تو جلے اب میں اس روڈ مین کی

وجہ سے تم دوستوں کو تو نہیں چھوڑ سکتی۔ اسے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں یہاں آئے ہوئے اور تم میرے جنم جنم کے ساتھی ہو۔

''ہائے ہائے دل خوش کر دیا سہیلی۔'' مونٹی نے اس کے شازو کے گرد بازو حمائل کیا تو زویا نے اسے گھورتے ہوئے بازو ہٹایا۔

''اچھا! زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ یونیورسٹی ہے۔''

''ہاہاہاہا.....اچھا چلو اب یہاں سے وہ تمہارا روڈ مین ادھر ہی دیکھ رہا ہے کب سے ایک دو لیٹر خون تو جلا ہی چکا ہوگا اب تک۔ بے چارہ.....

پپی نے دور سے ہی دلاور کی آنکھوں کا ارتکاز محسوس کرتے ہوئے ان دونوں سے کہا تو زویا نے بھی اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔

''کتنی نفرت ہے اس کی نگاہوں میں میرے لیے۔ کیسے رد کرتے، ٹھکراتے ہوئے تاثرات ہوتے ہیں اس کی آنکھوں میں، یہ بھلا کسی کو چاہے گا؟'' زویا نے ان دونوں کے ساتھ چلتے ہوئے افسردگی سے کہا تو مونٹی اسے سمجھانے والے انداز میں کہنے لگا۔

''زوئی ایک بہت خوبصورت بات جو میں نے کہیں پڑھی تھی مجھے یاد رہ گئی۔ سنو اور اسے تم بھی یاد رکھنا اور وہ یہ کہ۔

''کسی کو تم چاہو اور وہ تمہیں ٹھکرا دے یہ اس کی بدنصیبی ہے کوئی تمہیں نہ چاہے اور تم اسے زبردستی اپنا بنانا چاہو یہ تمہارے نفس کی ذلت ہے۔''

ویری ٹرو، ہاں ایسا ہی ہے عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔

زویا نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔

''اچھا ڈنر کا کیا پروگرام ہے؟ جانے سے پہلے سب ساتھ میں ڈنر کرتے ہیں باہر؟'' پپی نے بات بدل دی۔

''ٹھیک ہے سب چلیں گے مگر چندہ جمع کر کے۔''

مونٹی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

☆......☆......☆

''یہ سب آپ کے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے بھلا کیا ضرورت ہے ایک فنچر کے لیے گاؤں جانے کی وہ بھی اکیلے۔''

فائزہ نے احتشام الحق پر برہم ہوتے ہوئے کہا وہ مسکراتے رہے لوگ گاؤں سے شہر کا رُخ کرتے ہیں اور یہ شہر چھوڑ کر گاؤں جا رہی ہے اور قیام بھی اپنے حریف اول کی حویلی میں کریں گی آپ کی لاڈو رانی۔ کچھ جانتے بھی ہیں آپ دلاور خان کتنا خار کھاتا ہے اپنی زوئی سے اور زوئی کتنی نالاں رہتی ہے اس سے توبہ ہے وہ تو کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھتا ہے جیسے اسے سالم نگل جائے۔ سن رہے ہیں آپ میں کیا کہہ رہی ہوں؟''۔

''ٹی وی اور بیوی دونوں کی سن رہا ہوں بیان جاری رکھیں۔'' احتشام الحق نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''آخر کیا سوچ کر آپ نے زوئی کو گاؤں جانے کی اجازت دی ہے؟

وہ بھی اکیلی کو......؟ مونٹی بولی اور پپی کو بھی ساتھ بھیجیں ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے زوئی کو وہاں بھیجنے کی۔'' ٹھنڈے دماغ سے سوچیے ہم نے اپنی پیاری بیٹی سے وعدہ کرلیا ہے اسے گاؤں بھیجنے کا تو یہ وعدہ تو ہم نہیں توڑ سکتے رہی بات مونٹی

وغیرہ کی تو ان سے دلاور خار کھاتا ہے اور گاؤں کا ماحول اتنا آزاد خیال نہیں کہ وہاں اگر ہماری ذوئی دو لڑکوں کے ساتھ جانے گی جو کہ اس کے بچپن کے دوست ہیں تو حویلی اور گاؤں والے اسے بہت غلط لڑکی سمجھیں گے اور الٹی سیدھی باتیں بنائیں گے برا سمجھیں گے جو ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس لیے ذوئی بیٹی اکیلی ہی جائے گی ہمارا ڈرائیور وہیں رہے گا اور ایک ہفتے کی تو بات ہے بختاور خان سے ہماری اچھی سلام دعا ہے پرانی دوستی ہے۔'' احتشام الحق نے رسانیت سے انہیں سمجھایا۔

''میں یہ سب نہیں جانتی آپ اچھی طرح سوچ لیں کوئی نیا چاند نہ چڑھا دینا بیٹی کو وہاں اکیلا بھیج کے۔'' فائزہ نے خفگی سے کہا۔

''بیگم صاحبہ! چاند چڑھے گا تو کل عالم دیکھے گا۔''

''حد ہوگئی ہے آپ کو ذرا سا بھی خوف نہیں ہے بیٹی کو اکیلے گاؤں بھیجتے ہوئے کل کلاں کو کوئی بات ہوئی تو لوگ کتنی باتیں بنائیں گے۔'' فائزہ کو ان کے اطمینان پر غصہ آنے لگا تیز لہجے میں بولیں۔

''فی الحال تو تم نے باتیں بنا بنا کر میرے سر میں درد کر دیا ہے۔ اب پلیز میرے لیے اچھی سی کافی بنا کر لے آؤ۔''

''مجھے تو ان وڈیروں زمینداروں سے ہی خوف آتا ہے کئی کئی تو شادیاں کر رکھی ہیں انہوں نے۔'' فائزہ نے ان کی کافی والی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی۔ اپنی بیٹی کی فکر میں بولتی گئی۔

''قبر میں پاؤں لٹک رہے ہیں پھر بھی سہرے کے پھول کھل رہے ہیں۔''

''میں بھی کرلوں دو تین شادیاں؟'' احتشام الحق نے مذاق سے کہا لب مسکرا رہے تھے۔ گریس فل سی فائزہ آج بھی ان کے دل کی ملکہ تھیں وہ ان کے سوا کبھی کسی دوسری عورت کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ تو بس انہیں ستانے چڑانے کو کہہ رہے تھے۔

''ہاں ہاں کرلیں دو تین اور شادیاں بس یہی شوق پورے ہونے سے رہ گئے ہیں آپ کے۔'' پہلی بیوی کے تو بہت چاؤ پورے کر لیے اب اور لے آئیں۔ میرے جیسی نہیں ملے گی آپ کو۔''

فائزہ نے ناراض نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے خفگی سے کہا۔

''ہاں بھئی تم تو (میوزیم) عجائب گھر میں رکھنے کے لائق ہو۔

احتشام الحق نے انہیں مزید ستایا۔

''آپ مجھے گھر میں ہی ڈھنگ سے عزت سے رکھ لیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' فائزہ باقاعدہ خفا ہو گئیں۔

''تو کیا نہیں رکھا ہوا ہم نے آپ کو عزت سے سچ بتایئے......؟''

''ہاں سر تاج رکھا ہے ورنہ اگر عزت نہ دیتے تو بھلا میں رہتی یہاں۔'' فائزہ نے دل سے اعتراف و اقرار کیا۔

''نوازش بیگم صاحبہ! ہماری کافی تو بیچ میں ہی رہ گئی۔

میری بات بھی بیچ میں ہی رہ گئی ہے بس نہیں جائے گی ذوئی گاؤں۔'' فائزہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولے۔

''ارے بیگم صاحبہ! ذوئی صرف ایک ہفتے کے لیے جا رہی ہے آ جائے گی اگلے ہفتے تک انشاء اللہ واپس آ جائے گی۔ ایک ہفتے کی تو بات ہے۔

''یہاں ایک پل، ایک لمحے کی خبر نہیں ہے کہ کیا ہو جائے؟ اور آپ ایک ہفتے پر مطمئن ہیں۔''
فائزہ مطمئن نہیں تھیں، خفگی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''دیکھو اگر دلاور کے ساتھ ہماری ذوئی کی شادی ہو جاتی ہے تو ہماری رشتے داری ایک سیاسی اور بڑے زمیندار گھرانے سے ہو جائے گی۔ دلاور خان اپنے بھائی زاور خان کی موت کے بعد حویلی اور ساری پراپرٹی کا اکلوتا وارث ہے اب اور۔''

اور بس کر دیں شیخ چلی نہ بنیں۔'' فائزہ نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہمیں کیا ضرورت ہے دلاور کے خاندان کی پہچان اور پراپرٹی کی، ہمارے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے خاندان بھی، نام بھی اور پراپرٹی بھی۔ ہم کیوں ان کی دولت پہ نظر رکھیں۔ اور ذویا اور دلاور کی شادی دیوانے کا خواب ہے اور بس۔ جانتے بوجھتے آپ اس شادی کا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟ دیکھتے نہیں کیا دلاور کا منہ مشرق کی طرف ہے تو ذویا کا منہ مغرب کو ہے۔ مشرق اور مغرب بھی بھلا کبھی ایک ہوئے ہیں جو یہ دونوں ہوں گے۔

''ہوں گے اگر مشرق اور مغرب کے بیچ محبت آجائے تو یہ دونوں سمتیں ایک سمت ہو کر چل سکتے ہیں۔''

احتشام الحق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بس رہنے دیں آپ وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کو راضی نہیں ہیں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں اور آپ محبت کا منتر پھونکنے چلے ہیں۔

فائزہ کو ان کی باتیں مزید چڑا رہی تھیں تاؤ دلا رہی تھیں۔

''کیونکہ جہاں اتنی نفرت اور تلخ کلامی ہوتی ہے وہاں دل میں کہیں محبت چھپی ہوتی ہے جو اپنا آپ ظاہر کرنے سے ڈرتی ہے۔''

''اپنا فلسفہ آپ اپنے پاس رکھیں۔ میری بیٹی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے اس وقت بھی تین رشتے آئے ہوئے ہیں ذوئی کے اور سب اچھے خاندان کے چشم و چراغ ہیں پیسے اور عہدے والے۔ دلاور خان کا خیال اپنے دماغ سے نکال دیں آپ۔

فائزہ نے اسی لہجے اور انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! نکال دیا ہم نے اس خیال کو اپنے دماغ سے اب تو کافی پلا دیں۔'' وہ ہنس کر بولے۔

''یہ بچے کب تک لوٹیں گے ڈنر سے؟''

''میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ دس بجے سے پہلے گھر میں موجود ہوں سب۔ انشاء اللہ آجائیں گے ٹائم پر۔''

فائزہ نے انہیں بتایا اور باورچی خانے میں چلی گئیں۔ احتشام نے ٹی وی کا والیم تیز کر لیا نو بجے کا خبرنامہ شروع ہو رہا تھا۔

مونٹی کچھ دیر سے پہنچا تھا ہوٹل۔ ذویا، ببلی، پپی اور ٹینا ایک ساتھ گاڑی میں آئے تھے اور راستے میں گاڑی پنکچر ہو گئی تھی۔

''الحمدللہ ڈنر کا مزہ آگیا اور اب واپسی کے سفر کا بھی مزا آئے گا کیونکہ میں اپنی ہیروئن کو ساتھ لے کر جاؤں گا اپنی بائیک پر کیوں ڈیئر چل رہی ہو نا میرے سنگ......؟'' ڈنر نے بعد مونٹی نے مسکراتے ہوتے ٹینا سے جواب چاہا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔

''تم بہت چالاک ہو مونٹی۔ آئے دیر سے

اور اب جا بھی جلدی رہے ہو۔ بائیک اسی لیے لائے تھے ناں تا کہ نینا کو ساتھ لے جا سکو۔ ذویا نے اُسے گھور کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''قسم سے یہ موقع تو مجھے قسمت نے فراہم کیا ہے۔''

''اچھا اب چلو گھر مما نے کہا تھا ڈنر کر کے سیدھا گھر آنا ہے۔'' بوبی نے بل ادا کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اوکے تم لوگ پنکچر لگالو گے یا لگواؤ گے کہیں سے......؟''

''تو ہماری فکر نہ کر اور جا یہاں ہم کچھ کرتے ہیں۔''

بوبی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو مونٹی نینا کو لے کر چلا گیا۔

''ذوئی تم ادھر ہی ہمارا ویٹ کرو ہم پنکچر لگوا کے آتے ہیں۔

آئس کریم منگوا دوں اور تمہارے لیے۔

پپی نے بھی اٹھتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ہاں منگوا دو اور پلیز جلدی آنا ورنہ میں ٹیکسی لے کر گھر چلی جاؤں گی۔'' ذویا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اچانک اس کی نظر سامنے سے آتے دلاور خان پر پڑی وہ بھی یہاں کھانا کھانے آیا تھا مگر اکیلا تھا شاید کسی نے آنا تھا اس کے ساتھ ڈنر کے لیے۔

''ہم جلدی آجائیں گے ڈونٹ وری۔''

بوبی بولا۔

''چل پھر بسم اللہ کریں۔'' پپی نے بوبی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُسے چلنے کا اشارہ کیا دلاور خان بھی ان سب کو دیکھ چکا تھا۔ اس کی پیشانی پہ نمودار ہونے والی شکنیں ذویا کو دور سے ہی دکھائی دے رہی تھیں وہ حسن و جمال کا پیکر تھی اور وہ اسے رتی برابر بھی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

لو آ گئے چنگیز خان، حفاظتی بند باندھ لو۔''

پپی کی نظر جونہی دلاور پر پڑی مسکراتے ہوئے ذویا کو دیکھ کر کہا۔

''میں اس سے ڈرتی نہیں ہوں۔'' وہ لا پرواہی سے بولی۔

''جانتا ہوں تم اس پہ مرتی ہو۔ جب ہی تو وہ اتراتا پھرتا ہے، اکڑ فون سا، لفٹ کرانا چھوڑ دو، دیکھنا کیسے تمہارے آگے پیچھے پھرتا ہے۔ پپی نے اسے دوستانہ انداز میں مشورہ دیا۔

''چھوڑ نا، چل دیر ہو جائے گی، ذوئی اس'' رووڑ مین'' کے منہ مت لگنا بہت بد لحاظ بندہ ہے۔''

'' ہوں ،ڈونٹ وری۔ ذویا نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

وہ دونوں گاڑی ٹھیک کروانے چلے گئے۔

ویٹر اس کے لیے آئس کریم لے آیا دلاور خان اس کے دائیں جانب والی ٹیبل پر آ بیٹھا۔ ذویا نے آئس کریم کھاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ ذویا نے آئس کریم سے بھرا چمچ اس کی جانب کرتے ہوئے اشارے سے پوچھا۔

''کھائیں گے، نہیں اچھا اور چمچ منہ میں ڈال دیا۔ دلاور خان نے حقارت آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے رُخ پھیرا تھا۔

''او ہائے پریٹی ذویا، ہاؤ آر یو؟''

اچانک ہی ہاں رستم خان آ گیا تو ان کا یونیورسٹی فیلو بھی تھا اور جس کا تعلق دلاور کے ہی گاؤں سے تھا بلکہ وہ ان کے مخالفوں کا بیٹا تھا اس بار الیکشن میں رُستم خان کا باپ ہاشم خان پھر کھڑا

ہو رہا تھا۔ پچھلے الیکشن میں وہ دلاور کے باپ کے مقابلے پر ہار گیا تھا اور اندر خانے اس ہار کا غصہ ان باپ بیٹے کو ابھی تک جھلسا رہا تھا۔

''ہائے، فائن۔'' ذویا نے اسے اخلاقاً جواب دیا ورنہ اسے سامنے دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی کیونکہ رستم خان اول درجے کا فلرٹ تھا۔ نظرباز اور آوارہ مزاج، شرابی تھا۔ یونیورسٹی میں ہی نجانے کتنی لڑکیوں کے ساتھ اس کے افیئر چل رہے تھے۔

وہ اپنی دولت سے لڑکیوں کو مرعوب کر کے اپنا مقصد پورا کرتا تھا جبکہ دلاور کو لڑکیاں اس کی شاندار پرسنیلیٹی اور شاعری کی وجہ سے پسند کرتی تھیں۔

''کسی کا انتظار ہے کیا؟'' رُستم خان نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، بس مونٹی اور بوبی ابھی آتے ہوں گے باہر ذرا کسی کام سے گئے ہیں۔'' ذویا نے آئس کریم کھاتے ہوئے جواب دیا۔

دلاور خان کو غصہ آ رہا تھا رُستم کو ذویا کی ٹیبل کے پاس دیکھ کر وہ جانتا تھا رستم کی آوارہ مزاج اور شیطانیت کو۔''

''اس کا مطلب ہے اکیلی ہو، ویری گڈ، ہم کمپنی دے دیتے ہیں۔ رُستم خان اس کے سامنے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

''میں اکیلی نہیں ہو یہ دو ٹیبل ہم نے ہی بک کروائی تھیں میں دلاور کے ساتھ اپنے فرینڈ کا ویٹ کر رہی ہوں۔''

ذویا نے اٹھتے ہوئے دلاور کی ٹیبل کی جانب اشارہ کر کے کہا تو دلاور خان حیرت سے اسے تکتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

واقعی مگر تم دونوں تو الگ الگ ہو۔ ویسے ہمارے گاؤں میں کوئی لڑکی اگر کسی لڑکے سے ملتی ہے تو اسے لڑکے سمیت مار دیتے ہیں۔ رُستم نے دلاور کو کہتے ہوئے کچھ جتانے کی کوشش کی تھی۔

''اچھا! پھر تمہیں بھی گولی مار دینی چاہیے نا، مگر ہاں تمہیں کوئی دیکھنے والا نہیں اور نہ ہی یہ تمہارا گاؤں ہے جب ہی تم ابھی تک گولی کی زد میں آنے سے بچے ہوئے ہو۔'' ذویا نے مسکراتے ہو کہا تو وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

''بہت تیز ہو کبھی آؤ نا ہمارے دیس۔ میرا مطلب ہے ہمارے پنڈ کی سیر کو آؤ نا۔

''آؤں گی دلاور گھر چلیں مما انتظار کر رہی ہوں گی بوبی کو فون کر دیتے ہیں کے ہم گھر جا رہے ہیں وہ بھی سیدھا وہیں آ جائے۔

ذویا نے بہت دوستانہ انداز میں دلاور کو مخاطب کر کے کہا وہ اپنی حیرت کو چھپاتا اسے دیکھنے لگا۔

''کچھ دیر تو رُکیں ذویا جی، ہمیں بھی کچھ وقت دے دیں دلاور خان سے کوئی خاص لگاؤ ہے ان کے ساتھ اکیلی گھوم رہی ہیں'' رستم خان نے ان دونوں کو شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو دلاور خان نے اپنا غصہ ضبط کا لیا ورنہ تو دل چاہ رہا تھا کہ اس کا منہ توڑ کر رکھ دے۔

''جی ہاں یہ میرے منگیتر ہیں اور اسی خوشی میں آج ہم سب ڈنر پہ آئے تھے۔ ذیا کے پے در پے جھوٹ دلاور کو سٹپٹا رہے تھے تاؤ دلا رہے تھے۔

''ارے واہ دلاور خان واہ بھئی! تم نے منگنی بھی کر لی اور ہمیں بتایا تک نہیں بتا دیتے تو ہم بھی جشن منا لیتے۔ اس بار تو ساری رسمیں دھوم دھام سے کرنا اور مٹھائی تو بنتی ہے یار مٹھائی کب کھلا رہے ہو ہمیں؟''

رستم خان کو اس کی منگنی کی خبر سے جھٹکا لگا تھا وہ معنی خیز انداز میں دلاور خان کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''بہت جلد چلیں دلاور۔'' ذویا نے رستم خان کو جواب دینے کے ساتھ ہی دلاور کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی ہوٹل سے باہر آ گئی وہ کسی معمول کی طرح اس کے اشارہ پر عمل کر رہا تھا۔ رستم خان بہت پر اسرار انداز میں مسکراتا ہوا انہیں کو دیکھتا ہوا باہر تک آیا تھا ذویا بے بوبی کو فون کر کے بتا دیا کہ وہ دلاور کے ساتھ گھر جا رہی ہے۔

''یہ سب کیا بکواس ہے ذویا؟'' دلاور خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''مجبوری ہے وہ کہتے ہیں ناں کے ضرورت پڑنے پر تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے میں نے صرف منگیتر بنایا ہے، شوہر تھوڑی۔''

ذویا نے بہت معصومیت سے جواب دیا۔

''واٹ! وہ غصے سے احساس، توہین سے چیخ اٹھا۔

''سوری۔'' ذویا نے اپنے کان پکڑ لیے۔

''بدتمیز، بے حیا، بے شرم لڑکی، اترو میری گاڑی سے۔'' دلاور کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا اس طرح تو اسے کبھی کسی نے اپنی ضرورت کے لیے استعمال نہیں کیا تھا۔

''آپ تو شرم و حیا والے ہیں ناں پھر مجھے کیوں اپنی گاڑی سے اترنے کا حکم دے رہے ہیں؟ وہ رُستم شیطان، ادھر ہی گھوم رہا ہے۔ پلیز مجھے گھر تک ڈراپ کر دیں گے ناں۔'' ذیا نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''انہی کے ساتھ جاؤ نا، جن کے ساتھ یہاں تک آئی تھیں۔''

''اففوہ! وہ گاڑی پنکچر ہو گئی تھی ٹھیک کروانے گئے ہیں میں اس خبیث رستم کی وجہ سے آپ سے لفٹ لینے پر مجبور ہوں اتنا غصے مت ہوں۔ کرایہ دے دوں گی آپ کو۔''

ذویا نے تیزی سے کہا وہ مزید بپھرا۔

''مجھے کیا ٹیکسی ڈرائیور سمجھا ہے تم نے؟''

''جو سمجھا اور بتایا ہے اس پر راضی ہو جائیں اور اچھے منگیتر ہونے کا ثبوت دیتے مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔ اور اگر میں نے آپ کو ٹیکسی ڈرائیور سمجھا ہوتا تو آپ کے برابر ہرگز نہ بیٹھتی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھتی۔'' ذویا نے اسے دیکھتے ہوئے ڈھیٹ پن سے کہا۔

اور تم نے اپنی اور میری منگنی کی جھوٹی کہانی اسے سنائی ہے وہ گاؤں میں جا کر سب کو بتائے گا بلکہ آج ہی فون کر کے یہ خبر وہاں پہنچا دے گا۔ اور میرے لیے مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ نہ تمہیں اپنی اور اپنے ماں باپ کی عزت کا کوئی خیال ہے اور نہ ہی میری عزت کا خیال کیا ہے تم نے۔ اب تمہارے ساتھ میرا نام لیا جائے گا۔ یونیورسٹی میں یہ بات بھی آگ کی طرح پھیلی ہوئی ہوگی۔''

''یہی تو میں چاہتی ہوں۔'' وہ اس غصے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اطمینان سے بولی تو دلاور کا خون بھی کھول اٹھا۔

''تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہے اپنی رسوائی کا، ذرا سا بھی ڈر نہیں ہے اپنی بدنامی کا......؟''

''جب پیار کیا تو ڈرنا کیا؟'' وہ مسکراتے ہوئے گنگنائی۔

''شٹ اپ!'' اس نے غصے سے کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''آئندہ میرے ساتھ ایسا بھونڈا مذاق کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''
وہ غصے سے گاڑی ڈرائیو کرتا اسے خبردار کر رہا تھا۔
''مذاق؟ آپ محبت کو مذاق سمجھتے ہیں۔''
''تم جیسی بے باک لڑکی سے ایسی ہی بکواس کی اُمید کی جاسکتی ہے وہ جو ہر وقت تمہارے آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں وہ یار دوست کافی نہیں جو مجھے اُلو بنانے کا سوچ رہی ہو۔ لو گھر آ گیا تمہارا جان چھوڑو میری۔
اُس نے تلخ اور غصیلے لہجے میں اس کی انسلٹ کرتے ہوئے گاڑی اس کے گھر کے قریب لا کر روک دی۔ وہ بھی اپنا غصہ ضبط کر رہی تھی۔
''تمہاری جان تو میں نہیں چھوڑوں گی ہاں تمہارے لیے اپنی جان دے سکتی ہوں آزمائش شرط ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''او شٹ اپ! یہ گھسے پٹے تھرڈ کلاس ڈائیلاگ میرے سامنے بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہونہہ جان دو گی تم شکل دیکھی ہے اپنی رستم کو دیکھ کر ہی رنگ اڑ گیا تھا جان دیں گی محترمہ! اپنی جان دینے کے لیے بڑا جگرا چاہیے بی بی! تم کیا میرے لیے جان دو گی الٹا تم نے تو میری جان عذاب میں ڈال دی ہے۔''
وہ استہزائیہ انداز میں اسے اچھی طرح لتاڑ رہا تھا وہ لب کاٹنے لگی۔
فکر نہ کرو تمہارا یہ احسان مجھے اپنی جان دے کر اتارنا پڑا اور اپنے جذبے کی سچائی کا یقین دلانے کے لیے جان سے گزر جانا پڑا تو میں دریغ نہیں کروں گی۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔
''میں نے کہا نا میں ان فضولیات پر یقین نہیں رکھتا۔ اور وہ بھی تمہاری زبان سے کہے گئے یہ تھرڈ کلاس جملے بے معنی لفظ، ان پر تو کبھی بھی نہیں ناٹ اٹ آل۔''
دلاور کے لہجے میں اس قدر نفرت اور سرد مہری تھی کہ ذویا کا دل دکھ سے بھر گیا مگر وہ ضبط کرتے ہوئے مسکراتی تھی۔
''اپنی سانسیں تمہارے دل میں
بھر دیں گے تو جانو گی
کہ جان سے کتنے عزیز تر ہو۔''
بس بہت سن لی تمہاری بکواس۔'' دلاور نے غصے سے ہاتھ کھڑا کر کے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔
''اترو۔'' ورنہ دھکا دے کر باہر نکالوں گا۔''
''اِل مینرڈ، جنگلی، جاہل، وہ بھی تپ کر بولی۔
''شٹ اپ!''
''تھینک یو۔'' وہ اس کی خونخوار نظروں سے بچتی ہوئی مسکرا کر کہتی 'احتشام ولا' میں داخل ہو گئی۔ وہ اور دل جلاتا گاڑی آگے دوڑا لے گیا۔
وہ بے رخی سے دیکھتے ہیں
خیر دیکھتے تو ہیں
ذویا مسکراتی ہوئی دلاور کا غصہ یاد کرتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوگئی تو فائزہ کو احتشام کو اپنا منتظر پایا۔
''السلام وعلیکم۔'' ذویا نے دونوں کو مسکراتے ہوئے سلام کیا ہے۔'' احتشام الحق نے شفقت بھرے انداز میں کہا۔
''بس پاپا۔ بہت انجوائے کیا اور پتا ہے مجھے گھر کون ڈراپ کر کے گیا ہے؟ وہ مسٹر ہینڈ دغصہ جس کے ناک پہ دھرا رہتا ہے ہر وقت۔ دلاور خان۔''
''کیا؟'' وہ چھوڑ کے گیا ہے؟ بولی کہاں

ہے؟'' فائزہ نے حیرت اور تفکر سے استفسار کیا تو اس نے ساری بات بتادی۔

سنا ہے آپ نے وہ شخص اس کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا اور آپ سے اس کے گھر اس کی حویلی میں بھیج رہے ہیں۔

فائزہ نے اس کی بات سنتے ہی احتشام الحق کو مخاطب کر کے توجہ دلائی۔

ارے بھئی ذوئی کوئی مستقل وہاں رہنے تھوڑی جا رہی ہے ایک ہفتے تک واپس آ جائے گی اور پھر دلاور خان کون سا ہر وقت اس کے سر پر سوار رہے گا وہاں اس کے ماں باپ پھوپھی بہنیں سن ہی ہوں گی ذوئی کا خیال رکھنے کے لیے اور اگر اسے کہیں جانا ہوگا تو اپنا ڈرائیور اور گاڑی بھی وہیں ہوگی۔

اور پھر اپنے مزارعے ہیں وہ سب اسے گاؤں کی سیر بھی کروائے ہیں اور اس کا بہت اچھی طرح خیال بھی رکھیں گے تم فکر مت کرو۔''

احتشام الحق نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

جوان بچی کا معاملہ ہے فکر کیسے نہ کروں؟'' وہ خفگی سے بولیں اور میں تو کہتی ہوں کو تھوڑی سی زمین گاؤں میں ہے وہ بھی بیچ دیں تا کہ یہ گاؤں کے چکر ہی ختم ہو جائیں اب وہاں کون ہے آپ کا۔

''بے شک وہاں ہمارا اب کوئی نہیں ہے۔ ماں باپ کی قبریں پرانی ہیں پرانی یادیں ہیں مزارعے ہیں لیکن ایک دم سے اتنی اچھی زرخیز زمین بیچنا سراسر حماقت ہوگی۔ ہمیں فائدہ ہی دے رہی ہے نا یہ زمیں۔ وہ سنجیدگی سے بولے۔

''تو آپ شہر میں خرید لیں زمین یہاں تو ریٹ بھی آسمان کو چھو رہے ہیں گاؤں کی زمین بیچ دیں۔'' انہوں نے مشورہ دیا۔

''تم چاہتی ہو کے میں سونا اگلتی زمین، مٹی کے بھاؤ بیچ دوں بیگم صاحبہ! اپنی زمین کا گنا ہماری شوگر مل کو مل رہا ہے۔ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اور بچت ہے۔ وہ انہیں سمجھانے لگے۔ جو ٹھیک ہے جو دل چاہے کریں، بیٹی کو اکیلے بھیج رہے ہیں نا اس کی فکر ہے حد ہو گئی۔'' فائزہ نے روٹھے ہوئے کہا۔

''میں اکیلی نہیں جا رہی مما، بوبی بھی میرے ساتھ جا رہا ہے۔''

ذویا نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اطلاع دی۔

''لیجیے یک نہ شد، دو شد۔''

فائزہ نے شوہر کو بھنویں اچکا کر دیکھا۔

''اچھا ہے نا، بوبی کی بھی آؤٹنگ ہو جائے گی اور ویسے بھی یہ دونوں کبھی کہیں اکیلے گئے ہیں جواب ذوئی اکیلی جائے گی۔'' احتشام الحق نے ہنس کر کہا۔

''پل پل میں تو ان کے پروگرام بدلتے ہیں۔''

فائزہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئیں وہ دونوں ہنس پڑے۔

☆......☆......☆

یہ ورق ورق تیری داستاں یہ سبق سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے کروں الگ، تجھے زندگی کی کتاب سے

ذویا نے کتاب کھولی تو دلاور خان چہرہ صفحات ابھر آیا اس نے دھڑکتے دل کی بے قراری سے مچل کر کتاب بند کر دی اور اپنا سیل فون اٹھا کر اپنی اور سب دوستوں، بوبی، مونٹی، ٹینا اور پپی کی یونیورسٹی میں ہونے والی میوزیکل ایوننگ کی ریکارڈنگ دیکھنے لگی۔

جس میں ان سب نے ایک فوک گیت پر پر فارم کیا تھا۔

اور جانے اسے کیا سوجھی تھی اس نے وہ ویڈیو دلاور خان کو اس کے موبائل نمبر پہ ای میل کر دی۔

دلاور خان سونے کی تیاری کر رہا تھا، سیل پر اٹھتی اتنی لمبی مسیج ٹون سن کر اٹھ بیٹھا اور جب موبائل چیک کیا تو ای میل اور مسیج میں زویا کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

''یہ اس نے مجھے کیوں بھیجا ہے اور کیا ہے یہ؟''

وہ خود کلامی کرتے ہوئے اس کا بھیجا ہوا وہ ویڈیو دیکھنے اور سننے لگا اور اسے یاد آنے لگا کہ یہ سب اس نے کہاں دیکھا تھا بہت تیز بیٹ میوزک تھی، گانا اس کا فیورٹ تھا لہٰذا سننے میں مگن ہو گیا۔

جندناوے کرجاں گا اوئے
لوکی کہندے چھڈ ماہی
او میں جھڈیا تے مرجاں گا
او ماڑا اے تے ماڑا سی یار جو ہے
کجھ وی ہوئے اوساڈا پیار جو ہے
کیوں ماہی دا کیوں ڈھولے دا گلا کراں
میں تے لکھ واری بسم اللہ کراں
چنگے ہوّن یار تے ہر کوئی سڑدا اے
سارا شہر میرے نال لڑدا اے، کے مصرعے پر اس نے شرارت میں دلاور کی تصویر کو فوکس کیا تھا وہ اس کی اس حرکت پر مسکرا رہا تھا۔

گیت کے ان مصرعوں میں دلاور اور زویا کو اس طرح سیٹ کیا تھا پچی نے ویڈیو میں کے دیکھنے والے کو یہی لگتا کے زویا نے یہ گیت دلاور کے لیے گایا ہے اور وہی اس کا پیار ہے۔ دلدار نے دلاور خان کو ویڈیو ختم ہونے پر گاؤں سے کال آ گئی۔

بختاور خان کا نمبر موبائل اسکرین پر جل بجھ رہا تھا۔

''سلام بابا سائیں!'' دلاور خان نے موبائل آن کیا۔

وعلیکم السلام دلاور پتر کتھاں (کہاں) ہے تو؟''

''بابا سائیں میں گھر پہ ہوں سونے لگا تھا۔ کیوں خیریت تو ہے نا آپ نے اس وقت کیسے یاد کیا.....؟''

اوپتر! وہ بدذات رستم خان ہے نا اس نے خبر دی ہے تو نے شہر میں کسی لڑکی سے کوئی منگنی کر لی ہے مبارک باد دے رہا تھا۔ وہ کمینہ۔''

بختاور خان نے فون کر کے وجہ بتائی تو وہ سلگ کر رہ گیا۔ اس کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ رستم خان آگ لگانے سے کیسے باز رہ سکتا تھا۔

''بکواس کرتا ہے وہ بابا سائیں! ایسا کچھ نہیں ہے وہ خود دس، دس لڑکیوں کو چکر دے کر رکھتا ہے، اپنا گند میرے سر ڈال رہا ہے میں نے کوئی منگنی نہیں کی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔''

دلاور خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''پتر پریشانی کی بات ہو سکتی ہے اگر الیکشن سے پہلے ایسی ویسی خبر اخبار والوں کے ہاتھ لگ گئی تو یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔

الیکشن ہو جائیں اس کے بعد تم منگنی شادی جو دل چاہے وہ کر لینا ابھی بھی اگر کہیں دل اٹکا ہوا ہے تو مجھے بتا دے میں خود تیری منگنی، شادی کروا دوں گا لیکن اس طرح چوری چھپے نہ کریں نہیں تو الیکشن میں ہمارے مخالف اس بات کو بہت اچھالیں گے سمجھ رہا ہے نا میری بات۔''

''جی بابا سائیں! سمجھ رہا ہوں ایسی کوئی بات نہیں ہے اگر ہوگی تو آپ کو بتا دوں گا۔'' دلاور کان نے انہیں یقین دلایا تو وہ بھی مطمئن ہو گئے اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔ اور دلاور کے سیل کی اسکرین پر ذویا کا سراپا دیکھنے لگا۔

''ذویا احتشام کیا چیز ہو تم؟'' دلاور خان نے اسے اپنے سیل فون کی اسکرین پر مسکراتے دیکھ کر خود کلامی کی۔

بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی ساڑھے پانچ فٹ قد تھا۔ دودھ جیسی سفید رنگت، چہرہ اتنا دلکش اور دلنشین تھا کہ جو وہ ہنستی تو گلاب سے اس کے رخساروں پر کھل اٹھتے۔ سفید موتیوں کی طرح چمکتے دانت اس کے گلابی تراشیدہ نازک ہونٹ اس کی دلکشی میں اضافہ کر دیتے۔

سیاہ آنکھیں، گھنے بال، جو فرنٹ سے چائنیز بے بی کٹ اسٹائل میں کٹے ہوئے تھے۔ جو اس کو مزید کم سن ظاہر کر رہے تھے۔ آنکھوں میں ہر وقت شرارت، شوخی اور ذہانت چمکتی رہتی تھی۔ ستواں ناک اس کے عزم و ارادوں کی مضبوطی کو ظاہر کرتی۔ اس پر آواز کی دلکشی ایسی کے سننے والے کو کسی مدھر گیت کا گمان ہونے لگے۔

اس قدر خوبیوں کی حامل ذویا احتشام ہر جگہ ہر کسی کی منظورِ نظر ٹھہری تھی لیکن خدا جانے دلاور خان کو کیوں اس سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ یونیورسٹی میں ذویا اینڈ کمپنی یعنی بوبی، مونٹی اور پپی کی سب سے اچھی سلام دعا تھی مگر دوستی کے زمرے میں کسی نئے نام کا اضافہ نہیں ہوا تھا اب تک۔ یونیورسٹی کے لڑکے ذویا سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتے اور ذویا بھی ہیلو ہائے سے آگے نہ بڑھتی اور نہ ہی اوروں کو بڑھنے دیتی۔ بقول دلاور خان کے مونٹی اور پپی بوبی کے ہوتے ہوئے کسی لڑکے میں اتنی جرأت نہیں ہوتی تھی آج تک کے وہ ذویا سے بے تکلف ہوتا یا اس سے دوستی کر پاتا۔

دوستی تو بس ان سب کی ہی تھی آپس میں اور ہمیشہ سے تھی۔ یونیورسٹی کی دیگر لڑکیوں سے بھی دوستی اور بے تکلفی تھی اس پر تو دلاور خان کچھ نہیں کہتا تھا ہاں مگر وہ خود بھی کسی لڑکی سے دوستی اور بے تکلفی کا رشتہ استوار نہیں کر سکا تھا ان فیکٹ کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''ذویا احتشام میں تمہیں دیکھتے ہی جلنے لگتا ہوں غصہ بھر جاتا ہے میرے روم روم میں...... مگر پھر نجانے کیوں میرے خوابوں میں تمہارے سراپے کے سائے کیوں ہیں؟ تم کیوں میرے اندھیروں میں روشنی بن کر آئی ہو؟ کیوں میری تنہائی میں خلل ڈالتی ہو؟ کیوں میری صبح شام کے آس پاس چہکتی رہتی ہو؟

''کیوں میرے خیال، میری سوچوں پر بند باندھنے لگتی ہو؟''

دلاور خان نے اس کی تصویر کو سٹل کر کے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''شاید اس لیے کے تم ذویا کو پسند کرتے ہو لیکن چونکہ آج تک گاؤں سے شہر تک اسکول سے یونیورسٹی تک تم سے کبھی کسی لڑکی کو اتنی بے وقوفی بے باکی اور دیدہ دلیری سے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اسی لیے تم کو ذویا دیکھ کر آگ لگ جاتی ہے کیونکہ ذویا احتشام ڈرتی نہیں ہے وہ تمہیں ایک عام مرد سمجھتے ہوئے بھی خاص احساس رکھتی ہے تمہارے لیے۔''

دلاور خان کے دل نے اسے اس کے

سوالوں کے جواب دیے تو اس نے اپنا سیل فون آف کر دیا۔ اور اٹھ کر بے کلی سی کمرے میں ٹہلنے لگا۔

ذوئی میں تمہارے ساتھ جا تو رہا ہوں مگر سسٹر اگر میرا وہاں دل نہ لگا تو میں فوراً ہی لوٹ آؤں گا کیونکہ میں دس دفعہ دیکھ چکا ہوں وہاں سوائے اپنی زمینوں کے وہاں کوئی خاص چیز نہیں ہے۔''

بوبی نے سامان گاڑی میں رکھتے ہوئے کہا تو ذویا نے مسکراتے ہوئے بہت محبت سے اپنے اس جڑواں بھائی کو دیکھا جو اونچا لمبا، اور دلکش نین نقوش کا مالک تھا بے حد ذہین اور وجیہہ۔

اپنی اپنی نظر کا کمال ہے برادر، چلو چلتے ہیں اس بار ہم حویلی میں قیام کریں گے وہاں ضرور کچھ خاص ہوگا سنا ہے حویلی میں رہنے والے بہت دقیانوسی خیالات کے مالک ہوتے ہیں، فرسودہ رسموں کے پیروکار اور بے رحم بھی۔'' ذویا نے کہا۔

''ہاں تو دلاور خان کو دیکھ کر تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہوا ابھی تک۔'' بوبی نے ڈگی بند کرتے ہوئے کہا۔

''ہوا تو ہے مگر اس کے رویے اور مزاج کا سبب اس کی وہ حویلی ہے اس کا ماحول اور پرورش ہے میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس کے گھر کے دیگر افراد کیسے ہیں؟''

''عنوان دیکھ کر مضمون کا اندازہ لگا لو۔'' بوبی ہنسا اس کا اشارہ دلاور خان کی طرف تھا ذویا سمجھ گئی تھی جب ہی ہنس دی۔

وہ دونوں مما پاپا سے مل کر آئے تو ڈرائیور تیار کھڑا تھا۔

'' چلیں صاحب!'' ڈرائیور نے بوبی کو دیکھا۔

''ہاں بسم اللہ کرو۔'' بوبی نے سر ہلایا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر نئی نکور سفید کرولا میں بیٹھ گیا۔

ذویا نے بھی پچھلی نشست سنبھال لی اور ڈرائیور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆......☆......☆

تیرے گاؤں کی گلیوں میں آ گئے ہیں ہم
تیری خوشبو تیری آواز محسوس کر رہے ہیں ہم

پورے دو گھنٹے کے سفر کے بعد وہ 'بختاور حویلی' کے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے یہ جنوبی پنجاب کا ایک دیہی علاقہ تھا۔ علاقے کی زبان سرائیکی تھی۔ کچھ پنجابی بھی بولنے والے وہاں مقیم تھے۔

ان کی گاڑی کو پنڈ کے لوگوں نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''لگدا اے شہر نوں حویلی والیاں دے مہمان آئے ہیں۔'' (لگتا ہے شہر سے حویلی والوں کے مہمان آئے ہیں)

ذویا گاڑی سے نیچے اتری تو اس کے کانوں میں ایک ادھیڑ عمر عورت کی آواز پڑی ذویا نے آواز کی سمت دیکھا وہ سانولی سلونی عورت میلے کچیلے چولی نما گھاگھرے میں ملبوس تھی۔ دونوں ہاتھوں کی کلائیوں میں تیز رنگ کی چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ اس عورت نے ناک میں چاندی کی بڑی سی نتھ ڈالی تھی۔

اور وہ سر پہ لکڑیوں گھٹا اٹھائے مڑ مڑ کے ایسے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ ذویا نے سیاہ ٹراوزر پر سفید اور سیاہ چیک کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

گلے میں مفلر نما دوپٹہ تھا جو اس نے گاڑی

سے اترتے ہی کھل کر سر پہ اوڑھ لیا تھا اس کی پرورش چونکہ لڑکوں کے بیچ ہوئی تھی اس لیے وہ اکثر لڑکوں والے کپڑے زیب تن کرتی تھی مگر گاؤں کے لیے مما نے اس کے سوٹ کیس میں شلوار قمیض اور کرتے پاجامے بھی رکھ لیے تھے اور اسے تاکید کی تھی کے وہ گاؤں میں وہ یہی لباس پہنے تاکہ کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ حویلی کا گیٹ کھل گیا تھا بوبی اور ذویا کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا بختاور خان نے بہت شفقت سے ذویا کے سر پہ ہاتھ پھیرا بوبی کو گلے لگایا۔

وہ دونوں اپنے ساتھ شہر کی سوغات مٹھائی لائے تھے اور کیک وغیرہ وہ انہوں نے اپنے ملازم کے ہاتھ اندر رسوئی (باورچی خانے) میں بھجوا دیے تھے۔

ملازمہ کریماں ذویا کو زنان خانے میں لے گئی۔ جہاں بختاور خان کی بیوی عیشاں بی بی نے اس کا استقبال کیا۔ اس کا ماتھا چوما تھا وہ بہت سادہ اور شفیق عورت لگی تھی ذویا کو۔

پھر ایک اور بجی سنوری، زیورات سے لدی عورت نے اسے 'جی آیا نوں' کہا اور اس کی عمر تیس پینتیس کے لگ بھگ تھی۔ میں رضیہ ہوں خان سائیں کی بیوی، تجی (تیسری) بیوی۔'' اس عورت نے اپنا تعارف کروایا تو وہ میری تیسری بیوی کا سن کر ٹھیک سے مسکرا بھی نہ سکی۔

''دلاور خان کی والدہ آپ ہیں کیا......؟''

ذویا نے عیشاں بی بی سے پوچھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

توبہ توبہ ہمارے ہاں مردوں کو نام سے نہیں پکارا جاتا۔

رضیہ نے ضویا کو عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بتایا بھی اور اسے اس کی غلطی کا احساس ابھی دلایا تو وہ فوراً بولی۔

''تو کیا نمبر سے پکارا جاتا ہے؟''

''میرا مطبل (مطلب) ہے کہ ہم گھر کے مردوں کے نام نہیں لیتیں۔

''لیکن دلاور میرے گھر کا مرد نہیں ہے وہ میرا یونیورسٹی فیلو ہے میرے ساتھ پڑھتا ہے اور ہم ایک دوسرے کو نام سے ہی پکارتے ہیں، شہر میں ایسا نہیں ہوتا۔

ذویا نے تفصیل سے جواب دیا تو وہ چپکی ہوگئی۔

''وڈی تیز کڑی اے۔'' رضیہ کی بہن بھی آئی ہوئی تھی ذویا کو دیکھتے ہوئے بولی تو ذویا نے بس سر سے پاؤں تک اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔ اور وہ کھسیانی سی ہوگئی تھی۔

''دلاور نہیں آیا شہر سے؟'' ذویا نے عیشاں بی بی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' مختصر جواب ملا۔

''توساں آکھوتے (آپ کہیں تو) اس کو بلا لیتے ہیں۔

رضیہ نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں شوخی سے کہا۔

''ہاں، ہاں، اوکیندے ہیں نا کہ۔''

رضیہ کی بہن رقیہ شوخی سے بول اٹھی۔

ساڈی شاکر کیڑھی زندگی ہے۔

آساں آپ کیتھائیں۔ ساڈا یار کیتھائیں۔''

''شاکر ہماری بھی کیا زندگی ہے۔ ہمارا محبوب کہیں ہے اور ہم کہیں اور ہیں۔''

''واہ واہ آپ تو شاعری بھی کرتی ہیں۔''

ذویا نے اسے اس کی زبان میں جواب دیا تو وہ حیرت سے اسے تکنے لگی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ شہری لڑکی ان کی بولی بھی بول سکتی ہے۔

''سائیں کھانا لگ گیا ہے۔'' ملازمہ کریماں نے آ کر اطلاع دی۔

''چل پتری ہاتھ منہ دھولے۔'' عیشاں بی بی نے اپنائیت سے کہا۔ اور ذویا ملازمہ کی ہمراہی میں واش روم' تک آ گئی وہ یہ دیکھ کر مسلسل حیران ہو رہی تھی کہ حویلی میں ہر جگہ قیمتی ٹائلز لگی ہوئی تھیں قیمتی اور جدید طرز کا فرنیچر سجا ہوا تھا۔ ایل سی ڈی، ڈی وی ڈی، کیبل ریفریجریٹر، اے سی سب ہی شہری سہولتیں اور آسائشیں وہاں موجود تھیں اس نے حویلی کی عورتوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ جس میں جنت خاتون بھی شامل تھیں جو دیکھنے میں چالیس پینتالیس کی لگی تھیں ذویا کو۔ اور ذویا کا خیال تھا کہ وہ دلاور کی دوسری ماں ہوگی مگر وہ اتنی خاموش چپ چپ اور اداس سی کیوں تھیں......؟''

ذویا کو ان کی کم گوئی نے تجسس میں ڈال دیا تھا۔ کھانا بہت پُر تکلف اور مزیدار تھا ذویا نے خوب سیر ہو کر کھایا اور دل کھول کر تعریف کی تو حویلی کی تمام خواتین ہی خوش ہو گئیں۔

دھیے تو آرام کر لے تھک گئی ہوگی نا سفر کر کے۔''

عیشاں بی بی نے زویا کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے محبت سے کہا۔

بے جی۔'' اس سے پہلے زویا کوئی جواب دیتی۔

دلاور خان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی، گویا سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا اس کے من کی کلی کھل اٹھی۔

''ہاں دلاور پتر۔'' آجا میں ادھر ہوں۔''

عیشاں بی بی نے جواب دیا۔

''سلام بے جی۔'' دلاور خان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے انہیں سلام کیا اور ان کے گھٹنوں کو چھوا، ہاتھوں کو چوما۔

''یہ شاید یہاں کی رسم ہے ذویا نے دل میں سوچا۔''

''وعلیکم السلام جیندا رہے میرا پتر، سدا سکھی رہ۔''

بے جی دعائیں دے رہی تھیں۔

''تم یہاں۔'' دلاور خان کی نظر اس پر پڑی تو جیسے کرنٹ سا لگا اسے بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہے ہو جیسے تمہیں میرے یہاں آنے کا علم ہی نہ ہو۔'' ذویا نے خفا خفا لہجے میں کہا۔

''اوہ، تو تم ہی ہو وہ شہری مہمان لڑکی جسے گاؤں کی سیر کرنی تھی۔ وہ ہونٹ سکیڑ کر اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں کیوں شاک لگا مجھے یہاں دیکھ کر۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔ براؤن رنگ کے کرتے شلوار، پشاوری چپل میں وہ گاؤں کا پاسی کم وڈیرا زیادہ لگ رہا تھا۔ مگر کشش ایسی تھی کے ذویا کے دل کی دھڑکنیں اسے دیکھتے ہی بے ترتیب ہونے لگیں تھیں۔

''نہیں۔'' وہ اس کے لباس کو دیکھ رہا تھا۔''

''تو کیا خوشی ہو رہی ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں مخاطب تھی۔

''خوش فہمی ہے تمہاری۔'' دلاور خان نے جواب دینے کے ساتھ ہی نگاہ کا رُخ بھی اپنی ماں کی طرف کر لیا۔

''بے جی میں شہر سے کچھ سامان لایا ہوں آپ بھی دیکھ لیں۔''

''اچھا پتر، تو بیٹھ میں تیرے لیے کھانا لگواتی

ہوں۔''

بے جی نے اٹھتے ہوئے کہا تو اس نے تیزی سے پوچھا۔

''جنت بی، کہاں ہیں؟''

اس نے کہاں جانا ہے؟ اپنے کمرے میں ہوگی۔''

بے جی جواب دیتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔دلاور خان نے زویا پر ایک ناصحانہ اور زہریلی نظر ڈالی۔

''یہاں یہ بے ہودہ لباس دوبارہ مت پہننا۔''

''کیوں کیا برائی ہے اس لباس میں؟ کہیں سے جسم کی نمائش تو نہیں ہو رہی پھر کیوں اعتراض ہے آپ کو میرے پہناوے پر......؟''

زویا نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر دریافت کیا۔

جیسا دیس ویسا بھیس یہ کہاوت تو تم نے سنی ہی ہوگی۔

''ہاں سنی ہے اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں آپ کی ایڈوائس کی ضرورت نہیں ہے مجھے جب ہوگی بتا دوں گی۔''

زویا نے اسے اعتماد سے دیکھتے ہوئے کہا اور بوبی سے ملنے کے خیال سے باہر نکل گئی۔دل میں اس کا مزید دیدار کرنے کی سکت نہیں تھی۔

☆......☆......☆

سکون و ضبط کی سب کوششیں بے کار جاتی ہیں
نظر آتے ہو اک لمحہ تو پہروں کا دل دھڑکتا ہے

وہ اپنے دھڑکتے دل پہ ہاتھ رکھتے ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔

سرِ شام ہی گاؤں میں خاموشی چھا گئی تھی۔اندھیرا اپنی تنہائی کا ماتم کرتا دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا اور مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

گاؤں کے کچھ گھروں میں چراغ گل تھے اور کچھ کچے پکے گھروں سے روشنی جھانک رہی تھی بوبی اور زویا کو تو پہلی رات ہی وہاں وحشت ہونے لگی تھی۔وہ اتنی جلدی سونے کے عادی نہیں تھے اور نہ ہی وہ الگ سے ٹی وی دیکھ سکتے تھے کیونکہ بختاور خان اور دلاور خان لاؤنج میں موجود تھے اور نیوز چینل لگائے بیٹھے تھے۔زویا اور بوبی کافی دیر تک ایک دوسرے سے چیٹنگ کرتے رہے پھر بوبی نے اسے گڈ نائٹ کہہ کر ایف ایم ریڈیو لگا لیا۔موبائل پر جب اس سے بھی دل بھر گیا تو موبائل میں سیو یونیورسٹی فنکشن کی مووی دیکھنے لگا۔جب موبائل پر ٹائم دیکھا تو رات کے پونے بارہ بج رہے تھے ابھی وہ گیم کھیلنے لگا تو موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہوگئی۔

''اف! یہ رات کیسے کٹے گی اب......؟''

بوبی نے موبائل چارجنگ پر لگاتے ہوئے خود سے سوال کیا اسے حویلی کے مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا تھا جہاں ٹی وی نہیں تھا اور اسے موبائل بھی اس وقت بہت بڑی نعمت محسوس ہو رہا تھا۔

''موبائل ایجاد کرنے والے صاحب! آپ کا شکریہ اس چھوٹی سی مشین میں ساری دنیا سمٹ آئی ایک موبائل نے کتنی چیزوں کی کمی پوری کر دی ہے اور ہر ضرورت ختم، موبائل آیا پی سی او ختم، واچ ختم، ٹارچ ختم، ٹیپ ختم، ریڈیو ختم، کیلکولیٹر ختم، کیمرہ ختم، عید کارڈ ختم......

بوبی خود کلامی کرتا ہوا بستر پر گرا اور ہنس کر بولا۔

''اور سکون بھی ختم۔ جتنے فائدے اتنے نقصان۔''

☆☆......☆☆

محبت روٹھ جائے تو...

خوبصورت جذبوں سے متعارف کراتی تحریر کی دوسری قسط

"تمہیں صبر صرف اللہ کی ذات دے گی اسفند، دل کے قرار کے لیے اس سے رجوع کرو۔"
سعد نے اسے رستہ دکھایا تھا یہ سچ تھا کہ اس نے اپنی محبت کے لیے اسلام قبول کیا تھا۔
لیکن اب اس نے دل کے سکون و قرار کے لیے اس ذات سے رجوع کیا تھا۔ اپنے الفاظ اپنے اعمال کی معافی مانگی تھی، گڑگڑا کے توبہ کی

تھی۔''

باقاعدگی سے قاری صاحب کے پاس جاتا اور اکثر اپنا وقت ان کی قربت میں گزارتا۔

''اسلام کیا ہے قاری صاحب......؟''

''اللہ پاک کی ذات اس کی وحدانیت پر کامل یقین اور اس رب کی عبادت واطاعت ہی اسلام ہے۔''

''مجھے اس رب کی ذات پر یقین ہے مگر وہ اطمینان نہیں وہ سکون حاصل نہیں ہے جو مجھے آپ کے چہرے پر ملتا ہے۔''

''تمہارے من میں وسوسے ہیں انہیں دور کرو، سچے دل سے توبہ کرو بہت سے افراد ایسے ہیں جو بظاہر ایمان رکھتے ہیں مگر ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرتے تردد کا شکار رہتے ہیں۔'' تم نے اسلام اللہ کی رضا کے لیے قبول کیا ہے تو اب رب کو راضی کرو، ایمان کامل رکھو۔''

''قاری صاحب میں گناہ گار ہوں۔'' مجھے راہ دکھایئے کہ کیسے اب رب سے توبہ کروں، مجھے اپنے جیسا بنادیں۔''

''بچے! میں تو خود گناہ گار ہوں، اس رب کو راضی کرنے کی تگ ودو میں رہتا ہوں۔'' تم شرمندہ ہو اپنی خطاؤں پر'' اس رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے اور بخشش کرنے والا ہے۔'' وہ تو اپنے بندوں کی مغفرت کے حیلے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ بس بندے کو اس سے رجوع کرنا شرط ہے۔''

وہ جیسے جیسے ان کی قربت میں بیٹھتا اس کی روح کو تسکین ملتی تھی دل کو سکون اور راحت ملتی تھی۔''

اسے افسوس ہوتا تھا کہ وہ اب تک کیوں دور رہا ہے اس رب سے۔ جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ یکتا ہے لاشریک ہے۔''

مگر شاید ابھی اس کے صبر کی آزمائش تھی۔

اس کا قریبی دوست اس کے دکھ سکھ کا ساتھی سعد رسول ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہوا تھا اور محض چند گھنٹوں میں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔ یہ دکھ تو اس دکھ سے کہیں بڑھ کر تھا جو اسے محبت کی بے وفائی پر تھا۔

''میرے پاس میرے دوست کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں تھا قاری صاحب اب میں تنہا رہ گیا ہوں۔''

''اللہ پاک تمہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ اپنے دوست کے لیے دعا کرو اللہ پاک اس کی مغفرت فرمائے۔'' آمین۔

اس کڑے وقت میں قاری صاحب کی باتوں نے اسے ہمت وحوصلہ دیا تھا۔'' اس کا دل شہر سے اٹھ چکا تھا۔ وہ یہاں سے جانا چاہتا تھا۔''

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ ماضی سے وابستہ یادیں بھلانے کے لیے یہ قدم ناگریز ہے تو ضرور جاؤ۔'' اللہ پاک تمہاری حفاظت کرے تمہیں امان میں رکھے۔''

''مجھے عمر بھر آپ کی دعاؤں کی طلب رہے گی قاری صاحب۔''

اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر عقیدت سے آنکھوں سے لگائے۔''

''بس ایک بات کہنا چاہتا ہوں احمد ضیاء۔''

وہ اسے اسی نام سے پکارتے تھے۔

''ماضی قریب میں جو بھی تمہارے ساتھ ہوا، اسے بھلانا مشکل ہے مگر اللہ کی رضا اور اس کے حکم کو مدنظر رکھتے ہوئے تم اپنے دل کی تمام سچائیوں سے اس لڑکی کو معاف کردو۔'' اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

''وہ تو کر چکا ہوں مگر قاری صاحب وہ محبت اب بھی دل میں ہے۔''

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صبر کی تلقین فرماتا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ رب اس صبر سے تمہارے لیے کوئی خیر کثیر پیدا فرما دے۔''

وہ سر ہلانے لگا تھا۔

اس نے خود کو مکمل بدل لیا تھا۔'' اور اب ہر دم یہی دعا مانگتا کہ اس کی حیات ایسی ہو جائے کہ جو معبود حقیقی کو پسند آ جائے۔''

بس سعد رسول کے بعد اس شہر میں من نہ لگتا، لہٰذا وہ شہر چھوڑ آیا یہاں آ کر ہوٹل میں کب تک رہتا، تو اس نے فی الوقت رینٹ پر گھر کے لیے تلاش شروع کر دی۔

جہاں اسے درید عباس ملا۔

''بھیا گھر ملے یا نہ ملے مگر اس کڑاکے کی گری اور تیز دھوپ میں اگر مزید تم نے یہ تلاش جاری رکھی تو 1122 والوں کو خبر ضرور مل جائے گی کہ سڑک پر ایک بندہ بے ہوش پڑا ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''اندر آ جاؤ سارے مطلب سمجھاتا ہوں پہلے خشک حلق تر کرلو۔''

اس نے پہلے اسفند کو پانی دیا تھا۔

''شہر میں نئے آئے ہو؟؟''

''ہوں صبح مجھے کسی نے بتایا تھا کہ اس علاقے میں رینٹ پر گھر مل جائے گا۔''

''ہوگا، مگر بھیا اتنی دوپہر میں کیوں خوار ہو رہے تھے؟''

''مجھے گھر کی شدید ضرورت ہے۔''

''اگر ضرورت اتنی ہی شدید ہے تو تم ہمارے غریب خانے پر زندگی بسر کر سکتے ہو جب تک تمہیں قابل قبول گھر نہ ملے۔ یہاں میرے علاوہ بھی تمہیں تین کارٹون برداشت کرنے ہوں گے۔ اس کے علاوہ کوئی مشکل نہیں ہے بس۔''

ضرورت تو اسے واقعی تھی، اسے طائرانہ نظر گھر پر ڈالی۔

''چار کمرے ایک لیونگ کچن صحن شامل ہیں اس گھر میں۔''

''کرایہ اور ایڈوانس۔''

''پاجی تسی اپنا سامان چکو، تے آ جاؤ۔ فیر کرایہ بھی منگ جاؤ گا۔''

اسفند کو قدم جمانے کے لیے ٹھکانہ درکار تھا اس نے غنیمت جانا اور سامان اٹھا کر آ گیا۔

سنہرے کانچ کی سی آنکھوں کے گوشے نم تھے اور ان میں گہری سرخی کی لہر نمایاں تھی درید عباس کو افسوس ہوا کاش وہ لاعلم رہتا، لاعلمی بھی نعمت ہوا کرتی ہے اب اسے وہ الفاظ نہیں مل رہے تھے جن سے وہ اسفند کو حوصلہ دیتا۔

تجھے اب بھی محبت ہے اس سے۔''

''کیا کروں بے بس ہوں۔ میری محبت تو سچ تھی ناں درید۔ میرے من سے وہ محبت نہیں مٹتی۔''

''لاحاصل ہے اسفند ضیاء۔''

''ہاں مگر مجھے اس سب سے یہ سبق حاصل ہوا کہ عورت ذات ناقابل اعتبار ہے۔'' لہجہ ٹوٹا سا تھا۔

''یو نو اسفند، یو آر رانگ۔''

''آئی ایم سرپرائزڈ درید عباس...... یہ تم کہہ رہے جبکہ جس کے دل کو خود ٹھیس اس عورت ذات نے ہی دی ہے۔

''تو''۔ وہ زور سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

''اس کی کوئی مجبوری رہی ہوگی کہ وہ مجھے سچ نہ بتا سکی مگر اس نے ارادتاً مجھے ہرٹ نہیں کیا۔''

''اچھا یہ پھر ہر مہینے کے اینڈ میں سوگ کس بات کا مناتا ہے تو۔''

''کم از کم اس بات کا نہیں کہ وہ غلط تھی یا مجھے چھوڑ گئی۔ ہاں دکھ ہوتا ہے کہ وہ مجھے مل نہ سکی۔ اور مجھے یقین ہے کہ جیسے میرے دل میں آج تک آباد ہے مجھے بھلا وہ بھی نہیں پائی ہوگی۔''

''یو آر امیزنگ درید عباس۔ ایک لڑکی تمہیں دھوکا دے کر کسی اور کی ہو جائے۔''

''اس نے مجھے دھوکہ نہیں دیا اسفند، میرا دل کہتا ہے۔''

اس نے اسفند کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''آئی ڈونٹ نو۔ بس اتنا طے ہے درید عباس کہ محبت صرف دکھ دیتی ہے۔''

اس کی یہ بات بھی درید کو سچ لگی تھی۔

''ہائے ہائے میری شرٹ۔''

سویرے سویرے نہال کی دہائی پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔

''خدا کی قسم ویک اینڈ اتنا اچھا گزرا اور پھر آج سویرے ہی سویرے چخ چخ شروع ہوگئی۔''

ٹیبل پر ناشتہ لگاتے درید کی جھلاتی آواز آئی۔

''ڈونٹ وری، ہم تمہاری جان نہیں چھوڑنے والے۔''

بلال نے عالمی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

''پتہ ہے مجھے بے غیرتی کے مقابلے میں سیکنڈ پرائز تو نے ہی جیتا تھا۔'' اس نے پانی سے بھرا جگ ٹیبل پر پٹخا۔

''ہائیں، سیکنڈ...... فرسٹ پرائز کس کو ملا تھا درید بھائی۔''

طلال جواب تک بے نیاز بنا بیٹھا تھا اشتیاق سے بولا۔

''آف کورس تجھے۔'' اور یہ سن کر طلال منہ بسورنے لگا تھا۔

''حد ہوگئی ہے کوئی میرا دکھڑا سن ہی نہیں رہا۔'' نہال نے واویلا مچایا۔

''میاں کبھی کبھار ہو تو کان بھی دھریں تم نے تو لڑاکا بیویوں والا وطیرہ ہی اپنا لیا ہے۔ صبح سے دہائیاں دیتے ہوئے رات ہو جاتی ہے۔'' درید نے لاپرواہی سے کہا۔

''طلال نے میری شرٹ جلادی ہے۔'' نہال نے روہانسی لہجے میں کہا تھا. بلال نے طلال کو گھورا۔

''بائی گاڈ! ارادتاً نہیں جلائی۔ بس استری کو زیادہ ہی محبت تھی اس کی شرٹ سے ایسے چپکی عمران ہاشمی کی طرح اترنے کا نام ہی نہیں لیا۔''

''ہاں تجھے جس دن بھی استری کرنی پڑ جائے ایسا ہی ہوتا ہے۔''

وہ غصے سے لال پیلا ہوتا اندر مڑ گیا۔ دوسری شرٹ استری کر کے پہنی اور بنا ناشتے کے چلا گیا۔''

''کتنی غلط بات ہے وہ بنا ناشتے کے چلا گیا۔''

اسفند اٹھ تو چکا تھا نہال کی آواز پر، اب آیا تو وہ تینوں اطمینان سے ناشتہ کر رہے تھے۔

''روٹھی حسیناؤں جیسے نخرے ہوتے ہیں اس کے صبح میں منانے کا ٹائم نہیں ہوتا۔''

''لیکن زیادتی تو طلال نے کی ہے ناں کالج کی شرٹ جلادی اس کی۔''

''بلیومی بگ بی...... جان کر نہیں جلائی۔''

''کم از کم بلال تجھے زبردستی کچھ کھلانا چاہیے تھا۔''

''مغز نہیں الٹا تھا میرا، جو میں اپنا ناشتہ بھی حرام کرتا۔''

بلال ویسے ہی ان کے جھگڑوں سے عاجز تھا۔ اسفند نے تاسف سے پھر ہلایا۔

''اور میری ہاف وائف اب نصیب سے جلدی اٹھ گیا ہے تو ناشتہ کر لے۔

درید عباس اکثر اسے یوں چھیڑتا تھا۔

''بک نہیں۔'' اس نے درید کو گھورا۔

شام تک اسے نہال کا خیال رہا تھا تب ہی واپسی پر اس کے ہاتھ میں نئی شرٹ تھی جو اس نے نہال کو تھمائی تھی۔

''تھینکس اسفند بھیا۔''

''واہ کبھی ہم پر بھی نظر کرم ڈال دیا کریں بگ بی۔''

طلال نے فوراً ہی ٹوکا تھا۔

مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆......☆......☆

''طلال اگر اب تو نہیں بیٹھا نہ تو تجھے چھت سے نیچے پھینک دوں گا۔'' درید نے نیچے جھانکتے ہوئے طلال کو دھمکی دی تھی۔

''ایویں انرجی ویسٹ کر رہے ہو بھیا جان تسی۔ انوں لگنی کوئی نی بے غیرتی وچ ڈپلومہ ایویں نی کیتا۔'' نہال نے کلستے ہوئے کہا۔

''طلال دس از لاسٹ وارننگ۔''

''کیا ہے یار؟؟ خود تو گھٹ گھٹ کر زندگی گزار رہے ہو۔'' مجھے تو لائف کا مزہ لینے دیں۔''

''یہ ہی حال رہا نہ تیرا چھت پر داخلہ ممنوع کر دوں گا میں۔'' درید نے سنجیدگی سے کہا۔

''طلال بات مانتے ہیں یار شریفوں کا محلہ ہے ضروری ہے کہ کہیں سے کمپلین آئے گی تو تب ہی مانو گے۔''

''یار میں نے کیا کیا ہے میرے کھڑے ہونے سے کیا کمپلین آئے گی۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ گرمی کی شام میں اکثر لوگ چھت پر ہوتے ہیں۔

مانا کہ ٹین ایج میں مخالف صنف کی جانب متوجہ ہونا نیچرل سی بات ہے مگر تمہارا طریقہ غلط ہے۔''

''بگ بی آپ کے خیال میں صرف میں غلط ہوں۔ کس دور کی بات کر رہے ہیں آپ، اب لڑکیاں خود آفر کرتی ہیں لڑکوں کو، آپ نہیں جانتے۔''

وہ نروٹھے پن سے بولا۔

''تم سے کہیں زیادہ ایڈوانس ماحول میں لائف گزاری ہے اس نے اگر سمجھانے کی کوئی بات کر رہا ہے تو سن لے۔'' درید نے جھڑکا۔

''آئی نو کم آنے والے وقت میں حیا اور وقار صنف نازک میں بھی نایاب ہو جائیں گے ہیں بٹ ینگر برادر انسان کو اپنی نظر کی حفاظت خود کرنی چاہیے۔

''ویری سوری بگ بی بٹ کیا کروں آپ میرے آئیڈیل انسان ہیں مگر میں آپ جیسا نہیں بن سکتا۔'' طلال نے معذوری بیان کی۔

''قصور تیرا نہیں تیری عمر کا ہے۔''

''تسی اب بڈھے ہو گئے جی۔''

''روح بڈھی ہے آپے تو انے سوہنے ہو۔''
نہال نے گوہر افشانی کی۔

''یو آر امپاسبل۔'' اسفند چڑ گیا۔

''تسی خفا ہو گئے۔

''نہیں میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی پڑھائی پر توجہ دو، کن چکروں میں پڑ گئے ہو۔''

''آپ محبت پر بہت یقین رکھتے ہیں بگ بی۔''

''تمہیں لگتا ہے کہ جو تم کر رہے ہو وہ محبت

ہے۔"

"نہیں لیکن مجھے درید عباس کی طرح پہلی نظر کی محبت پر قطعی یقین نہیں ہے۔ میرے خیال سے انسان کو اچھی طرح سمجھ کر ایک دوسرے کو جان کر محبت کرنی چاہیے۔"

"محبت نہ ہوئی پلاننگ ہوگئی۔"

"لائف پلان کرنے کا نام ہی تو محبت ہے زندگی بھر کا سودا ہوتا ہے۔" طلال نے بحث بڑھائی۔

"محبت ہوتی وہ ہی ہے جو پہلی نظر میں ہو۔"

"پتہ چلے محترمہ کہیں اور کمٹینڈ ہوں پھر۔" بندہ تین چار لڑکیاں نظر میں رکھے۔ پھر سلیکٹ کرے۔"

"لڑکی کیا ہوئی شرٹ ہوگئی جو دل کو بھائی پہن لی باقی پھینک دیں۔"

"میرے نزدیک عورت کی عزت و احترام زیادہ مقدم ہے۔ جس شخص کی نظر میں عورت کا احترام ہوگا وہ یہ سوچ کبھی نہیں رکھے گا۔ محبت کرنا بھی ہر کسی کے بس کا روگ نہیں طلال۔" یہ بھی بڑے دل والے ہی کر سکتے ہیں۔

ہر لڑکی پر عاشق ہونے والے نہیں۔"

درید کو موضوع سنجیدہ کر گیا۔

"کیا ملا آپ کو محبت کر کے نہیں کرنی مجھے ایسی محبت جس کی وجہ سے میں باقی ساری محبتیں فراموش کر دوں۔"

"اب تم پرسنل ہو رہے ہو۔" درید نے ٹوکا۔

"غلط تو نہیں ہوں ناں۔"

"اوکم آن یار۔ اسٹاپ اٹ۔"

اسفند نے دونوں کو روکا تھا مگر درید سخت موڈ آف کیے اٹھ گیا۔

☆......☆......☆

جانے لوگ کیسے کہہ دیتے ہیں محبت سوچ سمجھ کر اور پرکھ کے بعد میں کرنی چاہیے۔ اس کے نزدیک یہ محبت نہیں پلاننگ ہوتی ہے۔"

محبت تو وہ اثر ہے جو اچانک دل پر ہو اور دھڑکنیں منتشر کر دے۔

روح کو سرشار کرنے والا وہ جذبہ جو کسی بھی لمحے دل میں اتر جائے اس کی تیاری نہیں کی جاتی۔ پہلے سے ارادہ نہیں باندھا جاتا۔"

اور اگر یہ جرم ہے تو وہ پورے دل سے اقرار کرتا ہے کہ اس نے یہ جرم کیا ہے۔" اس نے پہلی نظر کی محبت کی ہے۔"

وہ سردیوں کی نرم گرم سی دوپہر تھی دو ہفتوں کی سخت سردی اور دھند کے بعد آج سورج سویرے ہی مہربان ہوا تھا۔ اور تمام لوگ دھوپ کی اس نعمت (سردیوں میں دھوپ نعمت لگتی ہے) سے بھرپور فیض اٹھا رہے تھے وہ بھی فارغ تھا سو آج دھوپ انجوائے کرنے کا نیا طریقہ اپنایا تھا کرسی اور ایک اسٹول اٹھا کر گھر کے باہر آبیٹھا کرسی پر بیٹھ کر ٹانگیں اسٹول پر پھیلا ئیں اس سے دو سال بڑا بھائی یاسر عباس بھی کینو لے کر وہیں آ گیا۔

"کینو صرف آج مزے دار لگے ہیں۔"

وہ دونوں بھائی ہلکی پھلکی شوخیوں کے ساتھ کینو کھا رہے تھے دو سال بڑا ہونے کے باوجود یاسر سے اس کا مذاق چلتا تھا۔

"آپس کی بات ہے یہاں بیٹھ کر دھوپ اور آنکھیں دونوں سینک رہے ہو تم۔"

اس نے پل بھر کی چوری بھی پکڑ لی تھی یاسر کی۔

مجھ جیسے شریف آدمی پر اتنا بڑا الزام۔"

الزام نہیں میری دو گناہ گار آنکھیں گواہ ہیں۔

ابھی جو ریڈ اور بلیو ڈریس میں براؤن بالوں والی

لڑکی گئی ہے آپ نے اسے پٹانے کی کوشش کی آپ کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا اس کے یاقوتی لبوں پر پنک لپ اسٹک تھی۔''

''اچھا۔'' یاسر نے دو جھانپڑ لگائے تھے اس کے۔''

''میں نے سرسری نظر ڈالی مجھے بدنام کرتے ہو خود پورا پوسٹ مارٹم کر کے بیٹھ گئے۔''

''ارے میں نے ایسا کچھ نہیں کیا وہ تو اس کی نیلی کانچ سی آنکھیں پل بھر مجھ پر رکیں تو میں نے بھی دیکھ لیا۔''

اس نے ڈھٹائی سے بتیسی نکالی یاسر دو چار ہاتھ مزید اس کے جڑ تا اٹھ گیا اور پھر سے پھیل کر بیٹھ گیا۔

وہ آج شرط لگا کے بیٹھا تھا کہ سورج جائے گا تو وہ اندر جائے گا امی نے دوبارہ کھانے پر بلایا تو وہ نہیں گیا۔''

''اندر آؤ گے تو کھانا ملے گا فقیروں کی طرح دروازے پر نہیں دوں گی۔''

وہ جی اچھا کہہ کر آنکھیں موند کر دھوپ کے مزے لینے لگا۔

قریباً ڈھائی بجے کا ٹائم تھا جب نیند کا غلبہ زور سے آیا اور وہ کرسی سے نیچے گرتے گرتے بچا اس نے آنکھیں کھول دیں...... جسم پر ستی سی چھا گئی تھی۔ مگر اچانک نیند کے جھٹکے سے اس نے آنکھیں جو کھولیں تو اسے لگا بالکل رائٹ ٹائم پر اس نے دیدے وا کیے تھے۔

وائٹ کالج کے یونی فارم میں جو دوشیزہ اسے سامنے سے آتی دکھائی دی تھی وہ اس کی نظریں ساکت کر گئی تھی حالانکہ اس کا چہرہ بالکل سادہ تھا۔ وائٹ دوپٹے کے ہالے میں سنہری رنگت چہرے میں جو کشش تھی وہ آج سے پہلے ہزاروں چاند چہرے دیکھ کر بھی اسے محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کی کٹورہ سی بڑی بڑی آنکھوں میں ناگواری تھی اس کے لیے جو ہونقوں کی طرح اسے گھور رہا تھا اور جب تک وہ ان کے گیٹ سے اگلے گیٹ کو کراس کر کے اندر نہیں گئی دریدعباس کی نگاہیں اس پر ہی جمی رہیں۔''

کتنی حیرت انگیز بات تھی اس کے پڑوس میں دنیا کی سب سے پیاری لڑکی رہتی تھی اور وہ بے خبر تھا۔ اب اسے دھوپ میں بھی کشش محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ تب ہی وہ کرسی اور اسٹول اٹھا کر اندر آ گیا اور امی کے پاس صحن میں ہی چارپائی پر پھیل گیا۔ مگر اس کے ذہن سے لمحہ بھر کو بھی وہ چہرہ محو نہیں ہوا تھا بڑی عجیب سی بات تھی کہ ایک سادہ سا چہرہ اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا حالانکہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت وہ ریڈ ڈریس والی لڑکی تھی جس کے حوالے سے وہ یاسر کو چھیڑ رہا تھا۔ پھر بھی وہ محض چند منٹ بعد ہی ذہن سے نکل گئی تھی۔ یہ تو ذہن سے چپک کر ہی رہ گئی تھی۔

''ہمارے محلے میں نئے لوگ آئے ہیں امی۔''

رات کے کھانے پر وہ امی سے پوچھ رہا تھا امی کے ساتھ ساتھ یاسر اور ابو نے بھی بہت حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''بچے جو تمہارے حالات ہیں کچھ دنوں میں تمہیں اپنے گھر میں رہنے والے لوگ بھی نئے لگیں گے۔''

امی ہمیشہ ہی اس کی عادت سے نالاں رہتی تھیں کہ وہ صرف اپنی ذات میں مگن ہو کر جیتا تھا گھر میں پڑوس میں محلے میں کیا ہو رہا ہے اسے کچھ خبر نہ تھی۔

''ہمارے محلے میں تو دو سال سے نئے لوگ

نہیں آئے تم پڑوس کی بات کر رہے ہو۔''

''یہ جو ہمارے ساتھ والا گھر ہے براؤن گیٹ والا......''

'اعجاز بھائی کا ہے۔ چھ سال ہوگئے ہیں انہیں یہاں آئے۔ایڈووکیٹ ہیں بہت اچھی فیملی ہے۔''

''مجھے نہیں پتا تھا۔''

''اپنی ذات سے نکلو گے تو پتا چلے گا نا،عمر بھر یہ تعلقات یہ رشتہ داریاں ہم نے ہی نہیں نبھانی۔آج ہیں،کل کا کیا پتا۔آنکھیں بند کر کے جس طرح تم زندگی گزار رہے ہو یہ غلط ہے۔ دو بھائی ہو تم جو ہماری کل کائنات ہو۔یاسر سے ہمیں کوئی گلا نہیں ہے مگر تم نے کبھی گھر کو وقت دیا۔''

''تمہیں تو یہ تک علم نہیں ہوتا کہ تمہاری امی کی طبیعت کس قدر خراب رہی ہے۔''

امی کے ساتھ ساتھ ابو نے بھی آج اس کی خبر لی تھی۔

''مجھ سے سارا وقت گھر میں ٹک کر نہیں بیٹھا جاتا یہ میرے مزاج کا حصہ نہیں ہے۔''

''سچ کہا،آج قسمت سے گھر میں تھے تو گلی میں ڈیرے ڈالے بیٹھے رہے ہو، میں کہتی ہوں کب جائے گی تمہاری لاپرواہی۔شادی کی عمر ہو چکی ہے تمہاری......اور اگر یہ ہی حالات رہے تو میں ہرگز کسی معصوم لڑکی کو لا کر عمر بھر بد دعائیں نہیں سمیٹ سکتی۔'' ''تم نے تو اس کی خبر نہیں لینی۔''

چار دن ہوئے ہیں میری نوکری کو آپ کو شادی کی پڑ گئی ہے یہ جو دو سال سے جاب کر رہا ہے اس کی کردیں۔''

وہ چڑ گیا چھوٹا تھا اس لیے کچھ لاڈلا تھا اور بقول یاسر کے بدتمیز بھی۔

''ہاں تو کر رہی ہوں ناں، تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ تمہارے بھائی کی بات طے ہو گئی ہے۔''

''اس گھنے نے مجھے بتایا کب ہے۔''اس نے کھسیا کر کہا۔

''شاباش،تم گھر میں رہتے ہو اور یہ تمہیں بتائے گا۔''

ابو نے اسے شرمندہ کیا......اسے قدرے افسوس بھی ہوا کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہی لاپرواہ ہے مگر وہ کیا کرتا،اس کی نیچر ہی ایسی تھی۔خیر یاسر کی منگنی طے ہوگئی تھی اور دن اسے یاد تھا۔

اس منگنی سے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی میرب اعجاز سے جان پہچان ہوگئی۔ بے تکلفی تو خیر نہیں، مگر بات چیت ضرور ہوئی تھی۔وہ فورتھ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔پُرخلوص ملنسار اور سادہ مزاج درید عباس تو اس کے سادہ مگر پُرکشش چہرے کا ہی دیوانہ ہو چکا تھا اس کے لیے یہ ہی بہت اچھا تھا کہ میرب اعجاز ایڈووکیٹ اعجاز عارف کی بیٹی تھی ان کے پڑوس میں رہتی تھی اور بس۔اس سے زیادہ جاننے کی اس نے سعی کی نہ اسے ضرورت تھی۔

''آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا۔''

پہلی بار جب اس نے یاسر سے اس کا فون نمبر لے کر فون کیا تھا وہ حیران رہ گئی۔

''یاسر سے،کیا تمہیں برا لگا۔''

''نہیں تو بس......!!''

یہ اس کی پہلی کال تھی پھر وہ اکثر آفس سے آ کر شام میں اسے کال کر لیتا تھا۔بات ہمیشہ وہ مختصری کرتی تھی۔کال صرف وہ کرتا تھا میرب

نے کبھی اسے کال نہیں کی تھی مگر اتنا جانتا تھا کہ ان میں اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔
وہ نہیں جانتا تھا کہ میرب کے لیے وہ کیا ہے مگر وہ میرب اعجاز کو دل کی تمام شدتوں سے چاہنے لگا تھا۔
اس کی سحر کا آغاز اور دن کا اختتام میرب اعجاز سے ہونے لگا تھا۔
''آج کالج نہیں گئیں۔''
''اوں ہوں۔''
اس کی آواز میں تازگی نہیں تھی۔
''تم ٹھیک ہو میرب۔''
''ہاں میں بزی تھی گھر میں کچھ گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔''
اس نے ٹالا! حالانکہ درید اندازہ لگا گیا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی تھی۔
''تم ٹینس ہو۔''
''کچھ پرسنل پرابلم ہیں بس۔''
اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتیں کہ اپنے پرابلمز شیئر کر سکو۔'' اس نے افسوس سے شکوہ کیا۔
شاید ابھی آپ سے شیئر نہ کرنا میری مجبوری ہو۔
اس کے لہجے میں مان تھا۔
''اوکے ایز یو وش۔''
اس نے بنا خفا ہوئے سہولت سے فون بند کر دیا تھا۔
دو تین دن وہ بھی مصروف رہا جو اس نے میرب کو کونٹیکٹ نہیں کیا۔
مگر اس دن دوپہر میں وہ جلدی گھر آ گیا تب ہی راستے میں میرب بھی کالج سے آتے ہوئے اسے ملی تھی۔

درید نے قطعاً راستے میں اسے مخاطب نہیں کیا مگر گھر آ کے پہلا کام اسے کال کی تھی۔
''میں نے ابھی ابھی تمہیں دیکھا ہے تم بہت ڈسٹرب لگی ہو۔''
''ہاں۔'' اس نے اعتراف کیا تھا۔
''کیا وجہ ہے......؟''
اس نے پوچھا اور وہ بتاتی بھی مگر تب ہی اسے میرب کے پیچھے بہت تیز آوازیں سنائی دیں تھیں۔
''درید میں خود آپ کو کال کرتی ہوں ابھی پلیز بچھ۔''
''نیور مائنڈ۔'' اسے خود تشویش ہوئی تھی کہ پرابلم کیا ہے۔
''خفا تو نہیں ہوئے۔''
''کم آن میرب جنہیں چاہا جاتا ہے ان کے دکھوں اور پریشانیوں کو سمجھنا بھی انسان پر فرض ہے۔''
''تھینکس......''
میرب نے فون بند کر دیا مگر وہ الجھ گیا اس کے پیچھے جو چیخنے کی آوازیں تھیں اور اس الجھن کو امی سلجھا سکتی تھیں۔
''امی اعجاز انکل کے گھر میں کوئی ٹینشن ہے۔''
بات تو بے ہوش ہونے والی تھی ان کا بیٹا اپنی ذات سے نکل رہا تھا۔ ماں خوش تھی۔
''ہاں بس، لڑکیوں کے ماں باپ بھی عمر بھر فکر مند رہتے ہیں۔ اللہ پاک تمام بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔''
امی تو اسے مزید الجھن میں ڈال گئیں۔
''کیا ہوا مسئلہ حل نہیں ہوا، اعجاز بھائی کا۔'' ابو بھی شریک گفتگو ہو گئے۔

''آئے ہوئے ہیں بچی کے سسرال والے۔عمران بھی آیا ہے اللہ پاک لڑکے کو ہدایت دے۔''

امی اس کی ساری حسیں بیدار کر گئیں تھیں بچی کے سسرال والے کہہ کے۔

''پھول سی بچی مرجھا کے رہ گئی۔'' امی تاسف سے سر ہلانے لگیں۔

''آپ بھی خبر لے لیا کریں اعجاز بھائی پوچھ رہے تھے آپ کا۔''

امی ابو سے مخاطب ہو گئیں اور درید عباس پر سانسیں بھاری ہونے لگیں اسے جانے کیوں انہونی کا وہم ستانے لگا۔ وہ امی سے تو کچھ نہ پوچھ سکا۔ ہاں رات میں یاسر سے ایویں سرسری سا ذکر چھیڑا تو اس پر تمام راز کھل گیا۔

''اعجاز انکل کی بیٹی نے لو میرج کی تھی اپنے کزن سے..... مگر چھ ماہ بعد ہی گھر میں جھگڑے شروع ہو گئے اور تقریباً سال بھر سے وہ یہیں ہے۔ اب سنا ہے کہ اس کا شوہر اور سسرال والے آئے ہیں اسے لینے۔''

''وہ تو پڑھ رہی تھیں ناں۔'' درید نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''اس کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی، پھر اس نے وقت بھی تو گزارنا تھا بہت پریشان رہی ہے وہ۔''

مزید کچھ پوچھنا بے کار تھا اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگیں۔

''او کے یار میں تو سونے جا رہا ہوں، نیند آ رہی ہے۔''

وہ یاسر کو ٹال کر کمرے میں آ گیا۔

''میں انجان تھا کم از کم میرب مجھے بتا کر میرے بڑھتے قدم روک دیتی۔ عورت کتنی ہی سادہ مزاج ہو، خود پر اٹھنے والی نگاہ کا مفہوم جان لیتی ہے۔ میرب میرے احساسات سے انجان نہیں تھی۔

غلطی میری ہے میں نے کبھی میرب کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی اس سے کبھی اس کے ذات کے حوالے سے اس کی فیملی کے حوالے سے کچھ نہیں پوچھا۔

''شاید میں نے اپنی ہی غلطی سے یہ ٹھیس کھائی ہے۔''

بس محبت کا یہ روگ ایسا لگا کہ اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا وہ تو بھرے گھر میں رہ کر ہمیشہ صرف اپنی ذات میں مگن رہا مگر اب تو جانے اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔''

اس نے حقیقت جاننے کے بعد دوبارہ میرب سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ البتہ پہلی بار میرب نے اسے خود کال کی تھی جو اس نے بنا اٹینڈ کیے کاٹ دی تھی۔

ایک محبت ان تمام محبتوں پر ایسی حاوی ہوئی کہ اس نے اپنا گھر ماں باپ، بھائی شہر تک چھوڑ دیا اور پچھلے دو سال سے وہ یہاں تھا۔

فون پر رابطہ بھی گھر والے خود کرتے تھے اور جس دن بات ہوتی تھی ان سے درید عباس کے من میں پہلی نظر کی محبت پھر بین کرنے لگتی۔ اس کے دل میں میرب اعجاز آج بھی اسے مقام و مرتبے پر تھی نہ محبت کم ہوئی تھی نہ عزت بس ایک پہیلی تھی جو وہ سلجھا نہ سکا ایک بات تھی جو دو سال سے اسے الجھا رہی تھی۔ کہ جب میرب نے لو میرج کی وہ اپنے گھر واپس چلی بھی گئی تو وہ کیوں اسے کال کرتی تھی۔ میرب نے ان دو سالوں میں کئی بار اسے کال کی تھی۔ جو اس نے اٹینڈ نہیں کی اور اس کا ایس ایم ایس تو آج بھی اس کے ان باکس میں Saved تھا۔

وہ کیوں اس سے بات کرنا چاہتی تھی وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔"
مگر سونے سے پہلے وہ ایک بار اس کا میسج ضرور ریڈ کرتا تھا۔
"Where Are You?"۔ "آپ کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے پلیز کال می۔"
اس کے الفاظ درید عباس کی سب سے بڑی الجھن ہے۔"

☆......☆......☆

وقت نے دھیرے دھیرے انہیں قریب کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کے دکھ سے واقف تھے، سمجھتے تھے بلکہ اسفند ضیاء کو تو لگتا تھا کہ وہ چاروں ہی اس کے لیے اہم بنتے جا رہے ہیں۔
"یک نہ شد دو شد بگ بی آپ بھی نہال کو فیور کرتے ہیں۔ مجھ سے بھی پیار کر کے دیکھیں میں بھی برا نہیں۔"
"تجھے پیار کرنے والیاں بہت ہیں ہمارے پیار کی تجھے ضرورت نہیں۔" درید نے فوراً کہا تھا۔
"کل کس کو لیے بائیک پر گھوم رہا تھا۔"
"اتنا بڑا الزام میری شرافت پر۔" احتجاج کروں گا دھرنا دوں گا۔" طلال نے چلا کر کہا۔
"چھتر بھی کھائے گا۔" بلال نے لتاڑا۔
"اویں ہمارے ہاں دھرنے کا رواج عام ہے۔ ہمیشہ دھرنے دینے والوں کی مانی جاتی ہے۔"
"تجربہ کر کے دیکھ لے پھر۔" درید نے اکسایا۔
"نہ بابا...... اکثریت میری مخالف ہے اقلیت کو ہمیشہ مار پڑتی ہے۔" وہ ڈر گیا۔

"کا کا سمجھدار ہو گیا۔"
"اس ملک کا بچہ بچہ سیاست میں ہی سمجھدار ہے کیونکہ اسے ایک ہی سبق پڑھنے کو ملتا ہے سیاست، سیاست، سیاست۔"
"اس ملک کے بچے ہی تو ناسمجھ ہیں، انقلاب ہمیشہ نوجوانوں نے برپا کیا ہے مگر آج کا نوجوان کیا سوچتا ہے؟"
"یہ ہی کہ اس کی گرل فرینڈز کی تعداد اس کے دوست سے کم کیوں ہے۔" اس نے کونٹیکٹ میں لڑکیوں نے نمبر کی گنتی کم ہے۔" ہمارے ملک میں ہر چیز کا استعمال غلط ہوتا ہے چاہے وہ موبائلز ہوں یا انٹرنیٹ۔"
"مجھ پر ڈائریکٹ اٹیک نہ کریں، یہ سارے معاشرے کا المیہ ہے۔" طلال نے کہا۔
"ہم سارے معاشرے کی ہی بات کر رہے ہیں۔"
"معاشرہ سدھارنا حکمرانوں کا کام ہے ہمارا نہیں۔"
"یہ ہی خامی ہے ہمارے اندر، طلال تبدیلی اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے۔"
اسفند نے رسان سے سمجھایا۔
"لگتا ہے آپ کو اس ملک میں تبدیلی آسکتی ہے جس ملک میں ساٹھ سال سے چہرے تبدیل نہیں ہوئے جہاں حکومت وراثت سمجھ کر کی جاتی ہے۔ جہاں تعلیم و شعور کا فقدان ہے۔
"اور یہ شعور کون آ کر بیدار کرے گا ہم میں۔ اب اقبال نہیں آئے گا جوانوں کو جگانے، یہ شعور ہمیں خود بیدار کرنا ہوگا اپنے اندر تبدیلی ہمیشہ اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے۔
"اوگاڈ! کس بحث میں پڑ گئے یار، چینج دی ٹاپک۔" طلال نے کہا تھا۔

''کب سدھرے گا طلال تو......'' اسفند نے اسے گھورا۔

''خدا کی قسم اگر آپ ساتھ رہے تو وہ دن ضرور آئے گا۔''

طلال واقعی اسے آئیڈلائز کرتا تھا اس کی مقناطیسی شخصیت سے بہت انسپائر تھا وہ۔

''کوئی مرد اتنا وجیہ ہو کے لڑکیاں اس پر مرتی ہوں اور اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کا راستہ بہت اچھا ہے۔ اللہ مجھے بھی ہدایت دے۔''

''چنگا مکھن لا دیا۔''

نہال کی زبان پر کھجلی ہوئی اسفند مسکرا دیا اور طلال چڑ کے نہال کو مارنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اتنا گہرا ملال وریدعباس کے چہرے پر پہلی مرتبہ ملا تھا۔ اسے وقتی دورہ تو پڑتا رہتا تھا مگر دو دن گزرنے کے بعد بھی اس کے چہرے پر وہی کیفیت تھی۔

''سیریس میٹر ہے کوئی، تو کبھی اتنا اداس نہیں ہوتا۔''

''اسفند......ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔''

''واٹ؟ اور تو اب تک یہیں بیٹھا ہے۔''

اسفند نے تاسف سے اسے دیکھا جس کے چہرے پر کرب جھلک رہا تھا۔

''وہاں جانے کا حوصلہ نہیں پڑتا یار۔''

''ایک لڑکی کی محبت اتنی حاوی ہے تم پر...... کہ تم نے جنم دینے والے ماں باپ اپنا گھر ہر رشتہ چھوڑ دیا۔ خوش نصیب ہو وریدعباس کہ یہ نعمت میسر ہے۔ سر پر دعائیں دینے والی ماں کا سایہ باپ کی پرشفقت نگاہیں اور تمہارے لیے تڑپنے والا بھائی ہے۔ شکر ادا کرو اس رب کا جس نے اتنا نوازا ہے تمہیں اور صبر کرو اس پر جو تمہارا نصیب نہیں تھی۔''

اسفند نے قدرے سختی سے اسے ڈانٹا تھا۔

''کیسی اولاد ہو تم تمہارے ابو تکلیف میں ہیں اور تم یہاں بیٹھے ہو۔''

''مجھے خبر ہے نا کیسے خود پر جبر کر کے بیٹھا ہوں۔''

''وائے کس نے کہا ہے...... جبر کرنے کو......اٹھو تیاری پکڑو۔''

اسفند نے اسے جیسے جھنجھوڑا تھا۔ وریدعباس اگلے لمحے بیگ تیار کر رہا تھا۔ اسفند اسے خود اسٹیشن چھوڑنے گیا تھا۔

''سفر میں زیادہ ٹینشن نہ لینا گھر پہنچ کر اپنی اور انکل کی خیریت ضرور بتانا مجھے۔''

''اپنا خیال رکھنا او کے۔''

''او کے مائی ہاف وائف۔''

''بڑا کمینہ ہے تو۔''

اسفند نے مسکرا کے اسے گلے لگایا تھا۔ جانے کیوں اسے وریدعباس میں سعد رسول نظر آتا تھا۔ تب ہی تو وہ اتنا قریب آ گیا تھا اس کے۔''

شام میں گھر سونا لگا تو اس نے لائبریری کا رُخ کر لیا۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ اس کی عادت بن گئی تھی۔ وہ اکثر ہی یہاں آ جاتا تھا۔

''آپ یہیں بیٹھ کر مطالعہ کریں ہم یہ کتاب آپ کو ایشو نہیں کر سکتے۔''

وہ پچھلے پانچ منٹ سے اس لڑکی کے ساتھ لائبریری انچارج کی بحث سن رہا تھا۔

''میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی پلیز۔''

''ایم سوری بی بی ہماری بھی مجبوری ہے۔''

اس نے صاف انکار کر دیا۔ لاچار وہ لڑکی خاموشی سے کتاب لیے وہیں بیٹھ گئی مگر اس کے

چہرے پر ملال سا تھا۔ اسفند نے کئی بار اس لڑکی کو لائبریری میں دیکھا تھا۔ وہ یہیں بیٹھ کر اپنے نوٹس بناتی تھی۔ آج اس کی کوئی مجبوری ہوگی جو وہ کتاب لے کر جانا چاہتی تھی۔ انسانی ہمدردی کے تحت اس لڑکی پر ترس سا آیا تھا اس کی نظر لحہ بھر کو اٹھی پھر وہ اپنی کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ایکسکیوزمی......''

ابھی چند منٹ گزرے تھے کہ وہ آواز پر چونکا وہ ہی لڑکی اس کے سامنے تھی۔

''ایم سوری ہے تو غیر اخلاقی حرکت مگر مجھے یہ کتاب چاہیے تھی مجھے اسائمنٹ مکمل کرنا ہے۔''

''شیور وائے ناٹ۔'' اسفند نے کتاب بند کر کے اسے تھما دی مگر اسے یہ پتا چل گیا وہ تاریخ اسلام پر اسائمنٹ بنا رہی ہے۔

تاریخ اسلام کی اسٹوڈنٹ ہیں آپ۔''

ایک عرصے بعد وہ کسی صنف نازک سے مخاطب تھا۔

''جی۔'' مختصر سا جواب دے کر وہ اس سے دو کرسیاں چھوڑ کر بیٹھ کر لکھنے لگی تھی۔

''میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں......؟''

''آپ......!!''

لڑکی نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔

''جی! کیونکہ مجھے اسلامک ہسٹری بہت پسند ہے۔''

''ریئلی۔'' ایک اشتیاق تھا جو اس کے معصوم چہرے پر اترا تھا۔

اس نے پیڈ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔''

''مجھے آج جلدی گھر جانا ہے میری مما کی طبیعت خراب ہے۔''

وہ خود ہی بتانے لگی۔''

''آپ کو ٹرسٹ ہو تو آپ چھوڑ جائیں میں مکمل کر دوں گا۔''

''تھینکس، میری مما اکیلی ہیں ہاسپٹل میں مجھے ان کے پاس جانا ہے۔''

''اللہ آپ کی مما کو صحت کاملہ عطا کرے، آپ فکر نہ کریں جائیں۔'' اس نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

دو سال کے بعد اپنے گھر میں قدم رکھا تھا مگر یہاں آ کر ایسا لگا کہ دو سال کہیں درمیان آئے ہی نہیں تھے۔ گلی سے لے کر گھر تک کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔'' آج بھی براؤن گیٹ کے باہر اعجاز عارف ایڈووکیٹ کے نام کی پلیٹ نمایاں تھی۔ وہ لب کچلتا اندر آ گیا صحن میں ہر چیز یوں ہی رکھی تھی جیسے وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ گملوں کی تعداد اور ترتیب تک نہ بدلی تھی۔

بوگن ویلیا کی بیل آج بھی ساری دیوار پر پھیلی ہوئی تھی۔ انار کے پیڑ کے پتے اب بھی سبز تھے......

چارپائیاں وہی تھیں برآمدے تک آیا تو وہاں بھی ہر چیز ویسی تھی حتیٰ کہ ای نے اس کی مخصوص چیئر جس پر بیٹھ کر وہ پڑھتا تھا ہلائی تک نہ تھی۔

''درید......''

یاسر کی پہلی نظر پڑی تھی اس پر۔

''ای، ابو درید آ گیا......''

وہ زور سے چیختا اس کے گلے لگ گیا تھا ای بھی باہر آ گئیں ان کی آنکھیں نم تھیں درید نے انہیں بانہوں میں سمیٹ لیا۔

جیتے جی ہی مار بیٹھا ہے ہمیں پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔''

ان کی بات پر وہ شرمندہ تھا ای بہت کمزور ہو گئی تھیں۔''

''ایم سوری......اچھا ابو کہاں ہیں......؟''

''اپنے کمرے میں ہیں۔''
یاسر کے بتانے پر وہ خاموشی سے ان کے کمرے میں آیا تھا۔ ابو سو رہے تھے یا شاید دواؤں کے زیر اثر تھے۔ وہ ہولے سے چلتا ان کے پاس آ بیٹھا تھا۔ کتنے ویک ہوگئے تھے۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ اسے شدت سے افسوس ہونے لگا کہ وہ کیوں دور رہا اتنے عرصے...... اپنے گھر اپنے ہر رشتے سے شاید اس کے وجود کا احساس تھا کہ ابو نے آنکھیں کھولیں تھیں۔
''درید......'' ان کے لب ہولے سے ہلے تھے۔ درید نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔
''تو آ گیا......''
''جی کیسے ہیں آپ......!''
''تجھے دیکھ لیا ناں اب ٹھیک ہوں۔''
نقاہت بھری آواز اسے شرمندگی کی اتھا گہرائیوں میں ڈبو گئی۔ وہ چھوٹا تھا اسی لیے ابو کا لاڈلا تھا اپنی تمام تر لاپرواہی کے ساتھ بھی انہیں عزیز تھا۔
''ابو آپ آرام کریں۔''
اس نے ابو کا ہاتھ لبوں سے لگایا۔ وہ ان کے پاس بیٹھا رہا جب تک ابو سوئے نہیں پھر باہر آ گیا۔
''حد ہوگئی دو سال ہو گئے منگنی کو آپ نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ شادی کر دیں اس کی ریٹائرمنٹ لے لیں گھر کے کاموں سے۔''
امی کو کام میں مصروف دیکھ کر وہ بولا تھا۔
''تو آ گیا ہے ناں اب دونوں کی ساتھ کروں گی۔''
''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''
''کتنی دیر لگتی ہے ارادہ بنتے۔ یوں بھی تو مشرقی لڑکا ہے ارادہ تو امی نے بنا لیا ہے تو نے صرف سہرا باندھ کے جانا ہے۔'' یاسر نے چھیڑا۔
''ہاں کاٹھ کا الو ہوں نا میں۔''
اس نے گردن جھٹکی ہمیشہ ہی صرف اپنی مانتا تھا وہ۔
''یہ لاپرواہی چھوڑ دے درید چھبیس سال کا ہو چکا ہے میچور ہے سمجھدار ہے اور پھر شادی کی ایک عمر ہوتی ہے۔''
''وہ لڑکیوں کی ہوتی ہے۔'' فوراً جواب دیا۔
''خدا کے لیے بدل لو خود کو، ابو کی طرف دیکھو بے موسم کے پھل اچھے لگتے ہیں نا پھول خوشبو دیتے ہیں امی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔
شادی کی بھی تو عمر ہوتی ہے۔''
''ہاں تو، تو کر لے دو سال بڑا ہے مجھ سے۔''
وہ کب ہاتھ آنے والا تھا۔
''امی سے کام نہیں ہوتا ساری زندگی ملازم رکھنے کے خلاف رہیں اور اب دیکھو یہ گھر ملازموں کے سپرد ہے صرف کچن کا کام امی کرتی ہیں۔ یاسر نے بتایا۔
''شرم کر یہ نہیں ہوا کہ بیوی لا کر ماں باپ کی خدمت کرواتے۔'' وہ درید عباس تھا مجال ہے کہ ذرا بھی اثر لے۔
''اچھا چل اندر چلتے ہیں۔''
''نہیں یہاں مزہ آ رہا ہے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔''
وہ چارپائی پر پھیل کر لیٹ گیا۔
دروازہ کھول کر وہ آئی تھی جو پہلی بار کی طرح آج بھی اس کی ساری توجہ کھینچ گئی اور وہ ان کے پاس سے گزر کے یاسر سے ہیلو ہائے کرتی اندر چلی گئی۔'' درید کی نظروں نے کچن تک اس کا پیچھا کیا تھا۔
''ہوش میں آ جاؤ میاں۔''
''یہ کون ہے یاسر۔''
اس نے یہ جان بوجھ کر انجان بننے کی

ایکٹنگ کی حالانکہ دل کی ہر دھڑکن اس کا نام پکار رہی تھی۔ میں نے دنیا تیاگ دی وہ مجھے یوں بھول گیا۔

''کوئی فائدہ نہیں وہ میرڈ ہے۔''

یاسر نے چھیڑا اس نے گھورا۔

''ہے کون......؟''

''اعجاز انکل کی بیٹی ریحاب۔

یاسر نے بتایا تو وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا! کیا نام بتایا تو نے۔''

''ریحاب، یہ رہنے آئی ہوئی ہے امی کی طبیعت کی وجہ سے اکثر ان کی ہیلپ کرنے آ جاتی ہے۔''

اعجاز انکل کی بیٹی کا نام تو میرب نہیں تھا۔

''ہاں وہ مگر دوسری ہے یہ دونوں ٹوئنز ہیں ناں...... ریحاب کی شادی جلدی ہو گئی تھی۔ میرب ماسٹرز کر رہی ہے۔''

''واٹ......!!''

اس کے پیروں تلے گویا زمین کھینچ لی تھی کسی نے۔''

''ان کی دو بیٹیاں ہیں۔''

''ہاں تجھے نہیں پتا......؟''

یاسر نے اچھنبے سے دیکھا اور وہ کہہ تک نہ سکا کہ اگر پتہ ہوتا تو دو سال وہ یہاں سے دور جا کر کیوں گزارتا۔

زندگی میں پہلی بار درید عباس کو اپنی نیچر کی لاپرواہی بہت بری لگی تھی۔ دو سال گنوا دیے...... دو پل بیٹھ کر یہی بات پہلے امی یا یاسر سے پوچھ پوچھ لیتا تو آج یوں نہ بیٹھا ہوتا۔

''تیرے چہرے پہ یہ ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔''

یاسر نے اب اس کے چہرے پر غور کیا تھا۔

''بس یار افسوس ہو رہا ہے کہ میں دو سال اپنے گھر سے دور رہا، کاش میں خود کو بدل لیتا تو یہ لمحے نہ گنواتا۔''

''دیر آید درست آید......''

یاسر نے مسکرا کے کہا پھر سنجیدہ ہوا۔

''ایک بات اور پوچھوں۔''

''ہاں۔ میرب کی کال کیوں اٹینڈ نہیں کی تو نے۔''

''تجھے پتا ہے کہ اس نے مجھے کال کی تھی۔''

''ہاں تو نے نمبر بدل لیا تو اس نے مجھ سے تیرا نیا نمبر لیا تھا۔''

یاسر نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''تیرے اور میرب کے بیچ کچھ ہے درید......''

اگر کچھ تھا بھی تو میری اپنی غلطی کی وجہ سے ختم ہو گیا۔'' وہ گہری سانس لیتا اٹھ گیا۔

☆......☆......☆

Where are you Asfand zia ''

Plese call me back۔'' وہ عشاء پڑھ کر گھر آیا تو اس نے سیل چیک کیا۔'' چھ مسز کالز اور تین Sms درید عباس کے آئے ہوئے تھے اس نے فوراً ہی کال کی تھی۔

''کہاں مر گیا تھا...... کال کر کر جان آدھی رہ گئی میری۔'' بنا سلام دعا کیے اسٹارٹ ہوا تھا وہ۔''

''ایم سوری یار موبائل Silent Mode پر تھا مجھے پتا نہ چلا۔''

''تجھے پتہ نہیں چلے گا کسی دن میں بھی silent Mode پر چلا جاؤں گا۔''

''اچھا بک نہیں، یہ بتا انکل ٹھیک ہیں۔''

''ہوں ہی از فائن ناؤ۔''

''تھینکس گاڈ...... پھر کب آ رہا ہے۔''

''ایک دو دن میں......'' آ جا یار میرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے ان کے واویلے سن کر...... یونو طلال صرف تیری زبان سمجھتا ہے۔''

''سچ اسفند دال میں ضرور کالا ہے پہلے بلال مہینوں گاؤں نہیں جاتا تھا اور اب ہفتے کے پانچ دن بعد بھاگ جاتا ہے۔ کوئی چکر تو ضرور ہے۔''

''جو بھی چکر ہے آ کے دریافت کر لینا اس وقت صرف اپنی اور میری بات کر۔''

''کیا بتاؤں یار مجھ سے بڑا بھی کوئی گھامڑ نہیں ہے۔''

''کیوں کیا ہوا......؟''

''آ کے بتاؤں گا......''

''ابھی بتا دے یار رات بھر نیند نہیں آئے گی ورنہ......''

مجھے الزام نہ دے تجھے پہلے کون سا نیند آتی ہے۔''

''جس دن سے تو گیا ہے بالکل بھی نہیں اتی۔''

''ہائے میں مرجاواں خیر ہے جان من۔''

''تیرے خراٹوں کی ایسی عادت پڑی کہ اب سناٹے سے خوف آتا ہے۔''

ورید عباس کو اس سے ایسے جواب کی امید نہیں تھی تب ہی گلا پھاڑ کے ہنسا تھا۔

''پہلے بتاتا میں بلال کو کہہ دیتا تیرے پاس سو جاتا صرف خراٹے ہی نہیں پیار کی سرگوشیاں بھی سننے کو ملتیں۔''

(بلال کو نیند میں بولنے کی عادت تھی)

''یا پھر طلال کو سلا دیتا...... ایسے لپٹ کر سوتا کہ......!!''

''او کے اسٹاپ اٹ پلیز۔''

''بھول گیا کہ ورید عباس سے بات کر رہا ہے۔''

''چل سو جا اچھا...... پھر رات بھر مجھے کوسے گا حالانکہ رات بھر تو نے مچھروں سے ہی مذاکرات کرنے ہیں۔''

''ملتان میں مچھر نہیں ہوتے۔''

''بس میرے باپ اللہ حافظ۔''

''ورید زور سے ہنسا تھا اس کی بے بسی پر۔''

''کاش ورید عباس تو میرے پاس ہوتا۔''

''کیوں میری جدائی میں کچھ کچھ ہو رہا ہے۔''

''گڈ نائٹ۔''

اسفند کی برداشت ختم ہو گئی تو اس نے کال کاٹ دی یہ اور بات ہے کہ فون بند کر کے وہ خود بھی ہنس پڑا۔''

☆......☆......☆

اگلے دن عصر کے بعد وہ پھر امی کے پاس بیٹھی تھی۔ ورید کو ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس میں اور میرب میں تمام وہ ہی نقش تھے۔

''امی چائے پینی ہے۔''

حالانکہ دو سال سے یہ سارے کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتا تھا مگر ماں سے لاڈ اٹھوانے کا مزہ ہی اور تھا۔ ریحاب نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''بیٹھیں آنٹی میں چائے بنا لاتی ہوں۔''

وہ سبزی بناتی اٹھ کر چلی گئی۔ امی بھی سبزی اٹھا کر اس کے پیچھے چلی آئیں۔''

ریحاب نے چائے بنا کر لا کے اس کے سامنے رکھ دی۔

''میرب کیسی ہے......؟''

غیر متوقع سوال پر ریحاب چونکی تھی۔

''بڑی جلدی خیال آ گیا ہے تمہیں اس کا۔''

دو سال تک خبر بھی نہ لی کہ زندہ ہے بھی یا مر گئی۔ تمہاری بے رُخی سہہ کر۔''
''اس تمام غلط فہمی کی وجہ تم ہو۔''
اس نے صاف گوئی سے سارا الزام اس پر ڈالا تھا ریحاب نے اسے دیکھا۔
''مجھے نہیں پتا تھا کہ تم دو بہنیں ہو۔ مجھے لگا کہ میرب کی شادی ہو چکی ہے۔ سو میں یہاں سے چلا گیا۔''
''کتنی بار اس نے تمہاری یہ غلط فہمی دور کرنے کے لیے کال کرنے کی کوشش کی مگر تم نے کال نہیں سنی۔'' امی کی ڈیتھ کے بعد وہ بالکل تنہا پڑ گئی۔ اس وقت میں اسے تمہاری کمی شدت سے محسوس ہوئی...... مگر تم تو ایسے گئے کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔''
''آنٹی کی ڈیتھ...... کب ہوئی......؟''
''ڈیڑھ سال ہو گیا ہے۔''
یعنی ان کے جانے کے چھ ماہ بعد ہی وہ۔''
''ایم سوری ریحاب...... بخدا میں ہر چیز سے لاعلم ہوں۔ میں تم سے بھی معافی مانگتا ہوں اس سے بھی شرمندہ ہوں۔''
''مانا کہ غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں مگر درید تمہیں ایک بار اپنے اس شک کو یقین میں بدلنے کے لیے سہی میرب سے پوچھنا چاہیے تھا۔''
''ضرور پوچھنا چاہیے تھا۔'' مگر مجھے لگا کہ پہلے ہی اس کی میرڈ لائف ڈسٹرب ہے کہیں میرا فون مزید مشکلات پیدا نہ کر دے۔''
''میرڈ لائف۔'' ریحاب بڑبڑائی۔
''اب قصور تو سارا تمہارا ہے ناں۔ تم میرے اور میرب کے بیچ فاصلے کی وجہ بنی ہو۔''
''صحیح، کمزوریاں اپنی الزام میرے سر۔'' تمہاری عادت کا علم ہے مجھے انکل آنٹی کتنے نالاں ہیں تمہاری عادتوں سے۔''
محبت کرتے تھے مگر کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ میرب اعجاز کون ہے ان کی فیملی کیسی ہے۔''
''میں نے سوچا تھا عمر پڑی ہے جان لوں گا۔'' اس نے خجل ہو کر سر کھجایا۔''
''اچھا پھر عمر پڑی ہے مناتے رہنا میرب اعجاز کو۔ جو اب تمہاری شکل دیکھنے کو بھی تیار نہیں ہے۔''
''یوں تو مت کہو کوئی تو ہیلپ کر دو میری۔'' دو سال پہلے ہی اپنے ہاتھوں سے گنوا چکا ہوں۔''
اس نے معصوم بننے کی ایکٹنگ کی۔''
''میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ میرے میاں مجھے لینے آ گئے ہیں میں سویرے ملتان جا رہی ہوں۔''
''رئیلی تم ملتان میں رہتی ہو۔''
''ہاں میرا سسرال ہے وہاں۔''
''بس پھر میں تمہارے گھر کے سامنے دھرنا دوں گا کہ اس لڑکی کی وجہ سے میری زندگی برباد ہو گئی میری محبت مجھ سے روٹھ گئی۔''
''جوتے بھی کھاؤ گے، تمہیں شاید علم نہیں کہ میرے میاں ایس پی ہیں۔''
اس کے بتانے پر وہ منہ بنانے لگا۔''
''اس کا سیل نمبر دے دو خود منا لوں گا۔''
''خود ہی لے لینا۔'' وہ اسے چڑاتی وہاں سے ہٹ گئی۔

☆......☆......☆

''تھینک یو۔''
وہ توجہ سے اسٹڈی کر رہا تھا جب شناسا سی آواز پر چونکا نگاہیں اٹھائیں تو سیاہ اسکارف کے ہالے میں وہ ہی چہرہ پر وقار مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

''اس دن آپ میری ہیلپ نہ کرتے تو میرا اسائمنٹ مکمل نہ ہوتا۔''
اٹس مائی پلیژر۔'' وہ مسکرا کر بولا۔
''آپ کی مما کیسی ہیں......؟''
''بہتر ہیں مگر ابھی چھٹی نہیں ملی۔
''تو آپ کے فادر۔''
'' میرے پاپا کی ڈیتھ ہو گی ہے میں اور مما اکیلے ہیں اس دنیا میں۔ وہ یکدم سنجیدہ ہوگئی۔''
''اوایم سوری۔'' آپ کی مما کو کیا ہوا ہے۔''
''ہارٹ پیشنٹ ہیں اکثر ہی بیمار رہتی ہیں جب سے پاپا گئے ہیں۔اس نے کہا۔''
''ویری سیڈ۔'' اس نے دکھ بھرے انداز میں کہا تھا۔ ان دونوں کا ایک شوق تھا مطالعہ اور پھر وہ تو ماسٹرز کر رہی تھی اسلامک ہسٹری میں۔''
اب روز ہی تقریباً ان کی ملاقات ہوتی تھی۔ مگر دونوں بہت محتاط اور اخلاق کے دائرے میں ضرورت کی بات کرتے تھے۔ اسفند اس کی مما کی صحت کے متعلق ضرور پوچھ لیتا تھا۔ اور اسے اپنے ٹاپک کے لیے اگر اس کی ہیلپ درکار ہوتی تو وہ لازماً پوچھتی تھی۔ وہ احتراماً اسے سر کہتی تھی۔ اس نے اپنا نام حریم فاطمہ بتایا تھا۔
وہ آج بھی کافی دیر تک اس کے ساتھ نوٹس بنواتا رہا اور جب گھر پہنچا تو سب کی مشکوک نظریں خود پر پائیں۔
حالانکہ عام دنوں کی نسبت لاؤنج کا ماحول کافی پرسکون تھا نہال اور طلال بھی اچھے موڈ میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔''
چونکہ گرمیاں عروج پر تھیں اس لیے بلال نے سب کے لیے چائے کے بجائے مینگو شیک بنا رکھا تھا۔
''بگ بی! بڑی مشکوک ٹائمنگ ہے آج کل آپ کی۔''
طلال نے اسے صوفے پر لیٹا دیکھ کر بولا تھا۔
''کیوں......؟''
شام میں کہاں ہوتے ہیں روز۔ بدنام مجھے کیا ہوا ہے اللہ گواہ ہے کہ میں شام گھر پر گزارتا ہوں۔''
''اس نے ایکٹنگ کی تو وہ ہنس دیا۔''
''سچ بتا تیری نئی ہیئر کٹنگ کے بعد کوئی لفٹ شفٹ۔''
نہال ہاتھ آیا موقع کیسے جانے دیتا۔ طلال کے دل پر چھریاں چل گئیں۔''
سب بلال بھائی کی وجہ سے ہوا ہے ہر ہفتے گاؤں جاؤ۔''
''گاؤں جانے سے بال کٹوانے کا کیا تعلق۔'' اسفند اس کا واویلا انجوائے کر رہا تھا۔
''ابا جی نے ڈانٹ ڈانٹ کٹوا دیے۔''
''مجھے تو تم اچھے لگ رہے ہو اس نئے لُک میں۔''
''ہاں اپ کو تو اچھا لگوں گا میرے خوبصورت بالوں سے تو آپ کی ویلیو کم ہونے لگتی ہے۔'' اسفند ہنس دیا۔
''درید نہیں آیا......دل نہیں لگ رہا اس کے بنا۔''
''بڑی عجیب لو اسٹوری ہے درید بھیا کی بھی۔''
''ہوں......'' ٹاپک پیار محبت کا ہو وہ جانے کیوں کتراتا تھا اب کے بھی یہ ہوا مگر اس بار طلال نے اسے پکڑ لیا۔
''وائے بگ بی ذکر محبت کا ہو آپ نگاہ کیوں چرا لیتے ہیں۔''
وہ سمجھا تھا اس کی خاموشی موضوع بدل دے گی بٹ آج تو طلال نے حد کر دی ڈائریکٹ پوچھ ڈالا۔
''اس لیے کہ میرے نزدیک یہ وقت کا زیاں ہے۔''

☆☆......☆☆

خوبصورت جذبوں کی عکاسی کرتی

بے مثال تحریر جو اپنے پڑھنے والوں پر سحر طاری کر دے

ارے دفع ہو جا منحوس۔ اپنی شکل گم کر میرے سامنے سے کیا کر رہی ہے یہاں پر کھڑی ہو کر؟

وہ مامی ...... میں نے تو کیا تھا آپ کا کمرہ ٹھیک......وہ منمنائی۔

ارے کیا تھا تو کیا جن ہیں یہاں جو دوبارہ خراب کر گئے۔ ایک منحوس تو اوپر سے تمہارے جھوٹ وہ بری طرح گرجی۔

چل دفع ہو جا ورنہ نہ جانے کیا کر دوں۔ وہ اسے دھکا کر اٹھیں۔

جبکہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جانتی تھی کہ کس نے کیا ہوگا۔

پلٹی تو وہ سامنے ہی کھڑا ہنس رہا تھا۔ وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی جبکہ آنسو خود بخود دردئی جیسے گالوں پر بہہ نکلے۔

رقیہ بیگم جب کمرے میں آئیں تو عجیب حالت ہو رہی تھی ایسا لگتا تھا کہ کوئی کشتی کر کے نکلا ہے یہاں سے ہر چیز الٹ پلٹ تھی بستر کی چادر زمین پر پڑی تھی ڈریسنگ ٹیبل کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں اخبار زمین پر تھے انہوں نے ماتھا پیٹ لیا۔

”میں نے کم بخت کو کمرا ٹھیک کرنے کو کہا تھا منحوس نے اور ہی بگاڑ دیا پتہ نہیں مسئلہ کیا ہے اس کو۔ جو کام کہو الٹا ہی کرتی ہے اوپر سے جھوٹ اُف توبہ توبہ۔“ وہ سامان سمیٹ رہیں تھیں اور ساتھ ہی ودعیہ کو کوس رہی تھیں۔

وہ چپ چاپ باہر گیراج میں آ گئی اور سیڑھیوں پر بیٹھ کر رونے لگی۔

مزا آیا مس ودعیہ!“ پیچھے سے وہ آ کر بولا۔

مگر اس نے منہ نہیں اٹھایا اور وہ نکلتا چلا گیا۔

ارے یہاں کیوں بیٹھی ہو تم ودعیہ؟ دلی نے آ کر پوچھا۔

وہ خاموش رہی تو وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کیا ہوا ہے تمہیں......؟ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ تو اس نے سر اٹھایا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سمجھ گیا کہ پھر مما نے کچھ کہا ہے اسے۔

چلو اٹھو آؤ اندر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے

گیا۔

☆......☆......☆

آج وہ کسی بھی قسم کی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے ہر کام کچھ زیادہ دھیان سے کر رہی تھی۔ پہلے اس نے ڈسٹنگ کی تھی۔ اب کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ سب رات کا کھانا کھا کر فارغ ہو گئے تھے ودعیہ اس نے ولی کے کمرے میں دودھ کا گلاس دینا تھا اور باقی سب کو چائے۔ اس نے چائے کا پانی رکھا اور دودھ اوون میں گرم کرنے کے لیے رکھ دیا اس کا ذرا دل نہیں کر رہا تھا کہ وہ عالی کا سامنا کرے کیونکہ آج ایک دفعہ پھر اس کی وجہ سے مامی سے ڈانٹ پڑی تھی مگر یہ اس کی مجبوری تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

سب کو چائے دینے کے بعد اس نے گھڑی پر نظر ڈالی تو 10:30 بج رہے تھے۔

''آج پھر اتنی دیر ہو گئی اور ابھی میں نے ہوم ورک بھی کرنا ہے۔'' وہ اپنے ہاتھ فراک سے صاف کر کے بولی۔

اپنے کمرے میں آ کر (کمرا کہنا غلط ہوگا وہ اسٹور تھا اس میں ہی اس کا گدا بچھا ہوا تھا) وہ بستر پر ڈھے گئی۔ تھکن سے برا حال تھا۔ بڑی مشکلوں سے اٹھی اور کتابیں کھول کر بیٹھ گئی اسے ہوم ورک کرنا تھا اور نہ کرنے کی صورت میں وہ میڈم سے مار ہرگز نہیں کھانا چاہتی تھی سو کتابیں کھول کر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

ابھی اس نے آ کر بیگ رکھا تھا کہ مامی کی آواز آ گئی۔

جی مامی آپ نے بلایا ہے وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گئی۔

ہاں میں نے سالن بنا دیا ہے تم ذرا سلاد بنا دو اور ولی، عالی کو کھانا دو بعد میں مجھے کچن صاف ملنا چاہیے۔ یہ کہہ کر نکل گئیں یہ جانے بغیر کہ وہ بھی تو دونوں کے ساتھ واپس آئی ہے اور اسے بھی بھوک لگی ہوگی۔ اس نے حکم کی تکمیل کی اور کھانا ٹیبل پر لگا دیا سیڑھیوں کے پاس آ کر اس نے دونوں کو آواز دی۔

ولی بھائی عالی بھائی آ جائیں کھانا کھا لیں۔''

اور خود کچن میں چلی گئی پہلے کاؤنٹر صاف کیا اور پھر گندے برتن سنک میں رکھنے لگی۔

ودعیہ پانی لا دو۔ عالی نے پکارا۔

جی بھائی یہ کہہ کر فریج سے ٹھنڈی بوتل نکالنے لگی۔

یہ لیں! ٹیبل پر بوتل رکھتے رکھی تو ولی بول پڑا۔

تم نے ابھی تک کپڑے نہیں بدلے اور کام کرنے لگ گئیں اس نے خود پر نگاہ دوڑائی تو خود کو اسکول کے کپڑوں میں دیکھا۔

بھائی ابھی بدل لیتی ہوں پہلے کچن صاف کر لوں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

جبکہ عالی یکسر بے نیاز کھانے میں مصروف تھا۔

کچن میں کام کرتے اس کے کپڑوں پر سالن کے داغ لگ گئے۔

''چلو یہ نئی مصیبت ہے اب یہ بھی خود ہی دھونا پڑے گا۔'' وہ چڑ کر بولی اور کمرے میں آ گئی۔

☆......☆......☆

بھاپ اڑاتے چائے کے کپ لے کر وہ لاؤنج میں آئی۔

''السلام وعلیکم ماموں۔'' وہ چائے دیتے ہوئے بولی۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو بیٹا۔'' انہوں نے پیار دیا۔

بھائی چائے وہ عالی کو کپ دے کر بولی۔

''ہوں رکھ دو۔ وہ ٹی وی میں کھویا ہوا تھا۔

''مامی آپ کی چائے۔ وہ انہیں کپ تھما کر بولی۔
اور ولی کا کپ لے کر اس کے کمرے میں چلی گئی۔
''رقیہ بیگم تم اس بچی سے اتنا زیادہ کام کیوں کرواتی ہو۔ حالانکہ میں نے ملازمہ رکھنے کو کہا ہے۔'' وقار صاحب ان کی طرف مڑ کر بولے۔
''ارے کہاں کرواتی ہوں اس سے کام؟'' وہ حیران ہو کر بولیں۔
اچھا تو تم کام نہیں کرواتی بچی جو سارا دن گھن چکر بنی رہتی ہے۔
''رہنے دیں آپ تو بس سارا دن میری کرتوتی ہے سارے گھر کا کام کرتی ہوں ملازمہ تو صبح آتی ہے جھاڑو مارا اور پھر بعد میں سارا کام میں ہی کرتی ہوں اور اگر وہ شام کی چائے بنا دیتی ہے تو کون سی بڑی بات ہے ارے یہاں رہتی ہے۔ مفت میں سب مل رہا ہے ذرا ہاتھ ہلا دے گی تو قیامت نہیں آجائے گی۔
''بیگم خدا سے ڈرو، تم اس 10 سالہ بچی سے کتنے کام کرواتی ہو۔ میں نے تمہیں کبھی کام کرتے نہیں دیکھا بس جب گھر آتا ہوں تو صرف بچی ہی کبھی ادھر تو کبھی ادھر دکھائی دیتی ہے تم یا تو T.V دیکھتی پائی جاتی ہو یا فون پر بات کرتی ہو۔ وہ افسوس سے بولے۔
''آپ تو بس نظر ہی رکھیے گا وہ کہہ کر اٹھ کر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

دعیہ پانچ سال کی تھی جب اس کے والدین کی

وفات ایک حادثے میں ہوئی تب وقار صاحب اسے گھر لے آئے حالانکہ اس کے ددھیال والے بھی تھے مگر انہوں نے بہن کی محبت میں آ کر اسے سینے سے لگا لیا تھا اور رقیہ بیگم کی گود میں اسے دے دیا تھا اور کہا تھا شاید اللہ نے ہمیں بیٹی اسی لیے نہیں دی تھی کیونکہ ودعیہ نے آنا تھا۔

اس ٹائم تو وہ خاموش رہیں تھیں مگر آہستہ آہستہ ان کے دل میں ودعیہ کے لیے گنجائش ختم ہو گئی تھی اور اس نے ایک ہاتھ ان کی بہن کا بھی تھا جو گاہے بگاہے ان کے کان بھرتیں رہتی تھیں۔

جب ودعیہ گھر آئی اس کے مہینے بعد ہی وقار صاحب کی والدہ بیٹی کا غم برداشت نہ کر پائیں اور خود بھی خالق حقیقی سے جا ملیں۔

تو اس کا سہرا بھی ودعیہ کے سر تھوپ دیا گیا کہ لڑکی منحوس ہے پہلے اپنے ماں باپ کو کھا گئی اور اب اس گھر میں سبز قدم رکھتے تو نانی کو نگل گئی۔ تب سے اب تک مامی کا رویہ اس کے ساتھ سخت سے سخت ہوتا جا رہا تھا کیونکہ رقیہ بیگم کانوں کی کچی تھیں لہذا لوگوں کی باتوں میں بہت جلد آ جاتیں وقار صاحب نے کافی بار سمجھانے کی کوشش کی مگر ہر بار غصے میں آ کر واک آؤٹ کر جاتیں اور وہ صرف افسوس کرتے رہ جاتے۔

ودعیہ لوگوں کے رویوں سے بہت حساس ہو گئی تھی وہ بہت خاموش رہتی تھی وقار صاحب نے اس کا دل بہلانے کے لیے اس کو عالی کے کھلونے دیے۔ ولی کو بھی سمجھایا کہ اس کا خیال رکھا کرے مگر شاید وقار صاحب کی کوششیں کم پڑ رہی تھیں۔

اس عمر کے زیادہ تر بچے اپنا زیادہ وقت کھیل کود میں گزارتے جبکہ وہ گھر کے کام کرتی تھی۔ کبھی برتن دھوتی، تو کبھی کپڑے سکھا رہی ہوتی کبھی چیزیں ٹھیک کر رہی ہوتی تو کبھی ڈسٹنگ کر رہی ہوتی غرض وہ مصروف ہی ملتی۔

ولی چونکہ اس سے پانچ سال بڑا تھا جبکہ عالی اس سے دو سال بڑا تھا ولی چونکہ سمجھدار تھا، لہذا وہ کوشش کرتا کہ وہ خوش رہے۔

ودعیہ کے آنے کے بعد وقار صاحب نے اس پر توجہ دی جبکہ عالی کو اگنور کرنا شروع کر دیا۔ اس کی دادی کی وفات کے کچھ عرصے بعد عالی کا کتا جو اس نے بہت شوق سے پالا تھا کچھ غلط کھانے کی وجہ سے مر گیا تو اسے پکا یقین ہو گیا کہ یہ لڑکی منحوس ہے وقار صاحب کی عدم توجہ کی وجہ سے وہ خود بخود رقیہ بیگم کے قریب ہو گیا۔

جب بھی وقار صاحب عالی کے کھلونے ودعیہ کو دیتے تو اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی مگر باپ کے سامنے بولنے کی ہمت بھی اس میں نہیں تھی لہذا چپ رہتا البتہ اس کا بدلہ وہ ودعیہ کا کوئی کام بگاڑ کر اسے رقیہ بیگم سے ڈانٹ تو کبھی مار پڑوا کر لے لیتا تھا۔ اسے اس لڑکی کو تنگ کر کے عجیب سی خوشی ملتی تھی۔

☆......☆......☆

آج چھٹی ہوتے وقت وہ گیٹ سے نکلی تو پتا نہیں کون سا جلوس نکلا ہوا تھا وہ وہیں کھڑی ہو گئی۔

کچھ دیر بعد عالی بھی آ گیا سڑک کے دوسری طرف ان کی وین تھی ان گاڑیوں کا تانا بنا ہوا تھا بہت بھیڑ بھی اور گاڑیاں تیز رفتار بھی تھیں عالی اسے وہاں اکیلا چھوڑ کر وین کی طرف بڑھ گیا۔

''ارے عالی یار ودعیہ کہاں ہے ابھی تک نہیں آئی۔'' ولی نے فکرمندی سے پوچھا۔

''سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہے۔'' وہ بولا

اور تو اسے اکیلا چھوڑ آیا حد ہے یار تیری بھی۔'' ولی نے غصے سے بولا اور ودعیہ کو لینے چلا گیا۔

''ودعیہ چلو آؤ'' ولی نے ہاتھ پکڑ کر اسے

سڑک پار کرائی اور وین میں بٹھا دیا۔
اس نے خشمگین نظروں سے عالی کو گھورا۔ وہ باہر گاڑیوں کو تک رہا تھا۔ ودعیہ نے اپنا سر جھکا دیا۔

☆......☆......☆

''امی بھئی آپ اس سے روٹیاں نہ بنوایا کریں دیکھیں نجانے کون کون سے ملکوں کے نقشے بنا دیتی ہے۔'' عالی نے روٹی کو اٹھا کر ہوا میں لہرایا۔ جبکہ وہ کچن میں کھڑی ہو کر سن رہی تھی۔ ارے بیٹا تو ناراض نہ ہو میں تیرے لیے خود بنا دیا کروں گی وہ اسے چمکارتے ہوئے بولیں۔

''بے چاری بنا تو دیتی ہے ناں۔'' ولی نے ودعیہ کی طرف داری کی۔

''بھئی میرے گلے سے تو نہیں گزرتی یہ روٹی آپ کو کھانی ہے تو آپ کھائیں۔'' وہ کہہ کر روٹی پھینک کر چلا گیا۔

''امی آپ اسے سمجھائیں یہ دن بدن بدتمیز ہوتا جا رہا ہے۔'' ولی نے رقیہ بیگم کو ناراضگی سے کہا۔

''ارے بھئی ابھی بچہ ہے ناں اسی لیے ایسا کرتا ہے۔'' وہ ٹال گئیں۔

ودعیہ کی آنکھیں بھر آئیں کتنی مشکلوں سے اس ننھی سی جان نے روٹیاں پکائی تھیں دو جگہ سے اس کا بازو بھی جل چکا تھا اور عالی کو قدر ہی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

آج وقار صاحب کو پروموشن ملا تھا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اعلان کر دیا کہ سرکاری گھر چھوڑ کر اپنے نئے گھر جو انہوں نے بڑی محنت سے بنایا تھا اس میں شفٹ ہو رہے ہیں۔

سب ہی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جہاں خوشی تھی وہاں دکھ کا ہلکا سا سایہ بھی تھا آخر کو وہ تقریباً 15 سالوں سے اس جگہ رہ رہے تھے۔

ملازمت کے ساتھ انہیں گھر بھی مل گیا تھا اسی وجہ سے انہوں نے اپنا آبائی گھر بیچ کر سرکاری گھر میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا تھا انہوں نے اپنے آبائی گھر سے ملنے والی رقم اور کچھ سیونگ کر کے نیا گھر بنایا تھا۔

اور آج یہ نوید سننے کو ملی تھی کہ وہ اپنے ذاتی مکان میں شفٹ ہو رہے ہیں رقیہ بیگم کی خوشی تو دیدنی تھی جبکہ تینوں بچے الگ خوش تھے اور ناچ گا رہے تھے۔

آج انہیں اپنے گھر میں شفٹ ہوئے تیسرا دن تھا ان دنوں میں ان کا برا حشر ہو گیا تھا شفٹنگ میں سارا سامان منتقل کرا کے انہیں دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔

بہت محنت اور لگن سے رقیہ بیگم نے اپنے گھر کو سیٹ کیا تھا۔ پچھلے گھر میں یہ ہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ یہ گھر اپنا نہیں ہے اسی لیے انہوں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی مگر نئے گھر میں انہوں نے اپنے سارے شوق پورے کیے تھے پورے گھر کو بہت ذوق سے سجایا تھا چونکہ ودعیہ بے مڈل کے پیپرز سے فارغ ہوئی تھی اسی لیے اس نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔

رقیہ بیگم کا ذوق اعلیٰ درجے کا تھا۔ کلرز کی سلیکشن سے لے کر ڈیکوریشن پیس تک اس چیز کی ترجمانی کر رہے تھے۔

گھر بہت بڑا نہیں تھا مگر پہلے گھر کی نسبت کشادہ تھا اور نسبتاً بڑا تھا۔

یہ تھری بیڈ رومز کا گھر تھا اس کے علاوہ پیچھے چھوٹا سا صحن تھا۔ اور اسٹور روم تھا جبکہ آگے کی طرف چھوٹا سا پورچ اور چھوٹا سا گارڈن موجود تھا یہ گھر ایک نئی کالونی میں بنا تھا لہٰذا زیادہ آبادی نہ تھی ودعیہ کی قسمت میں پھر سے اسٹور روم آیا تھا جبکہ ایک کمرہ وقار صاحب اور ان کی بیگم کا تھا اور باقی دو ولی اور عالی نے قبضہ کر لیا تھا۔

وقار صاحب نے آ کر ودعیہ سے چائے کی فرمائش کی اور گارڈن میں آ کر کانٹ چھانٹ کے ساتھ نئے پودے لگانے لگے انہیں باغبانی کا شوق تھا لہذا چھوٹے موٹے کام خود ہی کر لیتے تھے آفس سے چونکہ کچھ چھٹیاں لی ہوئی تھیں اسی لیے دن رات اسی میں مصروف تھے۔

''ارے میاں آپ یہاں ہیں میں کب سے ڈھونڈ رہی تھی؟'' رقیہ بیگم ہانپتی ہوئی باہر آئیں۔

''ہاں بیگم ہم نے کہاں جانا ہے یہیں ہیں۔'' وہ قینچی سے خشک ٹہنیوں کو کاٹتے ہوئے بولے۔

''ماموں چائے!'' ودعیہ چائے لے آئی۔

''اے ودعیہ اندر سے کرسی اور چائے مجھے بھی لا کر دے۔'' رقیہ بیگم نے حکم صادر کیا۔

جی مامی! وہ کہہ کر اندر چل پڑی۔

وہ کرسی اٹھا کر لا رہی تھی کہ عالی آ گیا۔'' کہاں لے جا رہی ہو یہ کرسی۔'' کڑے تیوروں کے ساتھ پوچھا۔

باہر مامی کو دینے۔'' ودعیہ نے نظریں جھکا کر کہا۔ نہ جانے کس ڈر سے وہ اس سے نظر ملا کر بات نہیں کرتی تھی۔ صرف اتنا جواب دیا۔

وہ بڑھنے لگا تو وہ بول پڑی۔'' اگر باہر جا رہے ہیں تو یہ کرسی لے جائیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

اس نے مڑ کر ودعیہ کو دیکھا جو کرسی پکڑے کھڑی تھی۔ وہ طنزاً ہنسا اور باہر نکل گیا۔

وہ سر جھٹک کر کرسی لے کر باہر گئی۔ نہ جانے کس احمق نے کہا تھا کہ عالی صاحب سے کوئی کام کہو وہ خود کو کوس رہی تھی۔

''میاں صاحب میں سوچ رہی ہوں کہ نئے گھر میں آ گئے ہیں اور اللہ کا کرم ہے سیٹ بھی ہو گیا ہے تو کیوں نا قرآن خوانی کرواؤں۔ رقیہ بیگم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بولیں۔

ہوں ٹھیک ہے کرا لو۔'' وقار صاحب مصروف انداز میں گویا ہوئے۔

''کب کرواؤں؟'' وہ اب بھی متوجہ تھیں۔

بھئی جب آپ کا دل چاہیے۔ وہ ہاتھ سے پودے کے پتے جانچ رہے تھے۔

کل جمعہ ہے مبارک دن ہے کل ٹھیک رہے گا؟ ہے ناں۔'' وہ پر جوش ہوئیں۔

''ہوں۔ جواب مختصر تھا۔''

ودعیہ میں رات کے برتن دھو کر خشک کر رہی تھی جب رقیہ بیگم وارد ہوئیں۔

''اے لڑکی۔''

وہ ڈر گئی آواز پر۔ ج...... جی مامی وہ بمشکل بول پائی۔

کل قرآن خوانی ہے تیاری رکھنا۔ برتن اور چادریں نکال کر صاف کر کے رکھ لینا۔

جی مامی وہ دوبارہ مصروف ہو گئی۔

☆......☆......☆

آج صبح سے وہ کاموں میں لگی ہوئی تھی۔ قرآن خوانی کا ٹائم ظہر کے بعد تھا اور زکیہ بیگم بمعہ بچوں کے ہمراہ 11 بجے پہنچ گئی تھیں۔

''ارے آپا مبارک ہو بڑی مبارک ہو نئے گھر کی۔ وہ گلے ملتے ہوئے بولیں۔

''خیر مبارک رقیہ بیگم نے بھی اپنی بہن سے مل کر خوش ہوئیں ان کے پاس ان کے میکے کے نام پر بہن کا ہی تو رشتہ تھا والدین کی وفات کے بعد ان کا بھائی اپنے بیوی بچوں سمیت کویت چلا گیا تھا اور کبھی پلٹ کر خبر نہیں لی کہ بہنیں ہیں کہ نہیں۔ بس دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کا میکہ آباد کر رکھا تھا۔

''مبارک ہو خالہ۔ شمائلہ بھی آگے بڑھی۔''

''اللہ جیتی رہے میری بچی!'' انہوں نے پیار

دیا۔
''ارے نائلہ اور رضوان کہاں ہیں؟'' رقیہ بیگم کو ان کے دو بچے نہیں دکھے تو پوچھنے لگیں۔
''ارے ساتھ ہی تو تھے نجانے کہاں دفعان ہوگئے۔'' ذکیہ بیگم اپنا برقع اتار کر بولیں۔
''لو نائلہ تو آگئی۔'' شمائلہ نے نائلہ کو دیکھ کر کہا۔
''سلام خالہ۔'' وہ پیار لینے کو بڑھی۔
''خوش رہے میری بچی۔'' انہوں نے پیار دیا۔
''رضوان کہاں ہے؟ نائلہ۔'' شہلا نے بھائی سے متعلق دریافت کیا۔
''ارے وہ رکشے والے سے جھگڑا کر رہا ہے اور کہاں جائے گا وہ۔'' نائلہ نے ایک جھٹکے سے اپنے بال کندھے سے پیچھے کیے۔
''ہائے مولا ایک تو یہ لڑکا بھی نا۔'' ذکیہ بیگم دوپٹے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے بولیں۔ ہائے آپا یہ گرمی تو جان نکال دے گی۔''
''نی شمائلہ پکھا تیز کر نی۔'' وہ شمائلہ کو بولی جو ہاتھوں سے ہوا لینے میں مصروف تھی۔
''اچھا کرتی ہوں۔'' وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی۔
اے ودعیہ کدھر ہے تو؟ ذکیہ اور بچوں کے لیے کچھ ٹھنڈا پانی لاؤ۔
اس کی آواز نہ پاکر انہوں نے دوبارہ پکارا مگر جواب ندارد تھا۔
وہ پورچ کو دھو رہی تھی جب رضوان اندر داخل ہوا۔ رضوان دلی سے سال بڑا تھا اور شکل ہی سے آوارہ لگتا تھا منہ میں پان دبائے شرٹ کے اوپر کے بٹن کھولے عجیب غنڈوں والا حلیہ ہوتا تھا اس کا۔
''کیا کر رہی ہو سونی۔'' وہ اس کے سر پہ پہنچ کر بولا۔
تو وہ ایک دم گیلے فرش پر پھسلی اور دھڑام سے گری۔
جبکہ مقابل دانت نکال رہا تھا۔ گرنے کی وجہ سے ان کا دوپٹہ بھی آدھا فرش پر گرا اور گیلا ہوگیا جبکہ کپڑے بھی گیلے ہوگئے تھے۔
''بڑی سوہنی لگ رہی ہے تو۔'' وہ خباثت سے بولا تو اس کی آنکھوں سے ٹپکتی ہوس کو دیکھ کر وہ ایک دم گھبرا گئی۔
اے کون یہاں ہے۔ نائلہ دروازے پر کھڑی ہوکر بولی۔ ''اندر آ اور شربت بنا پتا نہیں کہ مہمان آئے ہیں۔'' نائلہ اسے ڈانٹ کر اندر چلی گئی جبکہ اس نے بھی اندر جانے میں عافیت ہی سمجھی۔
فارغ ہوکر ابھی وہ باہر نکل رہی تھی جب ذکیہ بیگم رقیہ سے کہہ رہی تھیں۔
''ہائے آپا دیکھ ذرا میرا تو سر درد ہو رہا ہے آج عینک گھر ہی بھول آئی اس کے بغیر ہی سارا پڑھا ہے نا ذرا چائے ہی پلوا دے۔'' وہ اپنے ہاتھ سے سر کو دباتے ہوئے بولیں۔
''ہاں خالہ میری بھی کمر میں درد ہے۔'' شمائلہ نے فٹ اپنا دکھڑا رو دیا۔
''بھئی چائے تو مجھے بھی چاہیے عالی کہاں پیچھے رہنے والا ہے۔
ودعیہ کا تھکن سے برا حال تھا مہمانوں کی خاطر تواضع کیے ابھی اسے آدھا گھنٹہ ہی گزرا ہوگا تب ہی تو خالہ نے چائے پی تھی اور اب دوبارہ۔
''اے لڑکی کھڑی کیا کر رہی ہے سنا ہے ناں کہ میری بہن کے سر میں درد ہے چل جا سب کے لیے چائے بنا۔'' وہ منہ لٹکا کر کچن کی جانب بڑھی۔
اور ہاں ذرا میٹھا کھلے دل سے ڈالیو کنجوسی نہ کرنا پہلے تو چائے میں بس چینی نام کو تھی۔ پیچھے سے ذکیہ بیگم کی آواز آئی۔

ودعیہ کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑا۔

"تمہارا ایڈمیشن ہوگیا عالی۔" شمائلہ والی کے ساتھ سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں ہوگیا۔" پچھلا اسکول تو بہت دور ہوگیا ہے اس لیے یہاں قریب ہی ایڈمیشن لے لیا۔

"اور ودعیہ کا نائلہ نے سوال کیا۔

"نہیں ابھی نہیں میرا اسکول صرف لڑکوں کا ہے وہ بے پروائی سے بولا۔

"اور ولی آپ کا کالج کیسا جا رہا ہے؟" شمائلہ چہرے پر جاندار مسکراہٹ سجا کر بولی۔

"اچھا چل رہا ہے۔ بائیک ہے تو سکون ہے ورنہ میرا کالج تو بہت ہی دور تھا بندہ روز کالج بدلنے سے رہا اس لیے ابو نے بائیک لے دی ہے۔"

"سچی وہ جو باہر بائیک کھڑی ہے وہ آپ کی ہے۔" شمائلہ نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر بولی۔

"تو اور کیا بھائی کی ہی تو ہے وہ بائیک۔" عالی متوجہ ہوا۔

"تو پھر بائیک کی خوشی میں کچھ کھلائیں ناں۔" وہ ضد کر کے بولی۔

"ہاں ضرور کھلاؤں گا پھر ابھی نہیں۔" ولی دامن بچا گیا۔

"کتنے کنجوس ہیں آپ۔" شمائلہ نے شکل بگاڑی۔

ودعیہ چائے لے کر آئی۔ خالہ چائے وہ ٹرے زکیہ کے سامنے کر کے بولی۔

"ہاں۔ انہوں نے چائے اٹھا کر ایک نظر اس کے خوبصورت چہرے پر ڈالی۔

ودعیہ لڑکپن سے آہستہ آہستہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی تھی۔

رنگ تو ویسے ہی صاف تھا اب نقوش بھی تیکھے ہو رہے تھے اور سونے پر سہاگہ کام کر کے جسم بھی متناسب تھا۔ اس کے مقابلے میں ان کی اپنی بیٹیوں خاص کر کے نائلہ کا رنگ ذرا دبتا تھا جبکہ شمائلہ کا پھر بھی صاف تھا۔ اور آرام طلبی سے دونوں کے جسم فربی مائل تھے۔

زکیہ بیگم کی خواہش تھی کہ ان کی دونوں بیٹیاں رقیہ کی بہو بن جاتیں مگر ودعیہ خطرے کی گھنٹی بن کر ہمیشہ ان کے کان میں بجتی رہتی۔

وہ ہر ممکن کوشش کرتی تھیں اسے دبانے کی بیٹیوں کے مقابلے میں، اور اس کے خلاف رقیہ بیگم کے کان بھرنا تو جیسے ان کا مشن تھا۔ عالی سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا وہ تو ویسے ہی اس سے خار کھاتا تھا مگر ولی کا جھکاؤ ودعیہ کی طرف انہیں کھولتا تھا۔

اس لیے انہوں نے شمائلہ کو سمجھا دیا تھا کہ کیا کرنا ہے۔

اور وہ بھی پوری دلجمی سے اپنے کام میں مصروف تھی۔

"اے ذکیہ کیا سوچ رہی ہو تم رقیہ بیگم نے ان کا کندھا ہلا کر کہا۔ اور چائے ٹھنڈی کر دی۔ لو بھلا۔"

ارے شمائلہ چائے گرم کر دے۔" ذکیہ بیگم نے چائے کا کپ تھما دیا جسے اس نے ناک چڑھا کر پکڑ لیا۔

جبکہ ودعیہ نجانے کب کی چلی گئی تھی۔

آپا آپ نے اس لڑکی کو اسکول میں داخل کرانا ہے۔"

"ہاں بھئی اس کے ماموں نے کہا ہے کم از کم B.A تو کرانا ہے اسے اگر آگے بھی پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

"ہائے ہائے اس بلا کو پڑھا کر کیا کرنا ہے۔ جتنی جلدی اس گھر سے نکال دو اتنا ہی اچھا ہے۔ بڑی منحوس ہے یہ پہلے ماں باپ کو نگل گئی پھر تمہاری

ساس کو بھی نگل گئی۔''
اللہ توبہ وہ دونوں ہاتھ کانوں کو لگا کر بولیں۔''
کہہ تو ٹھیک رہی ہو مگر اس کے ماموں۔''
''ہاں یہ تو ہے چلو بتاؤ کون سے اسکول میں کرا رہی ہو ایڈمیشن؟ کسی سستے سے اسکول میں کرانا۔''
عالی پوری توجہ سے گفتگو سن رہا تھا۔ جبکہ باقی T.V دیکھنے میں مصروف تھے۔
''یہاں سے کچھ دور ہی ایک بڑا پرائیویٹ اسکول ہے وقار اس کا ایڈمیشن وہیں کرا رہے ہیں بس انہیں اسے پڑھانے کا بڑا شوق چڑھا ہوا ہے ناں۔'' انہوں نے جیسے کوئی راز کی بات بتائی۔
''ہائے آپا اتنا دور اسکول پھر جوان لڑکی آئے جائے گی کیسے۔''
صبح یہ چھوڑ دیں گے اور واپسی پر ولی لے آئے گا۔
ٹن.....ٹن.....ٹن گھنٹیاں بجنے لگیں۔
''ارے آپا یہ منحوس لڑکی اگر ولی کے ساتھ آئے گی تو کہیں ولی کو کچھ.....'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
''ہائے ہائے اللہ نہ کرے میرے بیٹے کو کچھ ہو۔''
چلو کوئی وین وغیرہ لگوا دیں گے، انہوں نے ایک اور حل پیش کیا۔
''ہائے رے آپا وین کا خرچہ پتا ہے کیا ہے؟ میری شمائلہ نے لگوائی تھی ایک بار اللہ توبہ مہینے کا بجٹ ہی خراب ہو گیا تھا۔
پتا ہے نا کتنی مہنگائی ہوگئی ہے آج کل۔'' وہ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔ ہوں ٹھیک کہہ رہی ہو پھر بتاؤ کیا کروں؟'' وہ انہی سے مشورہ مانگنے لگیں۔
وہی تو میں کہتی ہوں ابھی میں نے تمہارے گھر سے کچھ فاصلے پر ہی ایک گورنمنٹ اسکول دیکھا ہے اسی میں داخل کروا دو اور کہہ دینا کہ پیدل آیا جایا کرو۔''
خرچا بھی بچ جائے گا اور بچہ بھی محنت سے بچ جائے گا اور وقار بھی کچھ کہہ نہیں پائیں گے۔ انہوں نے قصہ ہی ختم کر دیا۔
اور رقیہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔
جبکہ عالی کے چہرے پر ایک جاندار مسکراہٹ تھی اب مزا آئے گا جب گھوڑا اسکول میں پڑھے گی ہونہہ۔ وہ سر جھٹک کر T.V پر کوئی فلم دیکھنے لگا۔
☆......☆......☆
بڑی بحث کے بعد آخر وقار صاحب نے ہار مان لی اور ودعیہ کا ایڈمیشن گورنمنٹ اسکول میں کرا دیا۔
ودعیہ کا تو مہینے میں دماغ گھوم گیا۔ ایک تو وہاں پر ٹیچر زندارد اوپر سے کوئی ٹیوشن بھی نہیں۔
وہ لاؤنج میں کتابیں کھول کر بیٹھی تھی پاس ہی عالی بھی کام کر رہا تھا اور رقیہ بیگم بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔
''رقیہ بیگم چائے ہی پلا دیں۔'' وقار صاحب کمرے سے برآمد ہوئے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر بولے۔
انہوں نے اتنے پیار سے کہا کہ وہ خوشی خوشی اٹھ گئیں۔ ودعیہ کبھی ایک کتاب کھولتی کبھی دوسری کتاب کھولتی، اس نے سائنس لے رکھی تھی اب اُسے پڑھنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ ویسے تو وہ پڑھائی میں نارمل تھی مگر اب اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
وقار صاحب اس کے حرکات وسکنات کو بڑی غور سے دیکھ رہے تھے۔
''کیا بات ہے بیٹا کوئی پریشانی ہے؟'' انہوں نے ودعیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو نا چاہتے ہوئے بھی اسے رونا آ گیا۔
''ماموں مجھ سے پڑھا نہیں جا رہا۔''

کیوں بیٹا کیا ہوا؟

وہ ماموں ٹیچر تین دن سے نہیں آ رہی تھیں آج آئیں تو پورے چیپٹر کا کل ٹیسٹ کہہ دیا اوپر سے پڑھایا بھی نہیں ہے انہوں نے اب میں ٹیسٹ کیسے دوں گی؟''

''ہوں...... مسئلہ تو مشکل ہے مگر حل آسان ہے۔'' وہ اسے پچکارتے ہوئے بولے۔

عالی کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔

''بیٹا تم ولی اور عالی سے ہیلپ لے لو اور تھوڑا بہت تو میں بھی بتا دوں گا ٹھیک ہے۔''

مگر ماموں ولی بھائی کا تو اپنا بھی اتنا کام ہے۔'' وہ خطرے کے پیش نظر عالی کو نظر انداز کر گئی۔

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا تو عالی کے چہرے پر واضح ناگواری تھی۔

''تو بیٹا کیا ہوا عالی ہے نا اور ویسے بھی اس کے پیپرز ہونے والے ہیں اس کی دوہرائی ہو جائے گی''

مگر ماموں...... وہ بس اتنا ہی بول پائی۔

'چلو عالی اسے یہ چیپٹر سمجھاؤ۔ انہوں نے عالی کو کہا تو وہ ودعیہ کو گھورنے لگا جیسے کچا چبا جائے گا۔

جی پاپا! وہ دانت پیس کر بولا۔

جبکہ ودعیہ کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔

☆......☆......☆

اس کو اپنے پیچھے کسی کے ہونے کا احساس ہوا اسے لگا جیسے کوئی پیچھے آ رہا ہے اس نے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا اس نے اپنے قدم اور تیز کر دیے اور گھر پہنچ کر شکر ادا کیا۔ ابھی اندر ہی قدم رکھے تھے کہ رضوان سے ٹکراؤ ہو گیا۔

''کدھر سے آ رہی ہیں آپ جادوگر حسینہ۔''

وحشیانہ نظروں سے اس کا سر سے پاؤں تک کا جائزہ لیا۔

ایسے دیکھے جانے پر اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

وہ رضوان کو اگنور کر کے نکل رہی تھی کہ اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔

''بھئی کچھ وقت ہمیں بھی دے دو جان من۔''

وہ بے تکا ہنسا۔

''چھوڑو مجھے۔'' ودعیہ نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

'بھئی ہم تو نہیں چھوڑ رہے تم کو حسینہ ہمت ہے تو چھڑوا لو۔'' پان سے بھرا منہ اور اس سے نکلتی لالیاں وہ عجیب خبیث انسان لگ رہا تھا۔ چھوڑو اس نے چھڑوانے کی پوری کوشش کی مگر گرفت مضبوط تھی۔

''اے لڑکی کیا کر رہی ہے وہاں۔'' رقیہ بیگم نے ہال کے دروازے سے باہر نکل کر کہا۔

جبکہ پودے کی وجہ سے رضوان ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔

وہ مامی یہ...... رضوان اس نے گھبرا کر اتنا ہی کہا تھا کہ رضوان نے فوراً بازو چھوڑ دیا۔ دوپہر کی دھوپ میں وہ پسینے میں نہا گئی تھی۔

چل اندر آ...... رقیہ بیگم نے غصے سے کہا جبکہ رضوان میں گیٹ کراس کر گیا۔

کمرے میں پہنچ کر وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی اس نے نہ جانے کتنی مرتبہ اپنی کلائی دھو ڈالی مگر اسے عجیب بے چینی ہو رہی تھی۔

''کیا میں مامی کو بتا دوں؟'' اس نے دسویں دفعہ خود سے سوال کیا۔

''کیا فائدہ الٹا مجھے ہی ڈانٹ پڑے گی اور کوئی یقین بھی نہیں کرے گا۔''

اس نے خود سے سوال کر کے خود ہی جواب بھی دے دیا۔

''ودعیہ کدھر مر گئی ہے۔ روٹیاں پکا رہی ہے کہ پائے رکھ دیے ہیں عالی کو بھوک لگ رہی ہے جلدی کر۔ رقیہ بیگم نے اسے خیالوں سے نکالا۔

جی مائی بس لا رہی ہوں وہ جلدی جلدی توے سے روٹیاں اُتارنے لگی۔

ولی بھائی آپ مجھے تھوڑا سا سمجھا دیں گے مجھے فزکس کے نومیریکل کرنے ہیں۔'' وہ کھانا کھاتے ہوئے دلی سے بولی۔

Sorry ودعیہ میرے خود ا یگزامز چل رہے ہیں ورنہ ضرور سمجھا دیتا تم ایسا کرو کے عالی سے سمجھ لو۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بہانہ بنا دیتی مگر مجبوری تھی کل ٹیسٹ تھا اور وہ مس کلثوم کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ پہلے ہی اس کے ٹیسٹ زکیہ بیگم کے خاندان کے نام ہو چکے تھے اور یہ مس کی طرف سے وارننگ تھی کہ اگر یہ والا ٹیسٹ اچھا نہیں ہا، تو ودعیہ کے ساتھ اچھا نہیں ہوگا۔

سوناچار اس نے عالی سے پوچھا۔

آپ کرا دیں گے؟

عالی نے ایک نظر اس کے صبیح چہرے پر ڈالی اس پر التجا تھی وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکا۔

ابھی تین بجے ہیں ابھی میں کھانا کھا کر سوؤں گا تم ایسا کرنا 5 بجے آ کر مجھے اٹھا دینا اور چائے کا کپ لے کر آنا۔ وہ ٹیبل سے اٹھتے ہوئے بولا۔

جی! اس نے اتنا ہی کہا جبکہ دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

وہ گھڑی کی سوئی کی طرح ٹھیک پانچ بجے اس کے کمرے میں گئی۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی اسے وہی مخصوص سے بدبو آئی جو پہلے بھی ایک آدھ مرتبہ آئی تھی۔

اس نے عالی کو آواز دی۔ تیسری آواز پر وہ اٹھ گیا۔

بھائی چائے وہ چھوٹی میز پر چائے رکھ کر پردے ہٹانے لگی۔ کھڑکی کھولی تو کچھ دیر بعد: بدبو قدرے کم ہو گئی۔ عالی نے واقعی اسے بہت اچھے طریقے سے سمجھایا۔

بار بار اسے کوئی فون کر رہا تھا وہ کاٹ رہا تھا۔ آخر اس نے اٹھا لیا کیا بات ہے بھئی۔

''ہاں آ جاؤں گا۔''

بھئی کہہ دیا نا بس! اس نے چڑ کر فون بند کیا۔

تمہارا ہو گیا کیا؟ اس نے ودعیہ سے سوال کیا۔

جی! اس نے سر ہلایا۔

''تو جاؤ میرے سر پر کیوں سوار ہو۔'' وہ کہہ کر اٹھا اور واش روم میں گھس گیا جبکہ وہ چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

''پاپا مجھے جانا ہے۔'' عالی وقار صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر بولا۔

نہیں میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا۔''

''پر پاپا مسئلہ کیا ہے؟ میں آخر کیوں نہیں جا سکتا میرے سارے فرینڈ جا رہے ہیں۔'' وہ چڑ گیا۔

''تم اگر اسی شہر میں پکنک کا کوئی پروگرام بناتے تو ٹھیک تھا مگر شہر سے باہر وہ بھی ہفتے کے لیے ہرگز نہیں۔'' ان کا لہجہ اٹل تھا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ آپ خواہ مخواہ ہی مجھے جانے نہیں دے رہے میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں جو آپ کا ہاتھ پکڑ کے چلے میں اپنے فیصلے خود کر سکتا ہوں اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں جاؤں گا بس۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''جانے بھی دیں۔'' ماشاء اللہ بڑا ہو گیا ہے وہ اب۔'' رقیہ بیگم نے بھی لاڈلے بیٹے کی طرف داری کی۔

''میں نے کہہ دیا بس کوئی بحث نہیں کرے گا سمجھے سب۔'' وہ غصے میں کہہ کر نکل گئے۔

ہونہہ عالی کو ایک دم غصہ آ گیا اس نے زور سے

میز پر ہاتھ مار کر چیزیں گرا دیں اور دندناتا ہوا باہر چلا گیا۔

جبکہ ودعیہ دم سادھے اس کے غصے کو بس دیکھتی رہی جبکہ رقیہ بیگم کو ایک تو چیزوں کا دوسرا بیٹے کا افسوس تھا۔ کچھ دنوں سے عالی کی حرکات و سکنات مشکوک ہوتی جا رہی تھیں وہ گھر میں دیر سے آتا اور اب وہ پہلے کی طرح پڑھتا بھی نہیں تھا بس گھر آتا اور کمرے میں گھس جاتا۔

ودعیہ جب بھی کمرے میں جاتی وہی بدبو سے پورا کمرا بھرا ہوتا اور اب تو وہ بدبو اور بھی بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ نظر انداز کر جاتی۔

☆......☆......☆

اسے پھر لگا کہ کوئی ہے جو اس کے پیچھے ہے۔ سنسان گلی تھی اور اپریل کا مہینہ تھا وہ اپنا رول نمبر لینے اسکول گئی تھی اب واپسی پر حمیرہ بھی نہیں تھی۔ اس نے قدم تیز کر دیے مگر اچانک سے اس کے سامنے ایک لڑکا آ گیا اس نے جلدی سے اس کی طرف ایک خط بڑھایا اور مسکرا کر چلا گیا۔ جبکہ وہ حواس باختہ کھڑی تھی۔

عالی گلی کے کنارے کھڑے ہو کر یہ دیکھتا رہا اس کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ تھی وہ گھر کے اندر آئی وہ ابھی گیراج میں تھی کہ عالی نے اسے دبوچ لیا۔

کہاں سے آئی ہو۔ لہجہ تفتیش کرنے والا تھا۔

''و...... وہ میں اسکول گئی تھی رول نمبر سلپ لینے۔ اس نے تھوک نگلا۔

پیلے رنگ کے سوٹ میں وہ خود بھی پیلی ہو رہی تھی جبکہ پسینہ چہرے پر بہہ نکلا۔

''اچھا اسکول گئی تھی کہ اپنے عاشقوں سے ملنے؟'' ہتک آمیز رویہ تھا۔

''بھا...... بھائی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' اس نے بمشکل سر اٹھا کر کہا۔

''بڑی لاڈلی بنی رہتی ہو نا تم پاپا کی ہونہہ۔ انہیں کیا پتا محترمہ کیا گل کھلا رہی ہیں۔''

ودعیہ کی آنکھیں آنسو سے بھر گئیں۔'' اتنی توہین۔

یہ کیا ہے؟ اس نے خط کی جانب اشارہ کیا۔

''اوہ لیو لیٹر۔ خط اس کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے بولا۔

ہاتھ میں لیٹر ہے وہ محترمہ کہہ رہی ہیں کہ نہیں جانتیں۔ ودعیہ کے پاس تو اپنی صفائی میں کہنے کے لیے الفاظ بھی نہیں تھے۔

میں نے تمہیں خود اس لڑکے سے یہ لیتے ہوئے دیکھا ہے اچھا۔ چلو تم اندر میں مما کو بھی بتا دوں کہ ودعیہ صاحبہ کیا کرتوت دکھا رہی ہیں۔ میں اُسے نہیں جانتی بھائی، مجھے نہیں پتا کہ اس میں کیا ہے اور وہ کون تھا خدا کی قسم۔'' وہ رونے لگی۔

''یہ سب تم مما کو کہنا۔ سمجھیں۔'' وہ خط لے کر اندر چلا گیا۔

''جبکہ ودعیہ کو لگا کہ قیامت آ گئی ہو۔ وہ مردہ جسم سے اندر داخل ہوئی۔''

ولی، رقیہ بیگم دونوں ہی اندر تھے۔ آج ولی بھی خدا کی طرف سے جلدی آ گیا تھا اور عالی گھر پر ہی تھا۔

''مما دیکھیں پاپا کی لاڈلی کیا گل کھلا رہی ہے؟'' وہ طنزاً ہنسا۔

''کیا کیا ہے اس منحوس نے اب؟'' وہ بھی پریشان ہو گئیں۔

''یہ محترمہ عشق کی پتنگیں اڑا رہی ہیں۔'' اس نے لیٹر ہوا میں لہرایا۔

''جبکہ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ سر اس کے ایسا جھکایا ہوا تھا جیسے ساری کی ساری غلطی اُسی کی

ہو۔

اوہ بھائی آپ بھی آ جائیں اس نے ولی کو آواز دی۔

ولی کا نام سن کر ودعیہ کا چہرہ اور بھی تاریک ہو گیا یعنی وہ ایک ہی تو تھا جو اس کے ساتھ بہتر تھا اب وہ بھی نہیں رہے گا۔

کیا ہوا ہے بھئی۔ ولی بھی نیچے آ گیا۔

''آیئے نا آپ کو بھی کارنامہ دکھاؤں بلکہ سناؤں۔ عالی مزے لے لے کر بتا رہا تھا۔

''ولی بھائی مجھے نہیں پتا کہ کون تھا میں نہیں جانتی کہ اس پیپر میں کیا ہے؟'' وہ ولی کو دیکھ کر صفائیاں دینے لگی۔

جبکہ ولی حیران و پریشان اُس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

تو سنیں۔ عالی نے پیپر کھولا۔

''مائی ڈیئر...... عالی کی آواز گونجی۔''

آپ مجھے نہیں جانتیں مگر میں کافی عرصے سے اپ کو دیکھ رہا ہوں۔ ودعیہ کو لگا کہ اس کی جان نکل رہی ہے۔

مجھے آپ اچھی لگنے لگی ہیں اس لیے میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں مجھے امید ہے کہ آپ مجھے نا اُمید نہیں کریں گی اور اپنی دوستی سے فیض یاب کریں گی۔

فقط آپ کا اس نے آپ کا پر زور دیا، اسامہ۔

واہ، واہ کیا بات ہے ودعیہ بی بی۔ عالی نے خط بند کیا۔

ہائے اللہ اب یہ دیکھنا رہ گیا تھا۔ رقیہ بیگم نے سر پیٹ لیا اب تو پتنگیں چڑھائے گی عشق کی۔'' وہ غصے سے اٹھیں اور دو تین ہاتھ اس کے چہرے پر جڑ دیئے۔

اس کے روئی جیسے گال دہکنے لگے۔ مامی میرا یقین کریں کہ میں نہیں جانتی اسے مجھے پتا بھی نہیں ہے کہ یہ کون ہے۔'' ودعیہ منمنائی۔

آنے دے اپنے ماموں کو انہیں بھی تو پتا چلے کہ کیا گل کھلا رہی ہیں لاڈلی۔'' وہ اسے دھکا دے کر چلی گئیں اور وہ زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔

ولی بھی خاموشی سے چلا گیا جبکہ عالی سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر ہنسنے لگا اسے یوں ایسے بے بس دیکھ کر بڑا مزہ آ رہا تھا۔

''آج پتا چلے گا پاپا کو کہ تمہیں جو اتنا سر پر چڑھا رہے تھے ناں وہ، اب انہیں احساس ہوگا کہ کتنی بڑی غلطی کر رہے تھے۔ ہمیشہ انہوں نے مجھ پر تمہیں ترجیح دی ہے اب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔''

ودعیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

خون رنگ آنکھیں ہو رہی تھیں اور وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی لال بھبھوکا کے چہرہ ناقابل حد تک حسین لگ رہی تھی کہ چند ثانیے تک تو عالی بھی اسے دیکھتا رہ گیا۔

''آپ کو بڑا مزہ آتا ہے نا مجھے مار پٹوا کر وہ بمشکل ہچکیوں کے درمیان بولی۔

ایک پل کو تو عالی کا دل بھی پگھلا مگر اگلے لمحے وہ سنبھل گیا۔

''ہاں بڑا مزہ آتا ہے۔''

شروع ہی سے تم میرے ساتھ برا کرتی آئی ہو۔ پہلے تمہاری وجہ سے میرا کتا مر گیا پھر میرے سارے کھلونے تمہیں مل گئے۔ پاپا مجھ سے زیادہ تمہیں ترجیح دیتے ہیں میرے حصے کا پیار بھی تمہیں ملا ہے مجھے اپنی چیزیں کسی کے ساتھ شیئر کرنے کی عادت نہیں ہے اور تم نے تو چھین لی ہیں۔'' اس نے بھڑاس نکالی۔ ودعیہ خاموش ہو گئی جبکہ وہ چلا گیا۔

شام کو رقیہ بیگم نے ایک کی چار کر کے وقار صاحب کو سنائی انہوں نے ودعیہ کو بلایا۔

یہ خط تمہیں کس نے دیا ہے؟
مجھے نہیں پتا ماموں میں اسے نہیں جانتی۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔
''پہلے کتنی دفعہ مل چکی ہو اس سے؟''
''میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ماموں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
ولی اور عالی بھی آ گئے۔
''پاپا اس خط کے مضمون سے لگتا ہے کہ واقعی ودعیہ اسے نہیں جانتی۔'' ولی بولا۔
ہوں ..... گہری سوچ میں تھے جبکہ عالی غیر معمولی طور پر چپ۔ وقار صاحب اٹھے اور ودعیہ کی طرف بڑھے۔
ودعیہ کو لگا جیسے زمین پیروں کے نیچے سے سرک رہی ہو۔ اب ماموں مجھے ماریں گے۔ ماں کی طرح اس نے سوچا اور زور سے آنکھیں بند کر لیں۔
''وقار صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، مجھے پتا ہے کہ تم بے گناہ ہو میری بچی، مجھے کسی اور کا تو پتا نہیں مگر اپنی تربیت پر بھروسہ ہے۔ انہوں نے سر تھپتھپایا۔
ودعیہ نے مشکور نظروں سے سر اٹھایا۔
جبکہ عالی کو ساری پلاننگ اکارت ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ رقیہ بیگم کا منہ تو کھلا کا کھلا ہی رہ گیا جبکہ ولی نے بھی اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
عالی غصے سے کمرے میں چکر لگا رہا تھا اتنی محنت سے ساری پلاننگ کی تھی مگر سب کیے کرائے پر پانی پھر گیا۔
فون کی بیپ نے اس کے قدموں کی ارتعاش کو ختم کیا۔
''ہاں یار اسامہ کہاں یار سارا گیم ہی الٹ ہو گیا۔ میں نے سوچا تھا کہ پاپا اور کچھ نہیں تو کم از کم دو تین تھپڑ تو مار دیں گے مگر پاپا نے تو اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ ''مجھے تم پر بھروسہ ہے۔'' ہونہہ بھروسہ ہے اس نے حقارت سے کہا۔ ''چل چھوڑ یار ویسے Thanks تو نے میری مدد تو کی۔ چل بعد میں ملتا ہوں تجھے Ok۔'' ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔
ابھی وہ پلٹا ہی تھا کہ سامنے سے ودعیہ بے یقینی سے کھڑی۔
''آپ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ آپ نے یہ سب کیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ عالی اس حد تک جا سکتا ہے۔''
بچپن میں تو ٹھیک تھا وہ اسے چھوٹی موٹی گڑ بڑ کر کے مار یا پھر ڈانٹ پڑوا دیتا مگر اب اس نے اس کی عزت کے ساتھ کھیلا تھا۔ اگر ماموں اس پر یقین نہ کرتے تو...... وہ اس سے آگے نہ سوچ پائی اور پلٹ گئی۔
جبکہ عالی کو لگا کہ اب اس کی خیر نہیں۔
ودعیہ اپنے کمرے میں آ کر خوب روئی اس کا دل کیا کہ ماموں کو بتا دے پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ ماموں کا عالی کے اوپر سے اعتبار نہ اٹھ جائے یہ سوچ کر خاموش ہو گئی۔
عالی ڈر کے مارے کمرے سے باہر نہیں نکلا کہ ودعیہ نے پاپا کو نہ بتا دیا ہو مگر دوسری طرف ہنوز خاموشی تھی۔
اس دن کے بعد سے ودعیہ نے تقریباً عالی کو مخاطب کرنا چھوڑ ہی دیا البتہ اس کے کام کرنے سے انکار کا مطلب اپنی شامت بلوانا تھی۔ مجبوراً اسے کام کرنے تھے۔
عالی بھی اس دن کے بعد سے شرمندہ، شرمندہ رہا پہلے اس نے سوچا کہ معافی مانگ لوں پھر انا اور ضد درمیان میں آ گئی اس لیے خاموش رہا۔
☆......☆......☆

میٹرک کے پیپرز ہوگئے تھے اس لیے وہ چاہ رہی تھی کہ ساتھ والے بلاک میں جو ووکیشنل سکول ہے وہاں داخلہ لے لے مگر مسئلہ مامی سے اجازت لینے کا تھا کیا کروں کہ مامی اجازت دے دیں وہ سوچ سوچ کر پریشان ہوگئی تھی۔

آج اس نے بڑی محنت سے کام کیا اور کھانا بھی بنایا سوئے اتفاق اچھا بن گیا اس نے دوپہر کو میز پر کھانا چن دیا۔

مامی مجھے آپ سے بات کرنی ہے اس نے تھوک نگل کر کہا۔ انہوں نے بھویں سکیڑیں۔

مامی میں نے ووکیشنل اسکول میں داخلہ لینا ہے اس نے ساری ہمت جمع کر کے کہا۔

کیا کرنا ہے وہاں داخلہ لے کر؟ انہوں نے گلاس میں پانی ڈالا۔

مامی فارغ ہوں تو سوچا سلائی وغیرہ سیکھ لوں اس نے نظر جھکا کر کہا۔

''فارغ کہاں ہو تم کام تمہاری ماں کرے گی۔''

''اس نے ایک دم سر اٹھایا۔ کام بھی کر دوں گی۔ اس طرح اپنی ماں کی بے عزتی سن کر آواز رندھ گئی۔

جانے دیں امی اچھا ہے سلائی کے پیسے بچ جائیں گے جو آپ درزی کو دیتی ہیں۔ عالی بولا جو چپ کر کے سن رہا تھا۔

ودعیہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ آج پہلی بار وہ اس کی طرف داری کر رہا تھا۔ ہوں ٹھیک کہتے ہو۔ یہ سینا سیکھ لے گی تو درزی والے پیسے بچ جائیں گے ویسے بھی چار سو روپے لیتے ہیں وہ کم بخت اور مہنگائی الگ۔ ٹھیک ہے تم لے لو داخلہ انہوں نے ودعیہ کو کہا۔

جی مامی۔ وہ خوش ہوگئی۔

ودعیہ نوٹ کر رہی تھی کہ عالی دن بدن مشکوک ہوتا جا رہا ہے کالج سے آکر کمرے میں گھس جاتا ہے اور پھر اکیڈمی بھی نہیں جا رہا۔ شام کو کہیں نکل جاتا ہے اور رات گئے واپس آتا ہے آخر چکر کیا ہے۔

وہ سوچ رہی تھی مگر اگلے پل بولی۔

''مجھے کیا جو بھی کرے میری بلا سے۔'' وہ کہہ کر کاغذ پر کٹنگ کرنے لگی۔

آج زکیہ بیگم کی فیملی پھر سے آئی ہوئی تھی اور پھر سے ودعیہ کا کام چار گناہ زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ کہاں چار پانچ لوگوں کا کھانا اور کہاں ڈبل بندے اب اس نے مکمل گھر سنبھال لیا سارے کام وہ خود کرنے لگی تھی۔ بیٹا تم چائے بناؤ تو میں ذرا مغرب کی نماز پڑھ کے آتا ہوں وقار صاحب ودعیہ کو کہہ کر نکل گئے۔

ودعیہ جائے نماز پر دعا مانگ کر اٹھی اور جائے نماز لپیٹی اور دوپٹہ اچھی طرح شانوں پر پھیلا کر کچن میں چلی گئی۔

باقی سارے لاؤنج میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔

ارے وقار صاحب کسی شخص نے آواز دی۔

ارے سہیل صاحب کیسے ہیں آپ۔ شناسا شخص دیکھ کر وقار صاحب نے مصافحہ کیا۔

اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں۔ آپ کی بیگم ہاسپٹل سے آگئیں۔

جی وہ حیران ہوئے۔

سہیل صاحب وقار صاحب کے دوست تھے اور انہوں نے اکیڈمی کھولی ہوئی تھی وہیں پڑھتا تھا۔

ارے عالی نے بتایا تھا کہ اس کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ ہاسپٹلائز ہیں اس لیے وہ کچھ دنوں سے اکیڈمی نہیں آرہا ہے۔

وقار صاحب شرمندہ ہوئے اور غصہ الگ۔

اب وہ کیسی ہیں۔

اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہیں۔
چلیں آؤں گا میں بھابی کا گھر پتا کرنے اب چلتا ہوں انہوں نے مصافحہ کیا اور بڑھ گئے۔
جبکہ وقار صاحب کا پارہ ہر قدم کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔
گھر آ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سوچ سوچ کر ان کا خون کھول رہا تھا۔ عالی اس حد تک ہاتھ سے نکل گیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا۔ مگر اب وہ سنجیدگی سے سوچ رہے تھے انہوں نے گزشتہ دنوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔
عالی کی ڈریسنگ پہلے جسی نہیں رہی تھی اور وہ رات کو بھی دیر تک باہر رہتا تھا یعنی وہ آوارہ ہو رہا تھا۔
''ماموں چائے۔'' ودعیہ نے بھاپ اڑاتا کپ ان کے سامنے کیا۔
''ہوں رکھ دو۔'' ودعیہ کو غیر معمولی پن کا اظہار ہوا۔
وہ پلٹی ہی تھی انہوں نے مخاطب کیا۔
ولی کی خالہ چلیں گئی کیا؟
''جی ماموں ابھی نکلے ہیں۔''
عالی کو بلاؤ کہاں ہے؟
''اپنے کمرے میں ہے بلاتی ہوں۔ وہ نکلی آج یقیناً کچھ ہوا ہے ماموں غصے میں ہیں۔
وہ اپنی ہی دھن میں ناک کیے بغیر داخل ہو گئی۔ وہ آپ کو ماموں بلا رہے ہیں...... ابھی وہ بول ہی رہی تھی کہ اسے شاک لگا عالی ایک دم ڈر کر پلٹا اور اس کے ہاتھوں میں سگریٹ تھی۔
عالی ودعیہ کو دیکھ کر ساکن ہو گیا۔
وہ سنبھلی۔ ماموں بلا رہے ہیں کہہ کر پلٹ گئی۔
جلدی جلدی دو، دو سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے آئی جیسے پیچھے آگ لگی ہو۔

ماموں لاؤنج میں ٹہل رہے تھے جبکہ رقیہ بیگم چیزیں ٹھیک کر رہی تھیں ولی وقار صاحب کی حالت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔
کیا کر رہا ہے وہ؟ وقار صاحب نے ودعیہ سے پوچھا۔
ودعیہ کی سانسیں پھول رہی تھی۔ وہ خاموش رہی اور ہاتھ مروڑ رہی تھی۔
میں نے پوچھا کیا کر رہا ہے وہ اوپر اپنے کمرے میں۔ آواز گرجی وہ ایک دم گھبرا گی اور ماموں کو اتنے غصے میں اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
رقیہ بیگم کے ہاتھ بھی رک گئے۔
وہ ...... وہ سگریٹ پی رہے تھے۔ اس نے بمشکل کہا۔
اوہ میرے خدا یہ سننا بھی باقی رہ گیا تھا وقار صاحب نے سر پکڑ لیا۔
رقیہ بیگم اور ولی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ انہیں پتا نہیں تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔
پاپا آپ نے بلایا۔ عالی نیچے آیا غیر معمولی خاموشی پر وہ ٹھٹکا۔
ہاں ادھر آؤ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بلایا جبکہ آنکھیں غصے سے لال ہو رہی تھیں۔
تمہاری ماں ہاسپٹل میں ہے نا وہ گرجے۔
آپ کو کس نے کہا ہے امی تو یہاں ہیں۔ وہ نڈر بن کر بولا۔ تمہارے ٹیچر نے تم نے اکیڈمی میں جھوٹ بولا ہے اور چھٹیاں کر رہے ہو یہ سچ ہے ناں آواز اور اونچی ہو گئی۔
عالی کو خطرے کی گھنٹیوں کی آوازیں آنے لگی۔
و......ہ......وہ ابو......وہ پہلی دفعہ گھبرایا۔
اور تم نے سگریٹ پینا کب سے شروع کیا۔ تم کب سے اتنے آوارہ ہو گئے ہو۔
تمہارے باپ نے کبھی سگریٹ نہیں پیا پھر تم

میں یہ خرابی کہاں سے آ گئی۔
ابو میں نے کوئی سگریٹ نہیں پیا۔ وہ بولا۔
تھڑاک، تھڑاک وقار صاحب نے دو ہاتھ اس کے منہ پر جڑ دیے۔ وہ شاک کی حالت میں دیکھ رہا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسے مار بھی سکتے ہیں۔
منہ سے بدبو آ رہی ہے اور کہہ رہا ہے کہ سگریٹ نہیں پیا۔ تھڑاک ایک اور تھپڑ مارا۔
ابو...... ولی جلدی سے آگے بڑھا۔ رقیہ بیگم نے بھی کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''رہنے دیں جوان بچہ ہے اس پر ہاتھ اٹھائیں گے۔ میں سمجھاؤں گی اسے۔ جبکہ ولی نے عالی کو پکڑا۔ ودعیہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔
''کیا سمجھاؤں گی سمجھانے کا وقت گزر گیا بیگم تم نے ہی اسے سر پر چڑھایا ہوا ہے۔'' اب وہ رقیہ بیگم پر برس رہے تھے۔ ولی لے جاؤ اسے یہاں سے ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔ انہوں نے ولی کو کہا اور ایک نظر عالی پر ڈالی۔
اس نے اب تک ہاتھ منہ پر رکھا ہوا تھا۔ مگر ندامت کا ایک آنسو نہیں تھا۔
ودعیہ ابو کو پانی پلاؤ۔ ولی جاتے ہوئے ودعیہ کو بولا۔
ہوں وہ کہہ کر کچن میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

عالی کی یہ حالت بری صحبت کی وجہ سے ہوئی تھی نئے گھر میں آنے کے بعد پرانے دوست چھوٹ گئے تھے۔ کالج جانے کے بعد کچھ برے لوگوں سے والی کی دوستی ہو گئی تھی کالج کو بھی بنک کر کے نکلتے رہتے تھے پڑھائی بس نام کی رہ گئی تھی۔
پہلی دفعہ ہی کوئی مشکل کام ہوتا ہے عالی کے ساتھ بھی یہ ہی ہوا تھا شروع شروع میں تو جھوٹ بولتے وقت اس کی زبان لڑکھڑاتی تھی مگر آہستہ آہستہ وہ لڑکھڑاہٹ ختم ہو گئی اور پختگی آ گئی۔
ایک دو دفعہ اس نے رقیہ بیگم کے پرس سے بھی پیسے چرائے تھے اور الزام ودعیہ پر ڈال کر اسے مار بھی پٹوائی تھی۔ ظاہر ہے رقیہ بیگم اپنے بیٹے پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرتی تھیں بھلا وہ کیسے اس پر شک کر سکتی تھیں۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے پیسے بھی چرائے اور ودعیہ سے اپنی ازلی دشمنی بھی نکال لی تھی۔ ودعیہ بے چاری کہتی رہ گئی مگر یقین کس کو تھا۔
وقار صاحب کو یقیناً بہت دکھ ہوا تھا اپنے بیٹے کی حرکتوں کا اور اس سے زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ ان سے اپنے بیٹے کو لے کر اتنی بڑی غفلت کیسے ہو گی تھی۔ کہاں اس کی تربیت میں کمی آ گئی تھی کہ وہ بری راہوں کا مسافر بن گیا تھا۔
مگر پھر اللہ کا شکر ادا کیا کہ شروعات میں ہی ان کو آگاہی ہو گئی تھی ورنہ اگر کہیں دیر ہو جاتی تو اسے واپس لانا مشکل ہو جاتا مگر ابھی وقت تھا لہٰذا انہوں نے سمجھانے کا فیصلہ کیا۔

☆......☆......☆

عالی اپنے بیڈروم پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا بار بار اس کی آنکھوں میں وہی سین چل رہا تھا جب ابو نے اسے تھپڑ مارا۔
غصے اور بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اچانک اسے اپنے سر پر کسی کے شفیق ہاتھ کا احساس ہوا اس نے پلٹ کر دیکھا۔
ابو آپ...... وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
''ہاں میں ...... کیوں نہیں آ سکتا۔'' وہ مسکرائے۔
وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر وقار صاحب بولے تمہیں پتا ہے عالی آج تم نے مجھے کتنا دکھ دیا ہے تمہاری حرکت کی وجہ سے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی ہے تمہارے استاد کے سامنے۔ اور پر

سے تمہارا سگریٹ والا جھوٹ مجھے کچھ زیادہ ہی غصہ آ گیا اسی وجہ سے میرا ہاتھ اٹھ گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا۔
عالی نے سر اٹھایا تو وقار صاحب کے چہرے کو دیکھا ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
I Am Sorry ابو وہ بہت دقت سے بولا۔
میری غلطی تھی مجھے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا وہ شرمندہ ہوا۔
میں تمہاری Sorry اس وقت قبول کروں گا جب تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کرو گے جس سے مجھ کو شرمندگی ہو۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
''تم جانتے ہو عالی تم اور ولی ہی تو میری زندگی کا محور ہو تم لوگ ہی میری زندگی کی کمائی ہو۔ میں نے حلال رزق سے تم لوگوں کو زندگی کی ہر خوشی دینے کی کوشش کی ہے۔ مجھے میرے خدا پر بھروسہ ہے کہ وہ میری زندگی کی کمائی کو ضائع نہیں کرے گا۔'' وہ جذب سے بولے۔
عالی بڑھ کر ان کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔''
میں وعدہ کرتا ہوں پاپا اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا آپ کو آئندہ کوئی تکلیف نہ دوں۔''
''ہوں مجھے تم سے یہ ہی امید ہے۔'' انہوں نے اس کی کمر سہلائی۔

☆......☆......☆

عالی آہستہ آہستہ اپنی پڑھائی میں سیریس ہو گیا مگر وقت وہ کافی ضائع کر چکا تھا اسی وجہ سے اس کے F.S.C میں نمبر تو اچھے آئے مگر اتنے نہیں کہ اسے انجنیئرنگ کالج میں داخلہ ملتا۔ اور وقار صاحب اسے پرائیویٹ کالجوں میں داخلہ کر دینے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اس کی لاکھوں کی فیس دینے سے قاصر تھے اسی لیے اس نے آگے کامرس جوائن کی۔
ودعیہ کا رزلٹ بھی آیا تھا اور اس کے بھی اچھے نمبرز تھے۔ سوئے اتفاق ودعیہ کے نمبر نائلہ سے زیادہ تھے۔ اور ودعیہ کو حقیقی خوشی اس بات کی تھی۔

☆......☆......☆

آپا کیا سوچا ہے آپ نے اس کلموہی کا۔'' زکیہ بیگم رقیہ کے کان میں گھس کر بولیں۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟''
بھئی میٹرک کر لیا ہے اس نے اب اسے بیاہ دیں کوئی کلرک وغیرہ دیکھ کر۔'' انہوں نے مدعا بیان کیا۔
''ابھی ابھی تو صرف 16 سال کی ہوئی ہے اور اس کے ماموں ہرگز نہیں مانیں گے۔'' رقیہ بیگم تسبیح کے دانے گراتے ہوئے بولیں۔
''اور ویسے بھی اب اس نے گھر سنبھال لیا ہے مجھے بھی سکون ہے اچھا ہے دو چار سال اور رہے اتنے میں میں اپنے بیٹوں کی دلہنیں لے آؤں گی اتنی دیر تک تو یہ کام کرے گی اور مجھے بھی زیادہ کام کرنا نہیں پڑے گا۔''
رقیہ نے زکیہ بیگم کو چپ کی کروا دیا۔
''ارے ولی ہمارے پاس بھی بیٹھ جائیں۔''
ولی ابھی اندر آیا ہی تھا کہ شمائلہ نے صوفے پر اپنے ساتھ جگہ بناتے ہوئے کہا۔
ابھی میں ذرا فریش ہو جاؤں پھر آ ؤں گا۔ ولی کہہ کر نکل گیا جبکہ شمائلہ کا چہرہ بجھ گیا۔
ودعیہ بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔
نی کڑیئے پانی پیا دے مینوں ذرا۔ زکیہ بیگم نے کہا۔
جی خالہ وہ کہہ کر اٹھی اور اس کے پیچھے ہی رضوان بھی اٹھا۔
وہ کولر سے پانی بھر کر پلٹی ہی تھی کہ رضوان کو

بالکل اپنے پیچھے کھڑے دیکھ کر ڈر کے مارے گلاس چھلک گیا۔

ک......ک......کچھ چاہیے تھا۔ وہ تھوک نگل کر اس کی لال آنکھوں کو دیکھ کر بولی۔

''ہاں تم! وہ بے باکی سے بولا۔ پھر ہنسنے لگا۔

ودعیہ کو اس کی ہنسی زہر لگی۔'' مجھے جانے دیں راستہ چھوڑیں۔'' اگر نہ جانے دوں تو وہ دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر بولا۔

وہ تھوڑا جھکا اور منہ سے لالی صاف کرتے ہوئے بولا تو سوہنی ہے کہ صرف مجھے ہی لگتی ہے۔'' جبکہ آنکھیں عجیب وحشی لگ رہی تھی وہ غیر محسوس طریقے سے پیچھے جھکی۔

ودعیہ ذرا چائے تو پلا دو عالیاجانک داخل ہوا۔ اس طرح رضوان کو ودعیہ پر جھکا دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے خشمگیں نگاہوں سے دونوں کو گھورا۔

رضوان کے ہاتھوں سے طوطے چھوٹ گئے۔ وہ وہ میں اسے کوئی بہانہ نہیں سوجھ رہا تھا پھر اچانک ودعیہ کے ہاتھ سے گلاس چھین کر بولا میں پانی لینے آیا تھا وہ کہہ کر نظریں چرا کر عالی کی بغل سے نکل گیا۔

عالی نے ایک تیز نظر ودعیہ پہ ڈالی اور وہ چور بن کر نظریں جھکا گئی۔

رضوان کی بدتمیزیاں دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں وہ آتے جاتے کوئی نہ کوئی بے ہودہ جملہ کس دیتا یا پھر اکیلا پا کر پہنچ جاتا وہ ڈر کر کسی کو کچھ بتا بھی نہیں سکتی تھی کوئی یقین نہ کرتا حالانکہ سب کو پتا تھا کہ رضوان ایک نمبر کا آوارہ ہے۔

☆......☆......☆

وقت بہت جلدی گزر رہا تھا۔ وہ انٹر کر کے فارغ ہو گئی تھی اور عالی نے گریجویشن کر لیا تھا۔ ولی نے MBA کر کے جاب شروع کر دی تھی زکیہ بیگم کا آنا جانا بڑھ گیا تھا خاص کر شمائلہ کو لے کر آنا۔ شمائلہ بی بی بھی اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہو گئی تھیں۔

وہ ولی کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب رہی تھی۔

اب اکثر وہ دونوں اکٹھے ہنستے ہوئے باتیں کرتے ہوئے پائے جاتے تھے۔

بھئی آپا میں سوچ رہی ہوں کہ شمائلہ کو اب بیاہ دوں۔'' زکیہ بیگم نے بڑی تاڑ کر بات کرنا شروع ہوئیں۔

''ہاں ماشاء اللہ اب تو BA کیے بھی سال ہونے کو آیا ہے اب سوچا ہے کہ شادی کر دوں۔ حالانکہ رضوان بڑا ہے مگر بیٹیاں تو جلدی ہی بیاہی جاتی ہیں ناں۔ وہ ایسے بولیں جیسے فلسفہ جھاڑ رہی ہوں۔

''ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔ اب میں بھی ولی کا سوچ رہی ہوں۔ ماشاء اللہ کمانے لگا ہے اب سہرا سجا دوں میں بھی۔ میری خواہش ہے کہ شمائلہ میرے گھر کی بہو بنے۔'' رقیہ بیگم دونوں کو دیکھ کر بولیں جہاں شمائلہ ولی کی کس بات پر شرم کے مارے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔

''ہائے آپا سچ کہہ رہی ہو کیا......؟'' زکیہ بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

''ہاں بھئی سچ کہہ رہی ہوں میں ذرا اس کے ابو سے بھی بات کر لو پھر باقاعدہ رسم سے مانگوں گی۔''

''یہ بات کہہ کر تو تم نے دل خوش کر دیا۔'' زکیہ بیگم، رقیہ بیگم کے ہاتھ پکڑتے ہوئے بولیں انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اتنا آسان ہوگا۔

اس دلچسپ ناولٹ کی اگلی قسط پڑھنا مت بھولیے گا

ناولٹ

محبتوں سے گندھی تحریر

تیز تیز چلتے ہوئے وہ دنیا جہان کی باتیں کرتے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ سے فارمیسی تک پوائنٹ کے لیے جب پہنچیں پوائنٹ جا چکی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پوائنٹ نکل جانے کا سبب ٹھراتیں آپس میں الجھنے لگیں۔ ''میں نے کہا بھی تھا ہانی، ذرا جلدی چلو، مگر تم سے چلا ہی نہیں جا رہا تھا لے کر نکلوا دیا نہ پوائنٹ۔ اُم لیلی پسینہ پونچھتے ہوئے اس پر بگڑی تھی۔

''باتیں بنا بنا کر اور مر مر خود چل رہی تھیں سارا الزام لیکن میرے سر پر ڈال رہی ہو۔'' وہ کہاں کم تھی الٹا اسی پر چڑھ دوڑی۔

''غلط کسی کی بھی ہو، پوائنٹ تو نکل گئی نا، اب میری سلور جوبلی گیٹ تک جانے کی بالکل ہمت نہیں ہے۔فون کر کے سبحان بھیا کو بلا لیتی ہوں''

دھوپ سے بچنے کو درخت کے نیچے کھڑے ہوتے ہوئے بولی اور بیگ سے فون نکال کر اس نے بھائی کا نمبر ملایا تھا۔''

بھائی کچھ مصروف ہیں اس لیے نہیں آ سکیں گے کہہ رہے ہیں کہ ہم آٹو سے آ جائیں۔''

اس نے منہ بنا کر کہا اور وہ بری طرح چونک گئی۔

''لیلیٰ تم نے ان لڑکیوں کو دیکھا، ہم بھی اس طرح لفٹ لے کر چلیں۔'' وہ اس کے دھوپ کی تمازت سے دہکتی سرخ رنگت کو دیکھتے ہوئے عجیب وغریب بات کہہ گئی تھی۔

دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ یوں بولی جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو چلا ہو۔ ''یار اس میں قباحت ہی کیا ہے اور لڑکیاں بھی تو لیتی ہے، ہم بھی جسٹ ایڈونچر کے لیے سلور جوبلی گیٹ تک آٹو میں جانے کے بجائے لفٹ لے لیتے ہیں۔'' وہ مزے سے بولی تھی۔

''ہرگز نہیں، ہم کسی کی روش اختیار کرنے کو اپنے معیار سے تو نہیں گر سکتے۔ اور گھر میں کسی کو خاص سبحان بھیا کو پتا تا لگا تو وہ سخت غصہ ہوں گے۔'

اُم لیلیٰ نے اس کی توجہ دوسری طرف دلائی

تھی۔

''ہم کسی سے کچھ چھپائیں گے کب، گھر جا کر بتا دیں گے۔''

وہ تو جیسے لفٹ لینے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس کے منع کرنے کے باوجود اس نے گاڑی کو ہاتھ دے دیا۔ ملک زونیر عباسی، جس نے درخت کے سائے میں کھڑی دشمن جان کو دیکھ کر ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا کہا اور یہ تیسری گاڑی تھی جو اس کے حساب سے اس کے ہاتھ دینے پر رکی تھی اور وہ تو جیسے کھل ہی اٹھی اور تمسخر سے مسکراتی اُم لیلیٰ کو فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا۔

''تم نے کیا سوچا تھا کہ میں لفٹ نہیں لے سکتی۔''

مرسڈیز کے کھلے دروازے کی جانب اشارہ کیا تھا۔ ''ہمیں سے لفٹ لینے کا شوق چرایا ہے تو تم لو لفٹ، میں اکیلے ہی آٹو سے چلی جاؤں گی۔'' وہ قدرے ناگواری سے بولی تھی۔ مگر آج اس کے دل و دماغ میں لفٹ لینے کی دھن سوار ہو گئی تھی اس کا بازو تھامے گاڑی کی طرف بڑھی اور گھورنے اور مزاحمت کی پرواہ کیے بغیر کھلے دروازے سے اندر دھکیلا اور خود بھی بیٹھ گئی۔''

ہانی میں تمہیں جان...... '' غصے سے کھولتی ہوئی سیدھی ہوئی تو نگاہ ملک زونیر عباسی کے مسکراتے چہرے پر پڑی اور اس کی ناگواری میں کئی گناہ اضافہ ہو گیا اور وہ اُم ہانی کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھنے لگا مگر وہ بھی ڈھیٹ بن گئی اور ملک زونیر عباسی کی خیر خیریت دریافت کرنے لگی کہ وہ ان کا کلاس فیلو تھا اور اس کو دیکھ ہی تو اس نے زبردستی اُم لیلیٰ کو گاڑی میں دھکیلا تھا تا کہ وہ اس شخص کو تقریباً 3 ماہ سے جانتی تھی اور اس کے طور طریقے دیکھ کر اس پر بھروسہ کر لیا کیونکہ ویسے بھی آج لفٹ لینے کی دھن اس پر بری طرح سوار تھی وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی کہ اس نے یکدم ڈائریکٹ اسی سے پوچھ لیا۔

''کیسی ہیں آپ اُم لیلیٰ......؟''

''آپ سے مطلب......؟''

اس کی شائستگی سے پوچھنے پر وہ برہمی سے بولی تھی۔ اور وہ مسکرایا تو اس نے گھبرا کر اس کی کانچ سی کچھ کہتی بولتی آنکھوں سے نگاہ چرا لی۔ جب کہ اب وہ اس کا جائزہ لے رہا تھا، سیاہ کاٹن کے سوٹ میں ہم رنگ آنچل سلیقہ سے شانوں پر پھیلائے، سرخی مائل رنگت، پلکیں جھکائے، گلابی دانتوں تلے کچلتی وہ ہمیشہ سے زیادہ بہت خاص لگی اور اس کی نگاہ محسوس کر کے وہ بے بسی سے اُم ہانی کو گھورنے لگی کہ وہ ان نگاہوں کو محسوس تو کافی عرصے سے کر رہی تھی مگر کہا کچھ نہ تھا کہ وہ دونوں ہی بہت ریزرو رہتی تھیں اور بات کرنے کا موقع اُم ہانی نے جیسے خود ہی فراہم کر دیا۔ اس لیے اُسے رہ رہ کر اس پر غصہ آ رہا تھا۔

''سلور جوبلی گیٹ تک وہ شیخ زائد کے راستے سے پہنچے تو اس نے گاڑی روکنے کا کہہ دیا۔

''آپ دونوں اطمینان سے بیٹھیے کے بیچ راستوں میں چھوڑنا ملک زونیر عباسی کی سرشت میں شامل نہیں ہے۔ ایڈریس بتا دیجیے، منزل پر ہی چھوڑ دیں گے۔''

''چھوڑنا ہی ہے تو کیا راستہ اور کیا منزل، آپ گاڑی روکیے۔'' وہ خود کو کمپوزڈ کرتی خود اعتمادی سے بولتی تھی اور اس کے بھرے بھرے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''مس اُم ہانی، بہتر ہوگا آپ ہی ایڈریس بتا دیجیے کیوں کہ آپ کی فرینڈ لڑنے کے موڈ میں

لگ رہی ہیں۔''جس لڑکی کو پہلی نگاہ میں دل دیا تھا گزرے تین ماہ میں جس کے خیال سے اپنے تصورات کو آباد کیا تھا ہزاروں باتیں کی تھیں اس کو روبرو دیکھنا اور بات کرنا اس سے بے حد اچھا لگ رہا تھا۔''آپ ہمیں یہیں اتار دیجیے۔ ہم آٹو سے چلیں جائیں گے۔''

''ہم کلاس فیلو ہیں، ایک رشتے والے کی بنسبت آپ مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہیں۔''اس نے شائستگی سے بات کاٹی تھی اور اس نے بنا کوئی دوسری بات کہے ایڈریس بتا دیا۔''اس سب کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اور سب کو خاص سبحان بھیا کو تمہارا کارنامہ ضرور بتاؤں گی۔'' وہ اُم ہانی کو گھورتے ہوئے دبے دبے انداز میں دھمکا رہی تھی اور اس کو مسکراتے دیکھ کر وہ لب بھینچ گئی تھی۔''منحوس، ٹکٹکی باندھے بس مجھے ہی دیکھے جائے گا یہ نہیں کہیں اور دیکھ لے۔ گھٹیا، چیپ انسان۔'' وہ اس کی نظروں سے کنفیوز ہوتی، کھولتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ رنگ ٹون پر سوچیں منتشر ہوگئیں، اس نے ایکسیوز می کہہ کر کال ریسیو کرلی۔''سلام، بڑے لالہ!''۔

''سلام! کیسے ہو لالہ کی جان۔''

''میں ٹھیک ہوں بڑے لالہ، آپ کیسے ہیں؟ حویلی میں سب کیسے ہیں؟''اس کا گھمبیر باادب لہجہ گاڑی کی خاموشی میں گونج رہا تھا۔''سب ٹھیک ہیں، بے بے کچھ بیمار ہیں، تمہیں یاد کررہی ہیں، حویلی چلے آؤ۔''

''بہت بہتر بڑے لالہ! میں ایک گھنٹہ تک گاؤں کے لیے نکلتا ہوں۔''

اس نے فوراً ہی آنے کا عندیہ دیا تھا۔ بات کرتے ہوئے چھینک کی آواز پر وہ اس کی طرف

متوجہ ہوا اور ایک کے بعد ایک تیسری چھینک ملک زونیر عباسی کے کان کھڑے ہو گئے۔ ''تم اس وقت کہاں ہو؟'' وہ بھائی کی آواز پر چونک گر کر فون کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''بڑے لالہ! راستے میں ہوں، یونیورسٹی سے گھر جا رہا ہوں۔''

''تمہارے ساتھ کون ہے؟'' لگی پستی کے بغیر پوچھا تھا۔ ''لالہ! مل کر بتاؤں گا، ابھی رکھتا ہوں۔ سب کو میرا اسلام کہہ دیجیے گا۔''

''وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ ابھی کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے اس لیے جرح نہ کی اور فون بند کر دیا۔ ''لالہ کو آپ نے میری طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔''

''اس کے سادہ سنجیدہ چہرے کو دیکھ اسے شرارت سوجھی تھی۔'' آخر آپ کے کہنے کا مطلب کیا ہے؟'' وہ بھڑکی تھی۔

''مطلب تو صاف ہے۔ نہ آپ چھینکتی نہ لالہ کو پتا چلتا کہ میں لڑکیوں کے لفٹ دیا کرتا ہوں۔

''لالہ! کو بڑی مشکل سے سمجھانا پڑے گا کہ میں نے فرسٹ ٹائم خاص لڑکیوں کو لفٹ دی تھی۔'' اس کے تنے ہوئے نقوش دیکھ کر اس کو چڑانے میں جیسے مزا آ رہا تھا۔'' یہ سب تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے ہوا ہے ہانی، کہ ہمیں کیسے کیسے لوگوں پر بھروسہ کر کے ان کی فضول گوئی برداشت کرنی پڑ گئی ہے۔'' وہ اس کو جواب دینے کے بجائے اُم ہانی پر خفا ہونے لگی تھی۔ اور وہ گڑبڑا کر اسے دیکھنے لگی جیسے خوبصورت چہرے پر برہمی پھیل گئی تھی کہ اس نے کہنے کو تو آہستگی سے ہی کہا تھا مگر سنا اس نے بھی تھا اس لیے جب اُم ہانی اس کا شکریہ ادا کر کے اتر گئی اور وہ اترنے لگی تھی کہ وہ بول پڑا تھا۔ ''آپ نے بات بہت غلط کی تھی اُم لیلیٰ، آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے اس کی غلطی کا ادراک ضرور کرواتا۔ مگر آپ آئندہ کچھ بھی کہنے سے پہلے سوچ لیجیے گا کہ میں غلط بات برداشت کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر رکھتا ہوں۔''

''آپ کیا صلاحیتیں رکھتے ہیں کیا نہیں یہ میرا دردِ سر نہیں ہے۔ لفٹ دینے کا بہت شکریہ۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر برہمی سے احسان جتانے کے انداز میں شکریہ ادا کرتی اترنے لگی تھی کہ وہ اس کی کلائی تھام گیا۔ ''شکریہ کی ضرورت نہیں ہے یہ گاڑی تمہیں دیکھ کر رکی تھی۔'' تمہارے کام آ کر تمہارے ساتھ سفر کر کے جو خوشی حاصل ہوئی ہے وہ فی الحال بتانے سے قاصر ہوں۔ اور ڈونٹ وری بہت جلد میرا دردِ سر آپ کا دردِ سر بن جائے گا۔''

اس کی مزاحمت کے باوجود اس نے بات مکمل کرنے کے بعد ہی ہاتھ چھوڑا تھا۔ ڈارک براؤن جھیل سی آنکھوں میں ناچتی نمی اس کی آنکھوں کو بے اختیار کر گئی اور وہ اس کو لمحہ بہ لمحہ خود سے دور جاتے دیکھتا رہا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی آنسو گرنے لگے۔ جو سجان کو دیکھتے ہی اس نے سرعت سے صاف کر لیے۔

''لیلیٰ کیا ہوا ہے، تم رو کیوں رہی ہو۔ اور آج آئی کس کے ساتھ ہو؟'' وہ باہر سے آیا تھا اس نے سیاہ مرسڈیز سے اُم لیلیٰ کو اترتے دیکھا تھا۔ ''یہ آپ مجھ سے نہیں اُم ہانی سے پوچھیں۔''

وہ کچھ فاصلے پر کھڑی اُم ہانی کو گھورتے ہوئے تیز قدموں سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ اور وہ اس سے پوچھنے لگا تو وہ سچائی بتاتے ہوئے ڈرو جھجک کا شکار ہو گئی۔ ''ہانی! کچھ پوچھا ہے میں نے، کس کے ساتھ آئی ہو تم دونوں؟''

''اس کی خاموشی بری طرح کھلی تھی اور ساری بات سن کر دماغ ہی بھنا گیا تھا۔'' تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، ایسے کیسے تم سے کسی اجنبی پر بھروسہ کرلیا؟''

''اس کے بری طرح ڈپٹنے پر وہ روتے ہوئے منمنائی۔'' آئی ایم سوری۔

''سوری! تمہیں اندازہ نہیں ہے ہانی کچھ غلط ہوجانے کے خیال سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہورہے ہیں۔ اور تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ اندھی تقلید کے چکر میں تم سے کتنی بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے، جس سے لفٹ لی تھی وہ کوئی برا شخص ہوتا تو؟'' وہ اس پر برس رہا تھا، اس کی آواز سن کر اُم کلثوم بھی آگئی۔ اور انہوں نے ہی معاملہ رفع دفع کرتے ہوئے اسے کمرے میں بھیجا اور بیٹے کو اتنی سختی سے بات کرنے پر سرزنش کرنے لگی۔'' آئی ایم سوری مما! بٹ بات ہی ایسی تھی کہ مجھے سنتے ہی غصہ آگیا اور آپ دونوں کو ہی سمجھا دیجیے گا کہ اس طرح کی فضول حرکتیں میں بالکل برداشت نہیں کروں گا اور اس طرح کی پھر کوئی بات ہو اس سے قبل ہی ان کا یونیورسٹی جانا بند کروا دوں گا۔'' وہ بات مکمل کر کے کمرے میں چلا گیا۔

عثمان اور کامران دو بھائی تھے ان کا اپنا لیدر کا برنس تھا عثمان کے دو بچے سبحان اور اُم لیلیٰ تھے جبکہ کامران کی ایک ہی بیٹی اُم ہانی تھی جبکہ کامران اور ان کی مسز آٹھ سال قبل ایک خودکش بم دھماکے میں ابدی نیند سوگئے تھے۔ اور عثمان نے بھائی کی آخری نشانی کو اپنے بیٹے سے منسوب کردیا، سبحان اور اُم ہانی کے دل تو دھڑکتے ہی ایک دوجے کے لیے تھے بڑوں کی رضا سے ان کی محبت انہیں مل گئی، دونوں کے نکاح کو گیارہ ماہ ہوگئے تھے، رخصتی اُم ہانی کی گریجویشن کے بعد ہوگی۔ کہ اُم ہانی اور اُم لیلیٰ دونوں ہم عمر تھی اور جامع کراچی کے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی اُم ہانی فطرتاً نرم خو اور قدرے شرارتی سی تھی جبکہ اُم لیلیٰ قدرے ضدی اکھڑ مزاج تھی بالکل بڑے بھائی کی طرح کہ اپنے آگے اپنی بات کے آگے کسی کو اہمیت دینا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔ اُم لیلیٰ کے مزاج میں نرمی تو ہے لیکن جب غصے میں شعلہ جوالہ بنتی ہے تو ساری نرمی اور کوملتا اسی شعلے کی نظر ہوجاتی تھی۔ جیسے آج اُسے اُم ہانی پر بے حد غصہ آیا تھا۔ اول تو وہ لفٹ لینے کو تیار نہ تھی مستزاد یہ کہ ملک زونیر عباسی سے لفٹ لینا اور اس کی نگاہیں ذومعنی گفتگو اور ہاتھ پکڑنے نے تو ساری کسر ہی نکال دی تھی۔ ملک زونیر عباسی پر وہ غصہ تھا وہ تو تھا ہی مگر وہ اُم ہانی سے تو بات ہی نہیں کررہی تھی اور ایسا ان کی اکیس سالہ زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا اس کی ناراضگی اتنی بڑی تھی کہ اس نے دو دن سے اس سے بات تک نہیں کی تھی جبکہ وہ اس کو منانے کی بہت کوششیں ہی کرچکی تھی۔

☆......☆......☆

''لیلیٰ! اب اس سب کو بھول بھی جاؤ۔''

''نہیں بھول سکتی ہیں، میں کیونکہ تم جانتی ہو تلخ حقیقتیں، تلخ یادیں مجھے نہیں بھولتی اور تم نے تو لینے کو لفٹ لے لی تھی انجام کی پرواہ کیے بغیر ہمارے گھر والے ہمیں غلط سمجھ سکتے تھے، کوئی باہر کا بندہ و رشتہ دار دیکھ کر ہمیں غلط سمجھ سکتا تھا۔ مگر تمہیں تو اندھی تقلید کرنی تھی، اور اس بے ہودہ شخص سے بات تو ایسے کررہی تھی جیسے تمہارا چچیرا بھائی ہو، اس کی گھٹیا نگاہوں اور باتوں کو تم نے فتح کے نشے میں چور ہوئے محسوس کیا ہی نہیں نہ، نہ تم یہ جانتی ہو کہ اس نے کیسے فضول بکواس کر کے میرا ہاتھ پکڑا

تھا، کچھ غلط ہو جاتا تو کون ذمہ دار ہوتا؟'' لے کے خود تو پھنسی ہی پھنسیں تھیں، مجھے بھی زبردستی شیر کی کچھار میں گھسیٹ لیا تھا۔'' وہ کہاں دل میں کوئی بات رکھ سکتی تھی ایک دم ہی پھٹ پڑی تھی۔ ''آئی ایم سوری لیلیٰ، میں نے وہ سب نہ جانے کس طرح کر لیا تھا، سچ اس وقت انجام کا بھی خیال نہ تھا، یونیورسٹی میں لڑکیوں کو لفٹ لیتے دیکھا تھا، بس اس لیے، مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح کا شخص ہوگا اس نے تمہارا ہاتھ پکڑا، ایسی کسی حرکت کا میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔''

''غلطی تمہاری سوچ کی نہیں بھروسے کی ہے کہ تم ایک اجنبی پر بھروسہ کر بیٹھی اور مجھے اس گھٹیا شخص کی بکواس سننی پڑی۔''

دل تو کر رہا تھا اس کی اس حرکت پر اس کا منہ نوچ لوں مگر اس بے بسی سے کچھ نہ کیا کہ لفٹ تو ہم نے ہی لی تھی، شور کرتی، کچھ کہتی یا کرتی تو خود ہی تماشہ بنتی اس لیے تو کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانے چاہییں۔'' وہ دھیمے دھیمے بولتی اس کو بہت شرمندہ کر گئی۔ ''آئی ایم سوری لیلیٰ، اس نے باقاعدہ کان پکڑ لیے۔'' معاف کر دو نا پلیز، کہ میں خود بھی شرمندہ ہوں اور تمہاری اور سجان کی ناراضگی مجھے مزید شرمندہ کر رہی ہے، آئی پرامس لیلیٰ آئندہ ایسی کوئی احمقانہ غلطی نہ خود کروں گی نا ہی تمہیں اس سب میں گھسیٹوں گی۔''

وہ اُم لیلیٰ کی نسبت قدرے بے وقوف سی تھی اور اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے سجان سے ڈانٹ کھاتی تھی، شرمندہ ہوتی تھی، معافی مانگتی تھی اور چاہتے نہ چاہتے پھر کچھ ایسا کر بیٹھتی کہ سجان کا غصہ اور ناراضگی کی وجہ بنتی تھی۔ ''اٹس اوکے، اینڈ سوری ہانی! میں نے غصے میں دو دن سے تمہارے ساتھ مس بی ہیو کیا اور تم جلدی سے جا کر منہ دھو کر آؤ، سجان بھیا! کہ غصے کو ختم کرنے اور ناراضگی بھگانے کو ظاہر ہے میں نے ہی کچھ کرنا ہوگا کہ وہ جو ہر دوسرے دن تم سے روٹھ جاتے ہیں نہ تو اس میں بھی تمہاری ہی بے وقوفی کا ہاتھ ہے۔ منا منا کر تو تم نے انہیں نخریلی حسینہ ہی بنا دیا ہے۔'' آنسو پونچھ کر مسکرا رہی تھی۔ ''شرافت سے بیٹھو، خبردار جو لگائی بجھائی اور ادھر کی ادھر والی عورتوں کی بری خصلتوں لکوا اپنایا۔'' اس نے سختی سے کہا تھا اور وہ ہنس دی وہ دونوں ایسی ہی تھیں ایک دوسرے سے روٹھتی تھیں، منات تھیں لڑتی جھگڑتی تھیں اور پھر ایک ہو جاتی تھیں۔

☆......☆......☆

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''ڈرو نہیں کچھ نہیں ہوا ہے۔'' وہ اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے کو دیکھ کر تسلی آمیز لہجے میں بولی تھی۔ دو تنظیموں کے اسٹوڈنٹس کے درمیان تصادم ہو گیا تھا وہ لوگ آخری کلاس لے کر گھر جانے کے ارادے سے اکنامکس ڈیپارٹ سے نکل کر کینٹین تک ہی آئی تھی تو ہنگامہ دیکھ کر رک گئی تھیں۔ ''لیلیٰ یہاں رکو نہیں، ہم یہاں سے چلتے ہیں۔

''اُم ہانی ان چار نوجوانوں کو ایک دوسرے کو بری طرح پیٹتے دیکھ کر کافی ڈر گئی تھی اور وہاں سے چلے جانا چاہتی تھی مگر وہ تو بنا سوچے سمجھے ایک دوسرے کو مارتے نوجنوں کی طرف بڑھی تھی تاکہ ان کو روک سکے لیکن پیچھے سے ایک نوجوان نے مخالف پرسن کو ڈنڈا کھینچ کر مارا تھا وہ اس کے ماتھے سے ٹکراتا داہنے پیر پر گر گیا تھا اس کے ساتھ ہی اُم ہانی بھی چیخ پڑی بے ساختہ تھی اور وہ زمین پر مارے تکلیف کے بیٹھتی چلی گئی تھی۔

اس کے ماتھے اور پیر سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا وہ لیک کر اس تک آ گئی۔

''لی تمہارے بہت خون بہہ رہا ہے میں سبحان کو بلا لیتی ہوں۔''

''نہیں پلیز! گھر فون کرو گی تو گ سب پریشان ہو جائیں گے۔'' اس نے تکلیف برداشت کرتے ہوئے بمشکل کہا تھا کہ اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا وہ چاروں جو ایک دوسرے کی کافی ڈھٹائی کر چکے تھے اس صورتحال پر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے کہ کافی اسٹوڈنٹ جمع ہو گئے اور ان میں ہی ایک ملک زونیر عباسی بھی تھا جو اس کو دیکھ کر ماتھے سے بہتے خون کو دیکھ بڑے بے ساختہ انداز میں اس کی طرف بڑھا تھا جسے اُم ہانی سہارا دے کر کھڑا کر چکی تھی اور اس کے کہنے پر وہ آنسو دیکھنے کے لیے اسے چھوڑ کر آگے بڑھی تھی اور وہ چکرا کر زمین پر آتی اس سے قبل ہی وہ لڑکوں کا ہجوم چیرتا اس کو تھام گا تھا وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی اور وہ اسے اپنی گاڑی میں ہاسپٹل لے گیا تھا۔''اُم ہانی آپ اپنے گھر فون کر کے گھر والوں کو بلائیں کہ اُم لیلیٰ کو بلڈ کی ضرورت ہے ڈاکٹر جیسے ہی خون کا انتظام کرنے کو کہہ دیا وہ روتی ہوئی اُم ہانی سے بولا تھا۔

''میں نے سبحان کو فون کر دیا ہے، لیکن سبحان یا تائی امی کا بلڈ گروپ اُم لیلیٰ کے بلڈ گروپ سے میچ نہیں کرتا، اور بڑے تایا تو امریکہ گئے ہوئے ہیں۔'' وہ تو بہت بری طرح سے پریشان ہو گئی اور اسی وقت نرس ان کے درمیان آن ٹھہری۔'' او نیگٹیو بلڈ گروپ کا انتظام کر دیجیے جلدی کہ پیشنٹ جکا خون کافی بہہ گیا ہے''اور بلڈ گروپ کا نام سن کر وہ خوشگوار حیرت میں گھر گیا کہ اس کا بھی بلڈ گروپ تھا او نیگیٹو ڈاکٹر نے تو بی پازیٹیو۔''

''ہائے مسئلہ ہو گیا ہو گا کہ بڑے پاپا اور اُم لیلیٰ کا بلڈ گروپ او نیگیٹیو ہے۔'' وہ بات کاٹ کر بولی تھی اور وہ خون دینے کے لیے چل پڑا تھا۔ سبحان آ گیا تھا اور اس نے مختصراً اسے صورتحال بتا دی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ مسٹر، کہ آپ میری بہن کو نہ صرف وقت پر اسپتال لائے بلکہ خون بھی دیکر اس کی جان بچائی۔''

سبحان نے قدرے شائستگی د فرضی سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں نے آپ پر یا آپ کی بہن پر نہیں خود خر احسان کی ہے اُم لیلیٰ کچھ ہی ماہ میں میرے لیے زندگی بن گئی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں مخاطب ہوا تھا اور اس سے مصافحہ کرتا ڈاکٹر سے بات کر کے پوری طرح سے مطمئن ہوتا ایک نظر دوائیوں کے زیر اثر سوئی اس دشمن جان کو دیکھتا ہاسپٹل سے نکل گیا تھا۔

ملک زونیر عباسی کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ ملک زہیر عباسی کے دو بیٹے، زومنیر اور تاثیر تھے جبکہ بیٹی ایک ہی شاہ تاج تھی ملک زونیر سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اور انکے دو بیٹے زوبیر عباسی اور ملک زونیر عباسی تھے اور ان کی ہی بیٹی بزونیرہ عباسی تھی ملک تاثیر عباسی کا ایک بیٹا اور ایک ہی بیٹی تھی، بیٹا اظہر عباسی زونیرہ کا منگیتر تھا اور بیٹی شاہ بانو ملک زوبیر عباسی کی بیوی تھی اور ان کا چار سال کا بیٹا تھا۔

اس بار الیکشن میں باپ کی جگہ کھڑا ہو رہا تھا جبکہ ملک زونیر عباسی نے کچھ ماہ قبل ہی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لیا تھا اور کراچی میں لیے گئے بنگلے میں جس میں دوران تعلیم ملک زوبیر عباسی رہا کرتا تھا آج کل وہ بھی اسی میں رہائش

پزیر تھا۔۔اور اسے یہاں ہر آسائش مہیا ہوئی تھی کہ ملک زونیر عباسی حویلی کا سب سے لاڈلا اور خاص کر اپنے بڑے بھائی کا لاڈو جان ہے۔اس کے منہ سے فرمائش پوری طرح نکلتی بھی نہیں تھی کہ وہ پوری کرنے میں لگ جاتے تھے کہ بھائی کو اداس اور دکھی کسی قیمت پر نہیں دیکھ سکتے۔

اُم لیلیٰ کیسی ہیں آپ؟ وہ اس حادثے کے پورے ایک ماہ یونیورسٹی آئی تھی اور وہ جو اس کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہا تھا کھل اٹھا تھا اور تمام مصلحتیں بھلائے اس کی خیریت دریافت کرنے چلا آیا تھا۔ ''میں ٹھیک ہوں؟'' وہ قدرے ناگواری سے بولی تھی کہ بیچ راستے میں اس کا روک کر خیریت دریافت کرنا اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا جبکہ وہ اس کے گلابی چہرے کو دیکھ رہا تھا ماتھے پر چوٹ کا نشان ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا وہ کہہ کر آگے بڑھی تھی کہ اسے اُم ہانی کی بات یاد آگئی تھی کہ اسی نے دو پہر مدد کی تھی اور خون دیا تھا اس لیے وہ اس کا احسان محسوس کرتی ہوئی اس کی تازہ حرکت کو نظرانداز نہ چاہتے ہوئے بھی کرتی گزرتی چلی گئی۔ ''ابے یار' تو یہ کب تک آنکھ مچولی کا کھیل کھیلتا رہے گا۔'' پسند ہے تو تو جا کر کہہ دے اُسے، کیا فضول کی ایکٹنگ کرتا رہتا ہے۔''

یہ ملک زونیر عباسی کا دوست اسد تھا اور اسد کے کہنے کی دیر تھی کہ جاوید اور نعمان بھی اس کے پیچھے پڑ گئے تو اس نے بھی اظہار محبت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور آج ہی اظہار کا اسے صحیح وقت بھی لگا کیونکہ آج گیارہ مئی کو اس کی سالگرہ ہے اور 18 مئی سے سمسٹر ایگزامز اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔اس لیے آج لاسٹ کلاس تھی اسی لیے اس نے سوچ لیا کہ برتھ ڈے وش کرنے کے بعد حال دل سنائے گا۔ وہ دونوں کلاسز لینے کے بعد کینٹین چلی آئی تھیں اور اس کی طبیعت کے خیال سے سبحان انہیں خود لینے آئے گا اور وہ دونوں جو باتیں کر رہی تھیں وہ نعمان نے سنی تھیں اسی لیے ملک زونیر عباسی کو اس کی برتھ ڈے کا پتا چل گیا تھا۔

''جی نہیں، اب وہ مسٹر ایسے بھی شہزادہ گلفام نہیں ہے کہ میں اسے دیکھ دیکھ کر آہیں بھروں۔ کہ ہم خود کون سے کسی سے کم ہیں چندے آفتاب اور چندے ماہتاب ہیں'' وہ بے نیازی سے بول رہی تھی۔

وہ بری طرح چونکا تھا۔'' کچھ زیادہ ہی محترمہ خوش فہمی نہیں ہے؟'' اُم ہانی ہنسی تھی۔'' خوش فہمی کیسی یہ تو یونیورسل ٹرتھ۔'' کہتے ہوئے سامنے دیکھا تو ملک زونیر عباسی کو دیکھ کر وہ چپ ہوگئی اور وہ چند قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آن کھڑا ہوا۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے، اعتراض نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔'' اس نے شائستگی سے کہا تھا اور ان کے انکار و اقرار سے قبل ہی چیئر اٹھا کر بیٹھ گیا اور اس کی یہ حرکت اسے سخت ناگوار گزری۔'' ہم نے آپ کو بیٹھنے۔'' میں زیادہ وقت نہیں لوں گا اُم لیلیٰ۔'' وہ رسانیت سے بولا تھا اور وہ اُم ہانی کو دیکھنے لگی تو اس نے بات سن لینے کا آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔

''جی جو کہنا ہے ذرا جلدی کہیں۔'' وہ اس کو بغور دیکھ رہا تھا اور وہ ناگواری سی محسوس کر کے قدرے تلخ لہجے میں بولی تھی۔ ہیپی برتھ ڈے اُم لیلیٰ۔'' اس نے ایک ریڈ کلی اس کی جانب بڑھائی تھی اور وہ جھٹکے سے چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔''واٹ از دس؟'' وہ دبے دبے غصے سے بولی کہ کینٹین میں موجود اسٹوڈنٹ ان کی طرف

متوجہ ہو چکے تھے مجھے پہلے پتا ہوتا کہ آج آپ کی برتھ ڈے ہے اُم لیلیٰ! تو کوئی خاص قسم کا تحفہ بھی دیتا۔ فی الحال تو یہی ایک ادھ کھلا گلاب ہے۔'' میرے جذبوں کی ترجمانی کے لیے آئی لو یو اُم لیلیٰ۔'' وہ اس کے عین سامنے رکھتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔ اور اس کا چہرہ شدت جذبات سے غصہ سے دہک رہا تھا۔ اس نے لب بھینچے خود کو کچھ کہنے سے روکا اور بڑی تیزی سے وہاں سے نکلتی تھی مگر وہ اس کی کلائی تھام جانے کی کوشش میں ناکام بنا گیا۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' وہ دھاڑی تھی اور اس نے گرفت مضبوط کر دی تھی۔ آئی لو یو اُم لیلیٰ۔ کینٹین میں سیٹوں پر بیٹھے تمام اسٹوڈنٹ کھڑے ہو کر اسی تماشے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بٹ آئی ڈونٹ لو یو۔ وہ بری طرح چیخی تھی۔ بکی اور تماشا بننے کے احساس نے اس کی آنکھیں بھگو دی تھیں۔

''ہاتھ چھوڑو میرا ملک زونیر عباسی۔''

''چھوڑنے کو نہیں تھاما ہے محبت کرتا ہوں تم سے اُم لیلیٰ اپنے پیرنٹس کو رشتہ لے کر بھجنا چاہتا ہوں ہمیشہ کے لیے تمہیں اپنا بنانے کے لیے۔'' اس کی شفاف آنکھوں میں آنسو آنے لگے تو اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس سب کی کوئی ضرورت نہیں ہے ملک زونیر عباسی۔ آئی ایم آل ریڈی انگیجڈ۔''

اس نے کوئی بم اس کی سماعتوں پر پھوڑا تھا اور تقریباً بھاگتے ہوتے وہاں سے نکلی تھی اور وہ جیسے سکتے و بے یقینی کی کیفیت سے نکلا اور اس کے پیچھے ہی لپکا تھا۔

''کہہ دو اُم لیلیٰ یہ مذاق ہے جھوٹ ہے۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں وہ اس کے سامنے آتا اس کے جانے کے راستے مسدود کرتا تو نے بکھرے لہجے میں بولا تھا۔

''دیکھو ملک زونیر عباسی، نہ میں تم سے محبت کرتی ہوں نہ یہ چاہتی ہوں کہ تم یہاں تماشہ لگاؤ بہتر ہوگا میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔'' وہ شدید غصہ کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔

میں جب تک تمہیں یہاں سے جانے نہیں دے سکتا جب تک تم میری محبت ایکسپٹ نہیں کر لیتیں۔''

کٹیلے لہجے میں کہہ کر ہاتھ پکڑنا چاہا وہ بدک کر دور ہوئی اور گھما کر ایک ہاتھ اس کے خوبرو اداس نظر آتے چہرے پر مارا تھا۔

''میں کچھ نہیں کہہ رہی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنی لمٹس کراس کرنے لگو۔ میں تم سے محبت نہیں کرتی، میں انگیجڈ ہوں اور اپنے منگیتر سے محبت کرتی ہوں بہت جلد میری شادی ہونے والی ہے۔'' بہتر ہوگا تم آئندہ میری راہوں میں نہ آؤ، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔

وہ انگلی اٹھا کر اسے وارن کر رہی تھی۔ لیکن میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں اور میں جو چاہتا ہوں وہ پا کر ہی رہتا ہوں تمہارے اس تھپڑ کا شاندار جواب دے سکتا ہوں، مگر میری محبت نے میرے ہاتھ باندھے دیے ہیں ورنہ میری ملک زونیر عباسی کی تذلیل کرنے والے ہاتھوں کو تن سے جدا کرنا اور زبان گدی سے کھینچ لینا ہرگز بھی مشکل نہیں ہے'' اس کی اٹھی ہوئی مخروطی انگلی کو ہتھیلی میں قید کر کے سخت لہجے میں کہا تھا اور اس نے متغیر چہرے کو ایک نظر دیکھ کر آنسوؤں سے بھیگتا رخسار تھپتھپایا وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

''السلام و علیکم ...... لالہ......'' اسد نے اندر

آتے ہی صوفے پر بیٹھے بارعب شخص کو سلام کیا تھا وہ ان کا ذکر تو ہزار بار سن چکا تھا مل پہلی بار رہا تھا۔ ''وعلیکم السلام آؤ باباب بیٹھو۔'' صوفے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''یونیورسٹی میں کوئی بات ہوئی ہے۔'' اسد کو ملک زونیر عباسی نے جو بات کرنے کے لیے بلایا تھا ڈائیریکٹ وہی کی تھی کہ وہ وقت ضائع کرنے والوں میں سے نہیں تھے وہ گڑبڑا سا گیا کہ انہیں بتائے یا نہیں بتائے؟

''دیکھو بابا زونی ہمیں بے حد عزیز ہے، وہ ایک ہفتہ سے بیمار ہے پیپرز بھی نہیں دیے اس نے اس لیے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس کی بیماری کے پیچھے کون سے عوامل ہیں کہ وہ ہمیں اداس اور دکھی لگتا ہے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم سے کچھ چھپا رہا ہے معلوم کرنے کے ہمارے پاس بہت سے راستے ہیں لیکن آپ کو اس لیے زحمت دی کہ آپ زونی کے دوست ہو۔

ہمیں بہتر بتا سکو گے مگر نہیں بتانا چاہتے تو آپ جا سکتے ہو کہ فورس ہم وہیں کرتے ہیں جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ فی الحال ہمیں ضرورت محسوس نہیں ہے سیدھا سا ایک سوال کیا ہے کہ یونیورسٹی میں زونی کا کسی سے جھگڑا ہوا ہے یا نہیں؟'' ان کا انداز سخت بے لچک اور حاکمانہ تھا۔'' کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا لیکن لالہ وہ لڑکی...... ؟ اس کو سمجھ نہیں آ رہا کہ بتائے یا نہیں اور بتائے بھی تو کیسے......؟'' اندازہ تھا ہمیں کہ بات لڑکی کی ہی ہوگی کون ہے آخر وہ مہارانی صاحبہ جس نے ہمارے زونی کی یہ حالت کر دی ہے؟'' فضا میں دھواں آزاد کیا تھا اور اس نے ساری تفصیل ان کے گوش گزار دی۔ واٹ! اس غریب لڑکی کی یہ مجال کہ اس نے ملک زونیر عباسی کی محبت ٹھکرا دی۔ وہ غصہ سے کھولتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ کیا نام ہے اس لڑکی کا کہاں رہتی ہے؟ سرخ نگاہیں اسد کے چہرے پر گاڑھی تھیں۔ اُم لیلیٰ کہاں رہتی ہے یہ میں نہیں جانتا۔'' وہ ان کی بارعب شخصیت اور غصہ کی وجہ سے کافی سنبھل سنبھل کے بول رہا تھا۔ وہ تو ہم خود لمحوں میں پتا لگا لیں گے تم یہ بتاؤ کہ کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ اس نے زونی کی محبت کو ایکسپیٹ کیوں نہیں کیا، کہیں وہ کسی اور کے چکر میں تو نہیں ہے؟''

''وہ انگیجڈ ہے لالہ! اسی لیے زونیر کی اس نے کافی انسلٹ کی اس کے تھپڑ سے وہ جوش میں بتانے لگا تھا کہ لب بھینچ گیا مگر وہ سن چکے تھے۔ پوری تفصیل پوچھی تھی اور اب تو ان کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

''اس سالی کی اتنی ہمت کے اس نے ملک زونیر عباسی پر ہاتھ اٹھایا، زونی نے وہ ہاتھ اسی وقت تن سے جدا کیوں نہ کر دیا۔ وہ کف اڑا رہے تھے۔

''ایک تھپڑ تو کیا لالہ اسے تو سو خون معاف ہیں۔'' وہ ملک زونیر عباسی کی آواز پر مڑے وہ ریلنگ پر جھکا کھڑا تھا۔ لالہ اُم لیلیٰ کی جگہ یہ حرکت کسی اور نے کی ہوتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے محروم ہو چکا ہوتا۔

''مگر وہ میری محبت ہے اس کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ کجا کہ اسے خود تکلیف دیتا۔ وہ غمزدہ ہوتا سیڑھیوں سے اترتا ان کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا اور اس کے پژمردہ چہرے پر دکھ و تھکن کی لہر وہ پریشان ہوا ٹھے تھے۔

''کوئی لڑکی تجھے اس قدر بھا گئی ہے تو کہتا نہ مجھ سے لمحوں میں تیرے قدموں میں......''

''بڑے لالہ میں محبت کرتا ہوں عزت بنانا

چاہتا ہوں۔آپ اس کے متعلق نہ کچھ غلط کہیں گے نہ سوچیں گے۔

کیا چاہتے ہو تم انہوں نے بھائی کا گہری نظروں سے جائزہ لیا۔ میں جو چاہتا ہوں وہ، وہ نہیں چاہتی۔

اس کی آزاردگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''تم صرف اپنی بات کرو تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں اُم لیلٰی کو چاہتا ہوں، اسے اپنا بنانا چاہتا ہوں مگر وہ انجیگڈ ہے بڑے لالہ''

تم جو چاہتے ہو وہی ہوگا جا کر آرام کرو میں ابے سے بات کر کے تمہارا پرپوزل لے جاؤں گا انہوں نے چھوٹے بھائی کو شانوں سے تھام کر اپنے ساتھ کی یقین دہانی کرائی تھی لیکن بڑے لالہ۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں ہوگا وہی جو تم چاہتے ہو'' انہوں نے بھائی کو بولنے ہی نہ دیا۔ اور باپ سے بات کی مگر مگر وہ اس کے لیے راضی نہ تھے۔

''غیر برادری کی عورت کو ہم اپنی حویلی کا حصہ نہیں بنا سکتے پرکھوں کی روایت کیسے مٹی میں ملا سکتے ہیں ہم ایک غیر برادی کی عورت کو اپنے آنے والی نسلوں کا مین و حصہ دار کیسے بنا سکتے ہیں؟''

''مجبوری ہے ابے، کہ ہمیں صرف زونی کی پرواہ ہے اور زونی وقت رنگین بنانے والے مردوں میں سے نہیں ہے۔ وہ بھٹکے یا ہم اسے کھو دیں اس سے قبل ہمیں مثبت قدم اٹھانا ہوگا اور یہ سب ہم زونی کی محبت میں کریں گے یہ تو ہمیں ہوارہ ہی نہیں ہے کہ جس عورت کی چاہ ہمارے زونی نے کی وہ چاہ ہی بنی رہ جائے اور جب ہم زونی کی کبھی ادنیٰ سی خواہش بھی نظر انداز نہ کی

اس کی اتنی بڑی خواہش کو تکمیل سے دور کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ بھائی کی خوشی کے ساتھ انا و غیرت کا بھی سوچ رہے تھے ان کا انداز قائل کرنے والا تھا وہ ہمیشہ کی طرح باپ کا بلاآخر قائل کر ہی گئے۔

''ابے آپ رہنے دو! میں جا کر بات کر لیتا ہوں آپ تو بس ایک دفعہ ہی آنا۔

''چل! جیسے تیری مرضی مگر بات ایسے کرنا کہ انکار کی گنجائش نہ ہو۔

''ابے اس کی رو فکر ہی نہ کرو زونی کی خوشی کے خیال سے اپنی روایات توڑ سکتے ہیں تو کسی بھی حد تک بھی جا سکتے ہیں اور میں زونی کی خواہش پوری کرنے کو کسی بھی حد تک چلا جاؤں گا۔'' وہ مطمئن ہو گئے تھے اور وہ اُم لیلٰی کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگے۔

''للی دروازے پر جا کر دیکھو کون ہے میں کچن میں مصروف ہوں۔ وہ کتابیں بکھرائے آخری پیپر کی تیاری کر رہی تھی، ملازمہ چھٹی پر تھی اس لیے اس کے بدلے کے سارے کام ایگزامز کے باوجود اُم ہانی ہی کر رہی تھی کہ اُم کلثوم کی طبیعت آج ناساز تھی اس کو اٹھنے میں الجھن و کوفت تو ہوئی اور وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازہ کھولنے کے لیے چلی آئی اور اس کے 'کون ہے؟'' کے جواب میں جب اس کے بابا کا نام لیا گیا تو اس نے دروازہ کھول دیا گھر تو یہی ہے پر بابا ابھی آفس سے آئے نہیں نہ ہی سبحان بھیا گھر پر نہیں ہیں۔ اس نے بڑی بڑی مونچھوں والے قدرے سیاہی مائل رنگت کے ادھیڑ عمر شخص سے کہا تھا کہ اس کے عقب سے ایک شاندار پرسنالٹی کا حامل شخص وائٹ شلوار قمیض میں سیاہ کھدر کی شال شانوں پر پھیلائے اس کے سامنے آ گیا آپ کے والد محترم گھر پر نہیں ہیں والدہ محترمہ تو ہوں گی

ہم ان سے بات کرنا چاہتے ہیں آواز میں تحکم تھا اور وہ اس کا جائزہ لینے لگے تھے۔ گلابی کاٹن کے سوٹ میں گلابی رنگت متناسب سراپے بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی، انہیں پہلی ہی نظر میں اپنے خوبرو بھائی کے لیے ایک دم مناسب لگی تھی۔

''مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ آرام کر رہی ہیں اور وہ ایسے بابا کے ملنے والوں سے نہیں ملتی۔''

بہتر ہوگا آپ بابا کے آفس میں جا کر ان سے مل لیں یا جب بابا گھر پر ہوں، ان کی شخصیت اور نگاہوں سے لحہ بھر کو کنفیوزڈ ہوئی تھی مگر بولی تھی تو اپنے ازلین اعتماد کے ساتھ بولی تھی۔ اور ان کو اس کے کارنامے سننے کے بعد حیرت نہیں ہوئی کہ اتنی خوداعتمادی کی تو امید تھی کہ ایسے ہی تو ملک زونیر عباسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا ہوگا۔'' اور اس خیال نے ہی آنکھوں میں سرخی اور چہرے پر سختی دوڑائی تھی اور وہ جو بات مکمل کر کے گیٹ بند کرنے لگی تھی وہ ہاتھ رکھ کر ایسا کرنے سے اسے روک گئے اور اس نے الجھن آمیز نظروں سے اس بارعب شخص کو دیکھا۔

''شاید آپ نے سنا نہیں تھا اُم لیلیٰ کہ ہم ملک زونیر عباسی، آپ کی والدہ سے ملنا چاہتے ہیں۔

آپ...... آپ کو مما سے کیوں ملنا ہے پہلے تو وہ اس پر چونکی تھی کہ اس کے نام سے کیسں واقف تھے پھر اس کا نام سن کر تو ڈر گئی تھی اور اس نے گڑبڑاتے ہوئے انداز میں کافی محفوظ ہو کر آنکھوں نے دیکھے۔

''ملک زونیر عباسی کے رشتے کے سلسلے میں بات کرنی ہے وہ زیرلب مسکرائے ہوئے بولتے اس کی تو جان ہی نکال گئے چہرے کی رنگت بھی اڑ گئی تھی۔

''دیکھیے میں ملک زونیر عباسی کو بتا چکی ہوں کہ میں اپنے کزن سے انگیجڈ ہوں وہ ان کا بارعب چہرہ دیکھ کر منمنائی تھی۔

''منگنی ختم بھی تو ہو سکتی ہے اور آپ نے کیا کہا سب علم میں ہے ہمارے اور یہ جو آپ کر چکی ہیں اس کے بعد زندہ سلامت ہیں تو صرف اس لیے کہ زونی ایسا چاہتا ہے اور ہم وہی چاہتے ہیں جو زونی چاہتا ہے۔

فی الحال ہم یہاں سے جا رہے ہیں کل پھر آئیں گے جب تک آپ اپنا مائنڈ میک اپ کر لینا، کہ یہ تو طے ہے کہ آپ نے صرف اور صرف ملک زونیر عباسی کی بیوی بننا ہے یہ بات جتنی جلدی سمجھ کر گھر والوں کو بتا دیں تو آپ کے لیے بہتر ہوگا کہ آج صرف سمجھایا ہے کل سیدھے راستے سے پرپوزل لائیں گے اور آئیں بائیں شائیں کی صورت میں میں اپنے انداز میں آپ کو اپنے بھائی کی دلہن بنائیں گے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ اور آپ کی فیملی اتنی تو سمجھ دار ہوگی کہ ہمیں انگلی ٹیڑھی کرنے کی نوبت نہیں آئے گی اللہ حافظ۔ وہ اپنی بات کہہ کر جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ للی کون تھے؟'' وہ کافی دیر تک نہیں لوٹی تھی تو وہ اسے دیکھنے آ گئی۔

اور اس نے ملک زونیر عباسی کی دھمکی آمیز گفتگو سنی تھی۔ ''ملک زونیر عباسی کے بھائی تھے بابا اور مما سے ملنا چاہتے تھے، مم میرا پرپوزل لائے تھے۔

''واٹ......'' وہ اس کے متغیر ہوائیاں اڑاتے چہرے کو دیکھ کر چلائی تھی۔ ''مم مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ہانی اب کیا ہوگا؟ سبحان بھیا تو مجھے جان سے ہی مار دیں گے اور مم میں' ملک زونیر عباسی سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہو نہ میں نے

صرف اور صرف عباد سے محبت کی ہے میں اسے کھونا نہیں چاہتی بابی۔'' وہ ان کی شخصیت اور ان کے حاکمانہ باور کراتے انداز و لہجے سے ڈر گئی تھی ڈر تو وہ خود بھی گئی تھی۔ اسی لیے ایک لفظ نہیں بولی تھی اور وہ عثمان حیدر کی گاڑی کی آواز سن کر تقریباً وہاں سے بھاگتے ہوئے نکلی تھی۔ ''دیکھو جب وہ دوبارہ آنے کا کہہ کر گئے ہیں اور وہ بات بہت بڑھے اس سے قبل ہمیں سب کچھ مائی امی کو بتا ہی دینا چاہیے۔ پھر کیا کیسے کرنا ہے وہ بڑے بابا اور سبحان بھائی سوچ لیں گے ان کیا گھر آنا اور دھمکا کر جانا ہرگز بھی معمولی نہیں ہے اور نہ ہی ان کی طاقت نظر انداز کر سکتی ہو۔

ملک زونیر عباسی زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتا ہے ہم اس کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔''

''تم مجھے تسلی دینے کے بجائے اور ڈرا رہی ہو۔ وہ سسکی تھی کہ اس کے بعد تو وہ کمرے سے ہی نہیں نکلی تھی کھانا تک نہیں کھایا اور وہ آدھے گھنٹے سے اس کی پریشانی دور کرنے کے بجائے بڑھا رہی تھی۔

''مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں انہیں نہیں بتا سکتی۔''

''جب وہ کل دوبارہ آئیں گے تو تم کیا کرو گی؟'' وہ دونوں بھی سوچ میں پڑ گئیں تھیں۔ ''تم کہو تو سبحان کو بتا دوں؟'' اس نے اثبات میں گردن ہلا دی کہ انہیں اندازہ تھا کہ بات معمولی ہرگز نہیں ہے۔ اور سامنے ہر صورت آنے والی ہے اور اس نے سبحان کو اور سبحان نے ساری صورتحال باپ کے گوش گزار دی تھی ڈونٹ وری وہ جب آئیں گے تو میں سب خود ہی ہینڈل کر لوں گا'' اور انہوں نے ملک زونیر عباسی کو صاف انکار کر دیا تھا اور وہ جلبلاتے دھمکیاں دیتے وہاں سے چلے گئے تھے کہ انہیں انکار سننے کی عادت تو نہیں تھی اور وہ ملک زونیر عباسی کے معاملے میں تو وہ انکار کسی صورت میں برداشت نہیں کرتے وہ غصہ سے کھولتے ہوئے کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔

آپ نے یہ سب اچھا نہیں کیا.....؟'' ملک زونیر عباسی نے اسے اپنی خاص ملازماؤں کے ذریعے بڑی آسانی سے کڈنیپ کروا لیا تھا وہ بھاری دل ڈول کی عورتیں اس کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے لائی تھیں اور وہ صوفے پر بیٹھے ملک زونیر عباسی کو دیکھ سکتی تھی۔'' اس سب کے لیے ہمیں مجبور کیا گیا ہے ہماری بات سیدھے طریقے سے مان لی جاتی تو اس سب کی نوبت ہی نہیں آتی وہ بہت روتی ہوئی اُم لیلیٰ کو ایک نگاہ دیکھ کر بے حسی سے بولے تھے۔'' ''جب میں ملک زونیر عباسی کو پسند ہی نہیں کرتی تو یہ۔''

''اہم یہ ہے زونی تمہیں پسند کرتا ہے فضول کے انکار کا انجام دیکھ لیا نہ کہ آج یہاں کڈنیپ کر کے زبردستی لائی گئی ہو اب چاہتی ہو کہ ہم اپنے جاہ جلال میں نہ آئیں تو بہتر ہوگا کہ رونا چیخنا بند کر دو۔

اور جا کر تیار ہو جاؤ، کچھ ہی دیر میں قاضی صاحب آرہے ہیں ان کے کہنے پر ملازمہ عروسی لباس اور جیولری وغیرہ اس کے سامنے رکھ گئی اس نے اٹھا کر دور پھینک دیا۔'' یہ آپ کی اور آپ کے بھائی ملک زونیر عباسی کی بھول ہے کہ میں اس سے نکاح کر لوں گی۔ میں نے صرف عباد سے محبت کی ہے اور شادی بھی اسی سے کروں گی۔ سمجھے آپ وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

''آج کے بعد زبان سے کسی غیر مرد کا نام لیا ہے آئندہ یہ غلطی کی تو زبان گدی سے کھینچ لی

جائے گی۔ تم نے صرف اور صرف ملک زونیر عباسی کی بیوی بننا ہے صرف اسی کو سوچنا ہے وہ دھاڑے تو وہ لرز اٹھی۔ اور انہوں نے ملازمہ کو اسے اندر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے کہیں نہیں جانا ہے آپ یہ سب ٹھیک نہیں کر رہے ہیں مجھے پلیز جانے دیں۔'' وہ چیخ رہی تھی مگر وہاں کسے اس کے رونے تڑپنے کی پرواہ تھی یہ کپڑے زیورات لے کر جاؤ نوری اور اس لڑکی کو اتنا حسین بنا دو کہ ہمارے زونی کی نگاہ و دل خوش ہو جائے۔

اس نے ملک زبیر عباسی کا تحکمانہ لہجہ صاف سنا تھا اس نے سارے کپڑے اٹھا کر پھینک دیے تھے کہ میں یہ سب نہیں پہنوں گی مجھے نہیں کرنی ہے شادی مجھے یہاں سے جانے دو' خدا کے لیے مجھے یہاں سے جانے دو اس کی گریاں وزاری سے کم عمر نوری کا دل پسیجنے لگا تھا مگر وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی بڑے مالک وہ کسی بھی قیمت پر لینے کو تیار نہیں ہے وہ بیٹھے سے کھڑے ہو گئے میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جانے دیجیے پلیز۔''' اس نے ملک زوبیر عباسی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔''تم اب یہاں سے جاسکو یہ سپنا تو ہو سکتا ہے حقیقت نہیں، اور اس سپنے کی تعبیر اسی صورت مل سکتی ہے جب تم ملک زونیر عباسی سے نکاح کر لو گی۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولے تھے۔

''آپ کو ایک دفعہ بات سمجھ نہیں آتی؟ میں ملک زونیر عباسی عباسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ وہ سسک رہی تھی۔''

''ٹھیک ہے یہی مرضی ہے تمہاری تو ٹھیک ہے ہم تو ویسے بھی ان الجھنوں کے قائل نہی نہیں ہے وہ تو زونی نے کہا کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے اسی لیے رشتہ لے گئے اور آج نکاح کا بندوبست کیا ہوا ہے تم راضی نہیں ہو تو ٹھیک ہے رہو یہیں کہ ہم نے ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اپنے زونی کی خواہش پوری کرنی ہے نکاح کر تیں تو ساری زندگی نبھاتے۔ نہیں مرضی تمہاری تو رہو جب تک زونی کا دل نہیں بھرتا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے عزت سے بیوی بننا ہے یا محض لذت کا ساماں۔'' وہ بیٹھ موڑے انتہائی ذلت آمیز گفتگو کرتے وہاں ٹھہرے نہ تھے اور اس کے قدموں تلے سے تو زمیں نکل گئی تھی اور پھر کیسا انکار اور کہاں کا انکار وہ لب بھینچے سسکیاں دبائے آنکھوں سے موتی لٹکاتی دل میں (......) کا جہاں آباد کیے نکاح نامے پر سائن کر گئی تھی۔ اس کے راضی ہونے کے بعد انہوں نے ملک کو اسد کے گھر سے بلا لیا تھا اور بھائی کے کارنامے کا سن کر اس کو دھچکا لگا تھا کہ ایسا اس نے نہیں چاہا تھا ورنہ یہ سب تو وہ خود بھی کر سکتا تھا یہ، یہ کیا کر دیا ہے آپ نے بڑے لالہ میں نے ایسا کچھ کرنے کو نہیں کہا تھا آپ سے۔''

میں خود بھی اس سب کے حق میں نہیں تھا، مگر پروپوزل ٹھکرا دیا گیا تو یہی ایک راستہ بچا تھا انہیں ذرا شرمندگی نہیں تھی۔ یہ صحیح نہیں ہے بڑے لالہ، میں نے اُم لیلیٰ سے محبت کی ہے اور محبت زبردستی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ آپ اسے واپس بھجوا دیں وہ سختی سے کہہ گیا تھا۔ یہ تو اب ہونے سے رہا، خاموشی سے نکاح کر و ساری صورتحال میں سنبھال لوں گا۔ نکاح نہیں کرنا چاہتے تو تب بھی یہ یہیں رہے گی۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اپنی محبت عزت سے حاصل کرنی ہے یا محض وقت گزاری کر کے روانہ کرنا ہے تو طے ہے کہ تیری ہوئے بغیر تو یہاں سے جا نہیں سکے گی بھائی کی باتوں میں چھپی

سوچ اس کا خون کھلا گئی تھی اور وہ بھڑک کر کچھ کہتا کہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتے چلے گئے۔ ''بڑے لالہ وہ میری محبت ہے عزت بنانا چاہتا ہوں اس کے ساتھ محض وقت گزاری کا نہیں سوچا تھا میری محبت کی یوں تذلیل نہ کریں مجھے میری نظروں سے نہ گرائیں اس کی آواز نے ان کا پیچھا کیا تھا مگر وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی نہ ہٹے اور اس نے راہ فرار نہ پاتے ہوئے نکاح نامے پر سائن کر دیے کہ دوسری کوئی راہ نظر بھی تو نہیں آرہی تھی اور اسے اُم لیلیٰ کی عزت کا بھی خیال تھا۔

☆......☆......☆

وہ اپنے کمرے میں پہلی مرتبہ شکستہ چال چلتے نہ چاہتے ہوئے بھی آیا تھا کہ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر راہ فرار حاصل کرنا بھی تو اختیار میں نہ تھا اور اس نے دروازہ کھلنے کی آواز پر گھٹنوں میں دیا سر اٹھایا اور وہ اسے دیکھنے لگا۔ اس کا بھرپور صرف اس کے لیے مگر زبردستی سجایا گیا تھا گلابی چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور میک اپ پھیل گیا تھا اس کے دل کو کچھ ہوا تھا اور وہ لب بھینچے سسکیاں روکنے کی کوشش میں ہلکان ہورہی دھیمے لہجے میں لرزنے لگی اور اسے لگا تھا کہ وہ کبھی اُم لیلیٰ سے نظر نہیں ملا سکے گا اور اس وقت بھی کچھ کہہ ہی نہیں پائے گا اور وہ ہارے ہوئے جواری کی مانند صوفے پر گرا تھا اور اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی تو وہ جھٹکے سے اٹھا اور واش روم میں گھس گیا اور شاور لینے کے بعد تھوڑا سکون ملا تھا اور اس نے بمشکل کچھ کہنے کے لیے خود کو راضی کیا تھا۔''

''اُم لیلیٰ جو کچھ ہوا ہے میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ آپ سے محبت کی ہے، شادی کرنا چاہتا تھا لیکن ایسے نہیں مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا بڑے لالہ اس حد تک چلے جائیں گے۔'' وہ بیڈ کے وسط میں بیٹھی تھی اور وہ بیڈ کے کنارے پر ٹکتے ہولے سے بول رہا تھا اس نے نگاہ نہ اٹھائی تھی نہ اس کی پوزیشن میں فرق آیا تھا اور وہ بول ہی رہا تھا کہ اس کا سیل فون بجا تھا اس نے بت کی طرح بیٹھی اُم لیلیٰ کو ایک نگاہ دیکھا اور سرد سانس خارج کرتا اٹھا اور کال ریسیو کی۔

'زونی اُم لیلیٰ کے فادر ہاسپٹلائز ہیں انہیں ہارٹ اٹیک آیا ہے۔''

''واٹ! آپ کو کس نے بتایا۔''

''میں نے اُم لیلیٰ کے بارے میں بتانے کو فون کیا تھا۔

''بڑے لالہ اس سب کے ذمہ دار صرف آپ ہیں آپ نے مجھے اُم لیلیٰ کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل ہی نہیں چھوڑا' کتنے لوگوں کا مجرم بنالیا ہے اور اُم لیلیٰ کے فادر کو کچھ ہوا تو میں آپ کو اور خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا اس نے فون بند کر کے اُم لیلیٰ کو دیکھا جو باپ کا نام سن کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی کیا ہوا ہے بابا کو......؟'' وہ اس کے سامنے رکتے ہوئے بھیگے بھاری لہجے میں پوچھ رہی تھی اور لب ساختہ نظر چرا گیا۔ بتائیے میرے بابا کو کیا ہوا ہے؟''

وہ قدرے زور سے زور زور دے کر بول تھی۔

انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے وہ مجرمانہ انداز میں بولا تھا'' میرے بابا کو کچھ بھی ہوا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی اس کے آنسو میں روانی آگئی تھی۔ چینج کرلو تو ہم ہاسپٹل چلتے ہیں۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے اس طرح جاؤں گی تو کم از کم اپنوں کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں

پڑے گی اس نے آنسو گرے تھے اور وہ شرمندہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

''ابے' رخصتی کے لیے کہہ رہے ہیں زونی۔'' رخصتی اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی۔ وہ اسے زبردستی گاؤں لے آئے تھے کہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے وہ عثمان حیدر کی موت کا خود کو ذمہ دار سمجھ لیا تھا اور انہیں صرف بھائی کی پرواہ نہ تھی۔ اور ایک یونہی گزر گیا اور وہ شہر جانے کے لیے پر تولنے لگا تو انوں نے رخصتی کی بات کر دی۔

دیکھو زونی جو ہونا تھا ہو گیا ہے اور جو کچھ ہوا ہے اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد تو ہوتی ہے تم پر نہیں، اس کے لیے بہتر ہوگا کہ تم اس سب کو بھول جاؤ وہ ایک ہی بات کی گردان سے چڑ گئے تھے کیا بھولنا اتنا آسان ہے بڑے لالہ.....؟ میں اپنی نظروں سے گر گیا ہوں.....؟ اُم لیلیٰ کے فادر وہ مر گئے ہیں۔

''ہاں تو کیا ہوا ہر انسان کو اول و آخر مرنا ہی ہے۔

بہتر ہوگا تم ان فضول سوچوں سے اٹھنے گرنے کے عمل سے نکل آؤ، کہ ہم نے وہی کیا جو بہتر سمجھا۔ اور ہم نے جو کیا اس کے لیے ہمیں مجبور کیا گیا تھا، پرپوزل لے گئے تھے اور کیا کرتے؟ تم نے ایک ہی تکرار کر کے ہمارے غصہ کو آواز دے رہے ہو اور وہ ہوگا جو ہم چاہتے ہیں اور اب اور ہم رخصتی کا سوچ چکے ہیں اور اپنی سوچ کا فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کو ہم شہر جا رہے ہیں اور یہ یاد رکھنا کہ جو تم نے آخری دفعہ کہا ہے اور ہم نے آخری مرتبہ سنا ہے، تم اپنا اور ہمارا سکون خراب نہ کرو۔'' وہ غصہ سے کہتے پھرے نہ تھے اور وہ جس ماحول میں جن لوگوں میں پلا بڑھا تھا جن کی بے حسی کے کتنے ہی نظارے کیے تھے اس کے باوجود بھی ملک زوبیر عباسی کی بے حسی سے اس کو تکلیف پہنچی تھی کہ وہ اس ماحول میں کبھی ایڈجسٹ ہو ہی نہیں سکا اور نہ ہی راہ فرار پا سکا کہ جس ماحول میں اس کی جڑیں تھیں وہ وہاں سے نکلنے کا محض سوچ سکتا تھا کہ اس طرح نکل جانے سے بھی احساس اور رشتے کی ڈور جڑ میں اٹکی جا رہی تھیں یہی وجہ تھی کہ اپنوں سے، اپنی روایات ماحول سے جو لوگ دور ہو کر زندگی گزارتے ہیں وہ ادھوری نا آسودہ زندگی بسر کرتے ہیں کہ اپنوں کی کشش مٹی کی کشش انہیں اپنی جانب کھینچتی رہتی ہے۔

☆......☆......☆

''ہم اپنے بیٹے کے اٹھائے قدم پر شرمندہ ہیں یہ انداز مخاطب ان کا شیوا نہیں تھا کہ وہ غلطی تو غلطی گناہ کو بھی انجام دینے کے بعد شرمندگی محسوس نہیں کرتے تھے اور شرمندہ تو اب بھی نہیں ہیں ہاں بس اس ضرب المثل پر چلتے ہیں کہ گڑ نہ دو گڑ جیسی بات کرو، اور وہ یہی کر رہے تھے آپ کی شرمندگی سے ہماری تکلیفیں تو ختم نہیں ہو سکیں گی بابا زندہ نہیں ہو سکتے؟''

میری بہن کو خوشیاں نہیں مل سکتیں۔'' وہ چہرے آنکھوں میں حزن لیے بولا تھا۔

''ہم نہ کسی تکلیف کا ازالہ کر سکتے ہیں، نہ کسی کو زندگی دے سکتے ہیں، ہاں اپ کی بہن کو خوشیاں ضرور دے سکتے ہیں اور آج ہم اسی سلسلے میں بات کرنے آئے ہیں جن حالات میں نکاح ہوا بہر حال نکاح ہو گیا ہے اور ہم اب عزت سے اپنی بہو کو رخصت کر کے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں وہ سبحان کے ترش لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی و حلاوت سے بولے تھے۔

''آپ کے بیٹے جو عزت دے چکے ہیں بس

وہی بات ہے، مزید ذلت کی ضرورت نہیں ہے ہمیں آپ لوگ یہاں سے تشریف لے جائیں کہ جس نکاح کی آپ دہائی دے رہے ہیں میں اور میری فیملی اس نکاح کو مانتی ہی نہیں ہے بہت جلد آپ کے بیٹے کو خلع کا نوٹس مل جائے گا۔ ملک زوبیر عباسی نسوانی آواز پر خاموش ہوئے تھے۔ اور وہ ڈرائنگ روم کے وسط میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ سوچ سمجھ کر بولو بھرجائی کہ جو ناممکن ہے۔''

''ناممکن کو ہم ممکن بنا سکتے ہیں اتنے بھی کمزور نہیں۔

''بھرجائی تم ہرگز کمزور ہو اور رہوگی بہتر ہوگا کہ فضول کی چیخ چیخ مت کرو سیدھے طریقے سے پہلے اپنانا چاہا زور پر اڑ کر انجام دیکھ لیا پھر وہی غلطی دہرانے کی کوشش نہ کرو ہم جب تک نرم مزاجی سے دکھاتے ہیں جب تک ہماری بات مانی جاتی ہے کہ اپنے اصول اور بات کے خلاف کسی کو جاتے نہیں دیکھ سکتے۔

اور جو رشتہ قائم ہو چکا ہے وہ اب مدت کے بعد بھی ختم نہ ہوگا اور وہ صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور شعلہ جوالہ بنی اُم لیلیٰ کو گھورتے ہوئے بول رہے تھے۔ اگر اس رشتے سے مر کر جان چھڑانی پڑی۔

''للی اندر جاؤ تم میں بات کر رہا ہوں۔''

''سبحان بھیا......''

''اندر جاؤ ابھی صرف بابا مرے ہیں میں تمہارا بھائی زندہ ہوں میں سب کچھ دیکھ لوں گا وہ جھلملاتی ہوئی نگاہوں سے بھائی کو دیکھتی وہاں سے چلی گئی تھی

''ہم عزت دار لوگ ہیں نکاح کی اہمیت خوب سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ہماری عزت پر حرف آئے اُم لیلیٰ نادان ان باریکیوں کو نہیں سمجھتی کہ جو ہوا ہے اس کو ایکسپٹ کرنا اس کے لیے مشکل ہے اس کچھ وقت چاہیے اور مجھے یقین ہے آپ اس سلسلے میں تعاون کریں گے۔ کہ رخصتی کرنا ابھی ہمارے لیے ویسے ہی ممکن نہیں، ابھی تو بابا کا چہلم بھی نہیں ہوا اور ماما عدت میں ہیں اس لیے یہ وقت ان باتوں کیلیے مناسب نہیں ہے رشتہ قائم ہو چکا ہے اور ہم توڑنا نہیں چاہیں گے اس لیے آپ کو اُم لیلیٰ کے گریجویشن تک تو انتظار کرنا پڑے گا سبحان نے کافی عقلمندی دسمجھاؤ سے بات کی تھی وہ دونوں ہی اس کے قائل ہوگئے۔''

آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے لیکن ہم وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اتنا ہی انتظار کر سکتے ہیں جتنی ضرورت ہے آپ کی والدہ کی عدت کے پندرہ دن بعد ہی رخصتی ہوگی کہ ہمارے ہاں غیر برادری میں شادی نہیں ہوتی۔ شادی ہوگئی ہے تو ہم نبھانا چاہتے ہیں اور ہمارے گھر کی بہو بیٹیاں بناء کسی حجاب و پردے کے خیال کے بغیر نہیں پڑھا کرتیں جب تک وہ آپ کی بہن تھی آپ نے آزادی دی یہ آپ کا اپنا فعل تھا مگر اب وہ ہمارے خاندان کی بہو ہے ہماری عزت ہے اور یہ بات ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے کہ وہ مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھے، ہم نے کوئی نوکری نہیں کروانی جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا اب آگے نہیں، ایسی کوئی اجازت ہم نہیں دیں گے۔ ملک زوبیر عباسی کا وہ حساب تھا جیٹ بھی میری پٹ بھی میری

'ہم آپ کی خوشی وخواہش کا احترام کریں گے لیکن اُم لیلیٰ یہ سمسٹر تو دے فی، اور ہمیں یقین ہے آپ ہماری اتنی سی بات تو کم از کم رکھیں گے، وہ بھی کافی اٹل لہجے میں بولا تھا اور وہ غصہ کی لپیٹ میں آتے کچھ کہنے لگے کہ ملک ملک زوبیر عباسی نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور خود بولے تھے۔

ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ رشتے کچھ مان

کر کچھ منوا کر ہی خوش اسلوبی سے نبھائے جا سکتے ہیں اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی آپ نرمی دکھا رہے ہیں آپ ہماری مان رہے ہیں تو ہم بھی آپ کی مرضی وخوشی کا احترام کریں گے بھرجائی یہ سمسٹر دیں گی اس کے بعد ہی رخصتی ہوگی جو ہوا آپ بھی بھول جائیں ہم نے بھی بھلا دیا ہے لیکن اجازت دے رہے ہیں مگر مکمل آزادی نہیں دے رہے ہیں کہ بھرجائی اب ہمارے اصولوں پر چلنا پڑے گا جامعہ وہ حجاب میں جائیں گی، اور لانے لے جانے کی ذمہ داری ہماری ہوگی ہم ڈرائیور کا انتظام کر دیں گے۔ اب چلیں گے کہ کافی وقت ہوگیا ہے۔

آنا جانا انشاء اللہ لگا ہی رہے گا'' وہ جانے کو کھڑے ہوگئے ان کی باتیں طیش تو دلاتی تھیں مگر وہ بہن کی خوشیوں کے آگے زندگی کا سوچ کر چپ ہی رہا کہ بہن بیٹی والے کمزور نہیں ہوتے مگر اولاد کی بھلائی کے لیے مہر بہ لب ہو جاتے ہیں کہ اسی میں بہن بیٹیوں کی بھلائی پنہاں ہوتی ہے اور اُم لیلیٰ کی بھلائی کا سوچ کر ہی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی نرمی دکھا تا جھک گیا کہ ٹوٹنے سے بہتر جھکنا ہی ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

''تم سبحان بھیا کو کہہ دو ہانی وہ شخص نہیں پسند۔''

''بات تمہاری پسند اور ناپسند کی حدود سے نکل گئی ہے۔''

''ہاں میں بہت مجبور ہوگئی تھی لیکن میں اس مجبوری کے طوق کو ساری زندگی کے لیے گلے کا ہار نہیں بنا سکتی۔ جس سسٹم کے جن لوگوں کے میں خلاف تھی اس کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی اس شخص سے مجھے شدید نفرت ہے ہانی جس نے اپنی طاقت سے مجھے زیر بار کر یا اور میں نے عزت بچانے کے لیے اسی کو جو عزت کے در پر تھا عزت کا محافظ بنا لیا مگر نہیں گزار سکتی اس کے ساتھ پوری زندگی کہ جب جب اس کی اور اس کے بھائی کی شکل دیکھوں گی اپنی بے بسی یاد آئے گی، اس کا جھکانا اور میرا جھکنا یاد آئے گا تم لوگ تو کم از کم میرے احساسات کو سمجھو میں نے محبت بھی نہیں اپنا وقار اور بھرم بھی کھویا ہے۔ وہ شخص جو مجھے آفر کر رہا ہے وہ میری نسوایت کی توہین تھی میرے پندار کو ٹھیس لگی ہے اور سبحان بھیا چاہتے ہیں کہ میں قسمت پر شاکر ہو جاؤں جو ہوا وہ بھول جاؤں کیسے ہانی کیسے؟ اس شخص کی شکل مجھے کچھ بھی کبھی بھی بھولنے نہ دے گی اور میں تل تل کر مرنا نہیں چاہتی۔'' اس کے آنسو پانی کی مانند بہہ گئے۔ میں تمہارے احساسات سمجھ رہی ہوں مگر تم بھی تو یہ ساری صورتحال سمجھنے کی کوشش کرو جو تم چاہتی ہو وہ نہیں ہوسکتا کہ رشتہ قائم ہی نہ رکھنا ہوتا تو قائم کیوں کیا جاتا؟ اور یہ بھی تو سوچو کہ جن دھمکیوں کے زیر اثر سے نکاح نامے پر سائن کروائے گئے وہ عوامل تو زندہ نہیں وہ اس دن بھی کچھ کر سکتے تھے اور آئندہ بھی بوہ تمہیں ہی نہیں ہماری فیملی کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں بڑے بابا کو تو ہم کھو ہی چکے ہیں۔ اب کسی اور کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے، اسی ڈر سے صرف تمہاری خوشیوں کے لیے تمہیں کھونے سے ڈر سے وہ اس سب کے لیے راضی ہوئے ہیں کہ نکاح کی اہمیت اور وقعت نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کہ تم ملک زونیر عباسی کی بیوی ہو، تم ساتھ جانے سے انکار کرو گی تو وہ زبردستی لے جا سکتے ہیں۔ وہ بہت نرمی سے بول رہی تھی کہ وہ بول پڑی۔

''ہاں تو ملک زونیر عباسی، محض زبردستی ہی کر

سکتے ہیں مجھے میری رضا سے نہیں اپنا سکتے، جیسے طاقت کے بل پر بیوی بنایا گے آگے بھی طاقت آزمالے میں اپنی رضا سے تو اس کے ساتھ جانے سے رہی۔'' وہ آنسو رگڑتے ہوئے ضدی وہٹ دھرم لہجے میں بولی تھی۔

''پاگل ہوگئی ہو۔فضول کی باتیں و حرکتیں کر کے خود بھی تماشہ بنوگی اپنی فیملی کو بھی بناؤ گی۔''

''میں اس سے زیادہ تماشہ کیا بنوں گی، تم لوگ کچھ بھی کہو میں اس سب کے لیے راضی نہیں ہوں گی۔''

ملک زونیر عباسی کو ناکوں چنے نہ چبوا دیے تو میرا نام بھی اُم لیلیٰ عثمان نہیں۔'' اس کا ٹھوس و وائل نہ جھکنے والا انداز ولہجہ انتقام کی آگ کے شعلے دکھاتا اس کو کچھ سہا گیا تھا اور اس نے سجان کو اس کے ارادے بتا دیے۔''آج کے بعد تم اس سے اس موضوع پر بات نہ کرنا کہ وہ ابھی کچھ سمجھے گی نہیں رخصتی کے لیے تقریباً 5 ماہ لیے ہیں کچھ ماہ گزریں گے تو اس کا غصہ اور جذباتیت کچھ مدھم پڑ جائے گی تو میں خود ہی اس سے بات کرلوں گا۔'' آج کے بعد اب ایسے بن جانا ہم نے جیسے وہ تکلیف دہ باتیں ہماری زندگی کا خاص کا اُم لیلیٰ کی زندگی کا حصہ نہ ہوں۔'' اس نے اپنے طور پر تو کہہ دیا مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔

☆......☆......☆

کیوں مان نہیں لیتیں للی، سجان کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا حجاب تو لڑکیوں کو سیفٹی دیتا ہے۔''

پورے ڈیڑھ ماہ بعد وہ یونیورسٹی جارہی تھی کہ آج سیمسٹر کی فرسٹ کلاس ہے سجان نے اسے حجاب لینے کو کہا تھا۔ پہلے تو وہ چونکی تھی اور ابرو چڑھا کر وجہ بیان کی تھی اور سبب پتہ چلنے پر تو وہ غصہ سے بھڑکتی صاف انکاری ہوگئی تھی تو بیٹے کو غصہ میں آتے دیکھ کر انہوں نے بیٹی کو سمجھانا چاہا لیکن وہ سمجھنے کو تیار ہی کب تھی۔ یہی بات تو تھی کہ پہلے خیال کیوں نہ آیا۔'' گہرے طنز سے بولی۔

''اب آگیا ہے نہ تو بس وہی کرو جو ہم نے کرنے کو کہا ہے۔''

''سجان بھیا! یہ آپ کا حکم ہوتا نہ تو ایک لفظ کہے بغیر عمل کرتی لیکن اب نہیں کہ میں آپ کے ارادوں سے انجان نہیں مگر یہ بھی طے ہے کہ میں اس رشتے کو نبھانے کی طرف سے سفر نہیں کروں گی اور جو رشتہ ہی نہیں نبھانا تو اس نام ونہاد رشتے سے جڑے نام نہاد رشتے داروں کے حکم کی تعمیل کیوں کروں......؟''

''خدا کے لیے چپ ہو جاؤ زندگی پہلے ہی کم مشکل میں ہے، تم مذید نہ بناؤ، نہ خود تماشہ بنو نہ ہمیں بناؤ۔ جب حالات میں رشتہ جڑا ہے کمپرومائز کرنا پڑے گا عزت اسی میں ہے۔'' ان کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔'' مجھے ذلت بھری عزت کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں جن ذلیل لوگوں کے ذکر سے ہی نفرت ہے ان کی مرضی پر تو مجھے تھوپنے کی کوشش نہ کریں۔ بوجھ لگنے لگی ہوں تو صاف کہہ دیں، کسی یتیم خانے میں چلی جاؤں گی، اس بد بخت کی راحت کا ساماں نہیں بنتا مجھے۔''

وہ ماں کے اٹھے ہاتھ کو بہتی آنکھوں سے دیکھتی بیگ اٹھاتی جھٹکے سے نکلتی چلی گئی۔'' میں تماشہ نہیں چاہتی سجان، تم اس لڑکے کو فون کر کے بلاؤ میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ وہ گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔'' تم للی کے پیچھے جاؤ کہ وہاں ملک زونیر عباسی سے ملاقات ہو تو اس سے کچھ کہہ نہ دے۔ سجان شکستگی سے بولا تھا۔

"لیکن تائی امی......"

"مما کے پاس میں ہوں تم جلدی جاؤ اور گاڑی لے جاؤ میں گھر پر ہی ہوں۔" نبیل سے اٹھا کر گاڑی کی چابی اسے دی تھی۔ جسے وہ تھامتی اور کتابیں اٹھائے باہر نکل گئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے روتے ہوئے چلتے جا رہی تھی سبحان کی گاڑی دیکھ رکی تھی اور خاموشی سے آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ "تم، کیا سبحان بھیا آفس نہیں جائیں گے جو تم گاڑی لے آئی ہو۔" آنسو رگڑ کر بولی۔

"سبحان دیر سے جائیں گے اور بڑے پاپا کی گاڑی میں چلے جائیں گے اس نے جا کر یہ سب کہا تھا کہ وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ للی تم اس سب میں حق بجانب تو ہو، لیکن اس سب میں تائی امی بری طرح متاثر ہو رہی ہیں، تائی امی کی صحت اچھی نہیں ہے، بڑے پاپا کی موت کا صدمہ بھی گہرا ہے تم صرف تائی امی کے لیے ہی کمپرومائز کر لو وہ نہایت نرمی سے بولی تھی۔

"میں کسی کے لیے بھی کمپرومائز نہیں کروں گی۔" ترشی سے بولی اور وہ کچھ کہتی کہ ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا اور اُم ہانی لب بھینچ گئی تھی۔ گاڑی سے اتر کر چند قدم ہی آگے چلی تھی کہ پہلی نگاہ ملک زونیر عباسی پر پڑی تھی جو اسد سے بات کر رہا تھا کسی بات پر ہنس رہا تھا اور اس کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھا نہ ہی دیکھا تھا اسے متوجہ اسد نے کیا تھا اور وہ اس دشمن جان کو ڈیڑھ ماہ بعد دیکھ مبہوت ہو گیا تھا کہ گلابی چہرہ تیکھے نین نقوش، سرخ ناک، بھیگی بھیگی سرخ آنکھوں سے وہ اس کو گھور رہی تھی اور وہ اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا اور اس کے ذہن و دل میں نفرت اُمڈنے لگی تو وہ بڑی تیزی میں وہاں سے نکلی تھی اور عجلت میں زمین پر پڑا پتھر دیکھا نہ تھا ٹھوکر لگی تو بری طرح لڑکھڑا کر گئی گرتی کہ اس نے بازو تھام لیا تھا۔" ہے ڈونٹ ٹچ می۔" ہاتھ چھوڑو میرا۔

وہ بری طرح چیخی تھی۔ گزرتے ہوئے اسٹوڈنٹ متوجہ ہو گئے تھے اور اس نے شعلہ برساتی نگاہوں کو دیکھا اور بازو آزاد کیا۔" ملک زونیر عباسی اپنی حد میں رہو تم جیسے گھٹیا لوگوں کے سہارے پا کر سنبھلنے سے بہتر ہو گا گرنا میرے لیے۔ اس لیے آئندہ ایسی غلطی مت کرنا انگلی اٹھا کر وارن کرتی بہت تیزی سے نکل گئی تھی جبکہ پیر میں تکلیف کا احساس جاگا تھا کیونکہ داہنے پیر کے انگوٹھے کا ناخن آدھا اکھڑ گیا تھا تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔

اُم ہانی نے اس کے چہرے کو دیکھا جو ذلت پر سرخ ہو گیا تھا اور وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

اس نے کلاسز تک نہیں لی تھیں اور اس نے ایک کلاس بھی بنک نہیں کی تھی، بھوک کے مارے جان نکل سی رہی تھی کیونکہ ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور ڈھائی بج گئے تھے۔" گھر چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟" اس نے کتابیں سستی سے بیگ میں رکھتے دیکھ چبتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔" گھر جانے کا دل نہیں کر رہا کہ وہاں جاؤں گی تو پھر وہی چخ چخ۔" وہ جیسے اپنوں سے بھی بدگمان ہو گئی تھی اس نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہارا دل نہیں کر رہا ہو گا مگر میں گھر جانا چاہتی ہوں، اٹھو اور چلو۔" وہ خاموشی سے اٹھ گئی مگر آنکھوں کے نیچے اندھیرا سا چھا گیا تو اس نے گرنے سے بچنے کو دیوار تھام لی تھی۔" اور کرو صبح سے فاقے یہی سب ہونا تھا۔"

اس نے چڑ کر کہا تھا اور اسے پانی کی بوتل دی تھی اور اس نے جھلملائی آنکھوں سے دیکھا

اور بوتل لے کر پانی پینے لگی تھی اور وہ اسے بزردستی کینٹین لے آئی تھی۔ ''کیوں خود کو اذیت دے رہی ہو؟''

''میں نہیں دینا چاہتی، سبحان بھیا اور مما کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی، لیکن تم سب مل کر مجھے مجبور کر رہے ہو، جو میں نہیں چاہتی تم وہ لوگ مجھ سے کیوں کروا رہے ہو؟ مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔اس کے آنسو گرنے لگے اور وہ ان کے پیچھے سیٹ پر بیٹھا اس کے دکھ کو دل سے محسوس کر رہا تھا۔ اس سے بات کرنا چاہتا تھا، مگر کوئی راستہ نہیں تھا اور آج آیا یونیورسٹی اس لیے تھا اس سے بات کر لے گا اور اس کی تذلیل کرنے کے بعد اس نے کلاسز نہیں لی تھیں مگر موجود آس پاس ہی رہا تھا اور وہ کینٹین آئی تھیں وہ وہ بھی آ گیا اس وقت کینٹین میں اسٹوڈنٹ کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

''تمہیں تمہارے حال پر نہیں چھوڑ سکتے۔ پرواہ کرتے ہیں تمہاری۔'' اس کے آنسو گرنے لگے۔

''مت کرو میری پرواہ۔ وہ کچھ کھائے پیے بغیر ہی اٹھ گئی۔

''للی کچھ تو کھا لو تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے تمہاری طبیعت۔''

ویسے نہیں تو ایسے ہی مر جاؤں تو اچھا ہے۔'' بیگ کاندھے پر ڈالتی وہاں سے نکل گئی تھی۔'' میں نے اُم لیلیٰ سے بات کرنی ہے وہ ان کے سامنے آ کر بولا تھا۔ وہ آپ سے کوئی بات نہیں کرے گی وہ بہت غصہ میں ہے کچھ نہیں سنے گی۔''

''میں پھر بھی بات کرنا چاہتا ہوں۔ بڑے لالہ کے ذریعے اُم لیلیٰ کی مرضی وضد پتا چلی ہے، صبح کا رویہ ابھی کی باتیں میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جو کچھ ہوا ہے اس سب میں میں بھی اُم لیلیٰ کی طرح بے بس ہوں اور میں اُم لیلیٰ سے بات کر کے آخر کوئی اپنا فیصلہ لینا چاہتا ہوں وہ اسے کافی سنجیدہ لگا اور صبح اُم کلثوم نے بھی تو اس سے بات کرنے کا کہا تھا اس لیے اس نے سوچا کہ وہ ڈائریکٹ اُم لیلیٰ سے ہی بات کر لے تاکہ اس کا صاف انکار اس تک پہنچ جائے پھر اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' میں گھر چلی جاتی ہوں آپ اُم لیلیٰ سے بات کر لیں اور میں اگر آپ پر بھروسہ کر کے اُم لیلیٰ کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے رہی ہوں تو امید ہے آپ میرے بھروسے کو توڑیں گے نہیں اور اس کی بد تمیزی کے جواب میں بھی اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں کریں گے میں اُم لیلیٰ کو جانتی ہوں وہ آپ کی بات سنے گی نہیں صرف اپنی تلخیاں آپ پر ظاہر کر دے گی۔

''یہی تو میں چاہتا ہوں کہ ساری تلخیاں و غبار نکل جائے کہ گناہ گار میں ہوں مجھے سخت سے سخت سنا کر وہ کوئی سزا تجویز کرے۔

تو سب کے لیے یہی بہتر ہوگا تو آپ اطمینان سے جائیے کہ میں آپ کے بھروسے کو نہیں توڑوں گا کہ جتنا نقصان ہو چکا ہے وہی کم ہے وہ تاسف سے بول رہا تھا۔

''اُم لیلیٰ تو گاڑی میں بیٹھ گئی ہے اب کسی قیمت پر نہیں اترے گی اور میں اس سے کیا کہوں گی؟ اور آپ اس سے بات کہاں کریں گے؟'' وہ پارکنگ تک آ گئے تھے آپ کو میرا ڈرائیور چھوڑ دے گا اپنی گاڑی کی چابی مجھے دے دیں میں ایک گھنٹہ تک اُم لیلیٰ کو بہ حفاظت گھر چھوڑ دوں گا۔'' اس نے بڑی خاموشی سے گاڑی کی چابی اسے تھما دی وہ گھٹنوں میں سر دیے پیر سیٹ پر رکھے بیٹھی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تھی مگر اس کی پوزیشن میں فرق

نہ آیا۔'' اُم لیلیٰ گاڑی یونیورسٹی کی حدود سے نکالنے کے بعد اسے پکارا تھا اور اس نے آواز پر تڑپ کر سر اٹھا اور اسے دیکھ کر پہلا تاثر بے یقینی اور حیرت کا تھا جو دوسرے ہی لمحے نفرت وخوف میں تبدیل ہوگیا۔

''آ...... آپ یہ...... یہ ہا...... ہا...... ہانی کہاں ہے......؟''

''اُم ہانی میرے ڈرائیور کے ساتھ گھر چلی گئی مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی گاڑی روکیں۔ وہ دھاڑی تھی اور وہ اُس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔'' میں گاڑی سائیڈ میں روک رہا ہوں، تم مجھ سے بات۔ گاڑی روکتے ہوئے بول رہا تھا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔' دروازہ کھولنے لگی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ گیا تھا اور اس نے تو اپنا ہاتھ یوں کھینچا جیسے کرنٹ چھو گیا ہو۔'' بات کیے بغیر تم جا نہیں سکتی ہو۔

بہتر ہوگا کہ میری بات سن لو۔

'' نہ سنوں تو میں اگر آپ کی ات تو کیا ہوگا......؟''

شادی کے انکار پر اغواء کرایا تھا، عزت تار تار کرنے کی دھمکی دے کر نکاح نامے پر سائن کروائے تھے، بات نہ سننے کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیں گے۔''

''اُم لیلیٰ اس کی کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔'' چلاؤ مت ملک زونیر عباسی کہ چلانا میں بھی جانتی ہوں اور سچ تمہیں اتنا کڑوا کیوں لگا......؟'' اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہی تو تم نے اپنی طاقت کے جوہر دکھائے تھے مگر اپنی فتح کا جشن منا نہیں سکے تھے نہ ہی مجھ پر حق جتا سکے تھے۔''

''میں نے جس مقصد سے بھی اپنے طاقت کے جوہر دکھائے ہوں مگر یہ تو طے ہے کہ تم میری بیوی ہو، میں تمہیں آزاد نہیں کرنے والا اس لیے زبردستی سے جوڑا گیا رشتہ زبردستی ہی نبھاؤ، نبھانا تو پڑے گا اس نے اپنی تمام تر نرم مزاجیاں ایک طرف کر کے سختی سے کہا تھا کہ وہ اس کی ہٹ دھری سے کچھ پہلے واقف تھی کچھ واقفیت آج کل میں ہوئی تھی اس لیے اس کے ساتھ وہ نرمی برت نہیں سکتا تھا کہ وہ باتیں بھی تو شکل کرنے والی ہی کر رہی تھی اور اس کا تو خون ہی گرم تھا کہ باپ دادا سے وراثت میں غصہ وجلال لے کر پیدا ہوا تھا۔

''میں کسی رشتے کو نہیں مانتی وہ مدھم اب بھی نہ پڑی تھی۔

''تمہارے ماننے نہ ماننے سے حقیقت مٹے گی نہیں تم قانوناً اور شرعاً میری بیوی ہو۔''

''میں تم جیسے گھٹیا لوگوں کو خوب سمجھتی ہوں جو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے قانون اور شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اس کو ملک زونیر عباسی کا بیوی کہنا گالی کی مانند لگا تھا۔

''چلو کچھ نہ کچھ تو کرتے ہی ہیں اچھا نہ سہی مذاق ہی سہی، مذاق میں کہو طاقت کی زور آزمائی کہو بیوی تو بن گئی ہو چھوڑو اب فضول کے واویلے نفرت کے اظہار اور رخصتی کے لیے مان جاؤ۔'' وہ اس کو دیکھ رہا تھا اس کا گلابی چہرہ غصہ سے دہک رہا تھا وہ اس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور اس نے آنسو صاف کرنے کو ہاتھ بڑھایا تا کہ وہ ہاتھ جھٹکتی ناگواری سے منہ پھیر گئی تھی۔

''اپنی حد میں رہو ملک زونیر عباسی، چھونے کی کوشش بھی نہ کرنا ورنہ۔''

''ورنہ کیا مسز ملک زونیر عباسی۔'' وہ کچھ ریلکس ہوگیا تھا۔'' ورنہ میں تمہیں جان سے ماردوں گی۔''

وہ بجز کی تھی۔

''جان بھی دے دوں تو کہے تو اوجان جاناں۔''

چھڑا تی دروازے سے جا چپکی تھی۔ ''مجھ سے دور رہیں ملک زونیر عباسی، اپنی کسی بھی خواہش کی تکمیل کے لیے میرے نزدیک آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ لہجے میں خوف تھا اور آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔'' او مائی گاڈ شیرنی کب تک بکری کے قالب میں ڈھلنے لگی......؟'' اس کا رُخ اپنی جانب کیا اور وہ آنکھیں میچ گئی لرزتی پلکیں، کانپتے لب، اس نے بے اختیار اسے سینے سے لگالیا۔ ''آئی لو یو اُم لیلیٰ، جو ہوا اس سب میں، میں بے قصور ہوں، بھول جاؤ معاف کردو مجھے اور۔

''پلیز لیوی......؟'' روتے ہوئے مزاحمت کی تھی اور وہ جیسے ہوش میں آتا اسے آزاد کر گیا تھا۔

میں نفرت کرتی ہوں تم سے۔''

نہیں رہنا تمہارے ساتھ نہیں رکھنا تم سے کوئی رشتہ، نہیں کر سکتی ہوں تمہیں معاف نہ ہی بھول سکتی ہوں اپنی توہین، تم نے میرا سارا غرور طنطنہ اپنی طاقت تلے روند دیا، اُم لیلیٰ کو زندہ درگور کر دیا۔ میری زندگی تباہ کر کے درمیانی راہ نکالنے کے خواہش مند ہیں، مجھے نہیں نکالنی ایسی کوئی درمیانی راہ، آزاد کر دیں مجھے نام و نہاد زبردستی کے کاغذی رشتے سے۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسک رہی تھی۔

''نہیں کر سکتا ہوں محبت کرتا ہوں تم سے......'' اس کی تڑپ اور تکلیف پر وہ تڑپ اٹھا تھا۔ میں آپ سے نہ محبت کرتی ہوں نہ کر سکتی ہوں۔ آپ نے صرف اپنی خواہش اور اپنی محبت صرف اپنے بارے میں سوچا، میں میری خوشی، میری محبت کا کیا ملک زونیر عباسی؟ سپنے تو میں نے بھی کچھ سجائے تھے، تمنا تو میں نے بھی کی تھی محبت میں نے بھی کی تھی آپ نے اپنی محبت کے نصیب میں وصل لکھنے کی خواہش میں میری زندگی جہنم بنا دی ہے میری محبت کو ہجر عطا کر دیا۔ اور میں کیوں آپ کے بارے میں سوچوں؟ جس نے میری اتنی توہین کی، انکار کا مجھے حق تھا مگر میرے انکار کو اقرار میں بدل دیا گیا ہے۔ آپ کہتے ہیں نہ اس سب میں آپ کا کوئی ہاتھ نہ تھا کیوں اب زبردستی کر رہے ہیں؟ کر دیں مجھے آزاد اس نے بڑی بے دردی سے آنسو رگڑ کر اسے دیکھا تھا۔ ''تم سمجھ نہیں رہی ہو اس سب میں میری فیملی انوالو ہے میں تمہیں طلاق نہیں دے سکتا ہوں کہ ہمارے ہاں طلاق نہیں دی جاتی ہے میں نے اگر ایسا کیا تو اب تمہیں مار دیں گے وہ بے بسی کی کڑی منزل پر کھڑا تھا۔

''ہاں تو مار دیں تا ذلت کی زندگی سے تو عزت کی موت بہتر ہے۔'' وہ تڑخ کر بولی۔ ''میں تمہیں طلاق تو کسی قیمت نہیں دوں گا اور چاہتی ہو کہ جس طرح پہلے زبردستی کی گئی ایسا کچھ دوبارہ نہ کی جائے، تو اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دو لب پر آنے بھی نہ دو کہ میں سختی اور جارحانہ پیش روف نہیں کرنا چاہتا ہوں کہ تم ضد پر قائم رہیں تو مجھے جبراً ساتھ لے جانا ہوگا اور ایسا کرتے ہوئے مجھے کسی بھی قسم کی شرمندگی نہ ہوگی۔ سختی سے لفظ لفظ پر زور دے کر بولا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''فی الحال میں تمہیں گھر ڈراپ کر رہا ہوں۔ اپنا مائنڈ میک اپ کر لو بہت جلد تم نے دلہن بن کر میرے سونے آنگن میں اتر کر اسے اپنے وجود سے آباد کرنا ہے۔

''میں ایسا کچھ نہیں کروں گی، تمہاری زندگی جہنم سے بدتر نہ بنا دی تو میرا نام بھی اُم لیلیٰ عثمان نہیں۔'' وہ اس کے مضبوط ارادوں کے سامنے بھربھری مٹی کی

مانند بیٹھتی چلی گئی۔ ''یہ میرا تم سے وعدہ رہا تمہار ہر سزا کو ہنس کر برداشت کرتا رہوں گا۔ مگر تم پر کوئی آنچ آنے نہیں دوں گا۔'' اس کی ہٹ دھری سے بھی تکلیف ہوئیت ھی اور اس کی بے بسی بھی دل پر وار کیا تھا۔ مجھے آپ کے وعدے نہیں چاہیں جو نقصان میرا کر چکے ہیں بس وہی بہت ہے کہ یہ ازالے کی نہیں میری بے بسی اور مجبوری آزمانے کی کوشش ہے۔''

''میں تمہاری مجبوری کو خوشی بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔''

''ملک زونیر عباسی، مجبوریوں کے طوق کبھی خوشی نہیں بنتے۔''

وہ آنسو رگڑتی بیگ کاندھے پر ڈالتی آنچل سنبھالتی گاڑی سے اتر گئی تھی۔ ''ملک زونیر عباسی، یہ میرا اُم لیلیٰ عثمان کا تم سے وعدہ رہا کہ میں اپنی مجبوریوں سے تمہیں اور تمہارے خاندان کو فائدہ اٹھانے نہیں دوں گی۔ اپنی مجبوری کو ڈھال بنا کر تمہیں تمہاری اوقات بتاؤں گی، تمہیں اس نہج پر لے جاؤں گی کہ تم مجھے خود آزاد کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔'' وہ بے لچک لہجے میں کہتی ٹھہری نہ تھی، گھر میں داخل ہوئی تھی کہ پہلی نگاہ سبحان کے ساتھ بیٹھے ملک زوہیر عباسی پر پڑی تھی کہ جنہیں وہ نظر انداز کرتے گزرنے لگی تھی کہ لالہ یہ بھرجائی اپنے سابقہ حلیے میں ہی جامعہ گئی تھیں، جبکہ ہم نے کہا بھی تھا حجاب۔''

''ملک زوہیر عباسی میں اپنی مرضی کی آپ مختار ہوں کسی کے فیصلوں پر نہیں چلتی۔'' وہ رک کر درشتگی سے بولی تھی سبحان نے اسے گھورا تھا اور وہ تو بھڑک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''بھرجائی زمانے چلے گئے جب آپ کی مرضی چلا کرتی تھی اب وہی کریں گی جو جیسا جو چاہیں گے۔''

''وہ زمانے کبھی نہیں آئیں گے ملک زوہیر عباسی، اور تم مجھے حجاب میں کیوں دیکھنا چاہتے ہو اس لیے کہ میں تمہارے خاندان کی بہو ہوں تمہارے اس گھٹیا بھائی کی بیوی ہوں۔ جو عزتوں کی پامالی کی دھمکیوں کی بنا پر شرعی رشتے قائم کرتا ہے وہ انہیں تحیر بھری نگاہوں سے دیکھتی طنزاً کہہ رہی تھی۔

''بھرجائی زبان سنبھال کر بات کر۔'' وہ بھڑک اٹھے تھے۔

''آواز نیچی رکھو یہ تمہارا نہیں ملک زوہیر عباسی، اُم لیلیٰ عثمان کا گھر ہے۔'' للی تمیز سے بات کرو۔

''سبحان بھیا تمیز سے اس سے بات کی جاتی ہے جو عزت کے تمیز کے لائق ہوتے ہیں اور یہ مجھے حجاب کروائیں گے، انہیں اپنی عزت کا بڑا خیال ہے کہ ان کی بہو بیٹی کو کوئی دیکھے بھی نہ، اور خود یہ دوسروں کی بہن بیٹیوں کو اغواء کر کے دھمکا کر اپنائیں، بے عزت کریں۔ میری بات کان کھول کر سن لو ملک زوہیر عباسی، تم لوگوں کے کہنے پر میں کچھ نہیں کروں گی اور اب کیوں کروانا ہے۔ مجھ سے حجاب ڈر ہے کہ کوئی اور آپ جیسی جی داری نہ دکھا دے۔''

''بس چپ کر جاؤ، میری خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھو زونی مجھے بے حد عزیز ہے اور اس کی خوشی کے لیے۔''

ان کا چہرہ خطرناک حد تک لہو رنگ ہو گیا تھا۔

''میں انسانیت کے درجے سے بھی گر سکتا ہوں۔''

''ہاں ایسا ہی ہے اور تم نے جتنی بدتمیزی کی ہے نہ کوئی اور ہوتا تو کھڑے کھڑے زمین میں گاڑ دیتا مگر تم زونی کی بیوی ہو اس لیے برداشت کر گیا اور مسٹر سبحان اس لڑکی کے تیور ہم نے دیکھ لیے رخصتی چھ ماہ بعد نہیں کل ہی ہو گی، تیاری کر لیجیے گا۔'' ایک تیز نظر شعلہ جوالہ بنی اُم لیلیٰ پر ڈالی تھی اور اُم لیلیٰ اس ردپ میں حیران ہوتے سبحان کو مخاطب کیا تھا۔ ''یہ تمہار بھول ہے کہ میں اپنی رخصتی کے لیے راضی ہو

جاؤں گی۔''

تمہارے راضی ہونے کی پرواہ کسے ہے، کل آئیں گے عزت سے چلو گی تو ٹھیک ہے ورنہ حربے بہت آتے ہیں۔''

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے نکلتے چلے گئے۔ ''ہاتھ جوڑتا ہوں تمہارے آگے اُم لیلیٰ نہ خود تماشہ بنو نہ ہمیں بناؤ'' معاملات کو تم نے ہٹ دھرمی سے بگاڑ دیا ہے کیوں نہیں سمجھ رہی ہو کہ وہ طاقت ور ہیں میں بہت کمزور 3 عزتوں کے ساتھ انکا متابلہ نہیں کر سکتا۔ تم اس کی بیوی کو زبردستی بھی لے جا سکتا ہے وہ، اور یہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ جو ہوا اس کی تکلیف سے ہی نہیں نکلا، تم مزید میرے لیے پریشانیاں کھڑی کر رہی ہو۔ میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم عزت سے رخصت ہو جاؤ، ورنہ یہ معاشرہ تمہیں جینے نہیں دے گا۔ جس بات کی کسی کو بھی خبر نہیں ہے کیوں سب کو خبر کرنے پر تلی ہوئی ہو؟ یہی سمجھ کر خاموشی اختیار کر لو کہ میں نے خود اس سے تمہاری شادی کی ہے اور رخصت کر رہا ہوں، کچھ تو میری بے بسی کو سمجھو کہ تمہاری ہی عزت کے خیال سے میں نے مفاہمت کی راہ اپنائی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا اور وہ بھائی کے کاندھے سے لگی سسک اٹھی تھی۔ ''آئی ہیٹ ہم بھیا، آئی ہیٹ ہم میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی وہ بری طرح بلک بلک کر رو رہی تھی، سبحان کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔ چپ کر جاؤ بس یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے اور میری بہن بہت بہادر ہے ہر آزمائش پر پوری اترے گی، اللہ پر بھروسہ ہے نہ تو بس بھول جاؤ کیا کیسے کیوں ہوا؟ صرف اللہ کو یاد رکھو کہ بس یہی اللہ نے تمہاری قسمت.....'' وہ اس کے کاندھے پر جھول گئی تو وہ چپ کر گیا اور پریشانی کے عالم میں اسے لیے ہاسپٹل دوڑا تھا۔ نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا کہ تمام صورتحال ہی پریشان کن تھی اور وہ حد درجے جذباتی اس نے اس کو سب فیل بھی بہت کیا تھا اور ان سے عثمان حیدر کی موت کا صدمہ وہ اندر تک ٹوٹ گئی تھی۔

''میری بہن کی اس حالت کے صرف اور صرف تم ذمہ دار ہو۔ بابا کی موت کا صدمہ تو میں جھیل گیا توہین بھی برداشت کر لی لیکن میری بہن کو کچھ ہوا نہ تو تم لوگوں کو چین سے جینے نہیں دوں گا کہ میں نے اگر ہر ایک توہین اور دھمکی برداشت کی ہے تو صرف اپنی بہن کی خاطر۔'' وہ دونوں بھائی کچھ دیر قبل ہی آئے تھے جبکہ وہ گیارہ گھنٹوں سے آئی سی یو میں تھی اور اب رات کے ساڑھے 3 ہو رہے تھے۔ سبحان نے تو انہیں اطلاع دینا ضروری نہیں سمجھا تھا اُم ہانی کی کلاس فیلو رباب نے اُم ہانی کو برتھ ڈے وش کرنے کے لیے رات 12 بجے کے بعد کال کی تھی تو تب ہانی نے اُم لیلیٰ کی خرابی طبیعت کے بارے میں بتایا تھا رباب ملک زوہیر عباسی کے دوست اسد میں انٹرسٹڈ تھی رات فون پر بات کرتے ہوئے اس نے اُم ہانی سے ہوئی بات بتا دی تھی اور اس نے اسی وقت دوست سے رابطہ کیا تھا وہ لاعلم تھا اور پریشان ہو کر اس نے سبحان کو کال کی تھی اور سبحان نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسپتال کا پتا بتا دیا۔ اور وہ اکیلا نہیں ملک زوہیر عباسی کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔ سبحان کے سُتے ہوئے غمزدہ چہرے کو دیکھ کر اسے شرمندگی اور افسوس ہوا تھا اس لیے وہ درشتگی سے کہنے پر کچھ نہیں بولا تھا صبح 7 بجے کے قریب ڈاکٹر نے اس کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی تھی۔ تشکر کے احساس سے سبحان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

وہ ماں کی وجہ سے اُم ہانی کو ساتھ نہیں لایا تھا۔ روم میں شفٹ ہونے کے بعد وہ بہن سے مل آیا تھا۔

''سبحان لالہ، آپ گھر چلے جائیں آپ کو آرام کی۔''

''دیکھو زونیر لیلیٰ مینٹلی طور پر ڈسٹرب ہے میں نے جو تمہارے بھائی اور بابا سے وعدہ کیا ہے میں اس کو ضرور پورا کروں گا۔ ابھی تم سے ریکویسٹ ہے کہ تم یا تمہاری فیملی کا کوئی بھی ممبر لیلیٰ کے سامنے نہ جائے۔'' کافی گھنٹوں بعد ملک زونیر عباسی نے سبحان کو مخاطب کر کے کہنا چاہا تھا مگر وہ روک گیا تھا۔

''میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میری طرف سے کوئی تکلیف اُم لیلیٰ کو نہیں پہنچے گی، آپ مجھ پر بھروسہ کر کے گھر چلے جایئے میں اُم لیلیٰ کے سامنے جائے بغیر اس کا خیال وحفاظت کروں گا۔ سبحان نے سرخ نگاہوں سے اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھا مگر وہ تعامل کا ہی شکار تھا کہ ملک زوہیر عباسی نے آگے بڑھ کر سبحان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''جو کر چکے ہیں، اس پر نادم ہیں مزید کچھ غلط کرنا کا نہ ارادہ ہے نہ کریں گے۔ تمہارے احساسات سمجھ رہے ہیں، ہم خود بہن بیٹی والے ہیں جذبات واہنکار میں غلط کر گئے ہیں تو مطلب یہ نہیں کہ ہمیں عزتوں کا پاس نہیں ہے۔''

اُم لیلیٰ آج سے صرف تمہاری نہیں میری بھی بہن ہے تم مطمئن ہو کر جاؤ۔ ہم اس کا خیال رکھیں گے۔''

اُم لیلیٰ شرمندہ کر دینے والی گفتگو بھائی کی بے چارگی اور شرمندگی ان سے بات کرتے ہوئے کتراتا اداس اور پریشان رہنا یہ وہ عوامل تھے جنہوں نے باہم مل کر ان کو شرمندہ کیا تھا۔ اور جس کا اظہار کرتے ملک زونیر عباسی کو نئے نئے مگرا چھے اور اپنے لگے۔

سبحان کے پاس بھروسہ کرنے کے علاوہ کوئی اور دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ اس لیے انہیں آزما لینے کو وہ اُم لیلیٰ کو ان کے سہارے چھوڑ گیا کہ ذہن ودل کو یہ تسلی بھی کافی تھی کہ ملک زونیر عباسی ان کی بہن کا محرم ہے۔ ''بڑے لالہ......''

''کچھ نہ کہو میری جان، جب سب کچھ بگاڑا ہے۔ میں نے ہے تو سیدھا بھی میں کروں گا۔ بس تم ریلکس ہو جاؤ، میں تمہیں پریشان اور اداس نہیں دیکھ سکتا بی کاز آئی لو یو ویری مچ مائی لٹل برادر۔'' وہ اس کے لیے مخصوص محبت وشفقت سے بولے تھے اور وہ ان کے سینے سے لگا ایک دم ہی رو پڑا تھا۔ ''بڑے لالہ میں اُم لیلیٰ کو کھونے کے احساس سے ہی بہت ڈر گیا تھا۔

میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا بہت محبت کرتا ہوں اس سے۔'' وہ مجھے معاف کر دے گی نہ بڑے لالہ......؟'' کیوں نہیں کرے گی مجرم تم نہیں مجرم تو میں ہوں۔''

''نہیں بڑے لالہ وہ مجھے بھی اپنا مجرم مانتی ہے کہ آپ نے جو کیا صرف میری چاہت میری خوشی میری انا کے لیا کیا۔ اور میں اس کا مجرم ہوں بڑے لالہ۔ بس اس سے کہیں وہ مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے دور جانے کی بات نہ کرے نہ یہ کہے کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ میں اس کی نفرت برداشت نہیں کر سکتا ہوں بڑے لالہ......'' وہ اسپتال کیے بغیر بے اختیار روتے ہوئے بول رہا تھا اور انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اُم لیلیٰ سے اتنی شدید محبت میں گرفتار ہے کہ انہوں نے صحیح راستہ بھائی کی چاہت میں اختیار کیا تھا۔ اور روایات توڑ کر رشتہ لے گئے تھے۔ مگر جو کچھ غلط کیا وہ بھائی کی چاہت سے زیادہ غصے اور ضد میں آکر کیا کہ انکار تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتے۔

''ڈونٹ وری، میری جان، میں ہوں نہ میں سب ٹھیک کر دوں ں گا، تم گھر جاؤ فریش ہو ہو کر آجاؤ۔'' وہ جانے کو راضی نہ تھا مگر انہوں نے زبردستی بھیجا تھا اور خود وہیں ایک کرسی پر بیٹھ گئے تھے ان کے

ذہن میں بہت سی باتیں چل رہی ہیں۔اُم لیلیٰ کا رویہ بھائی کی حالت یہ سب کچھ گڈمڈ ہونے لگے ہیں جبکہ انہوں نے اس سب کا کوئی مثبت حل نکالنا ہے کیونکہ یہ تو طے ہے کہ وہ بھائی کو غمزدہ نہیں دیکھ سکتے اور اس کی خوشی کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں، لیکن انہیں اپنی حد مثبت ہی رکھنی ہوگی یہ انہیں اندازہ ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

تم اتنے نخرے کیوں دکھا رہی ہو چلی چلو کہ تم نہیں جاؤ گی تو میں بھی نہیں جا سکوں گی۔'' ان کی اکلوتی پھوپھو کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی وہ جانے کے لیے راضی نہ تھی اور وہ اسے منا منا کر کچھ چڑ سی گئی۔ کہ اسے ہمیشہ سے ہی آنے جانے کا بے حد شوق تھا۔ جبکہ وہ پارٹیز وغیرہ سے ہمیشہ دور رہنا ہی پسند کرتی تھی اب تو جیسے وہ زندگی سے بے زار ہی آ گئی تھی۔ ''ایسا کرو تم اور سبحان بھیا۔''

''سبحان منع کر چکے ہیں، انہیں آفس میں بہت کام ہے وہ اداسی سے اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

''منع تو میں بھی کر چکی ہوں۔''

''ہاں، تو میں ہی پاگل ہوں نہ جو تمہارے نخرے برداشت کرتی رہتی ہوں وہ گزرتے ساڑھے 4 ماہ میں اس کے ساتھ بہت ہارش بی ہیو کر چکی تھی۔ اس کے آنسو گرنے لگے تو وہ شرمندہ ہو گئی۔ آئی ایم سوری ہانی میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی لیکن۔

''بس رہنے دو تم نہ جانے کس کا غصہ دوبار مجھ پر نکالتی رہی ہو، اور میں جب تمہاری ہر اچھی د بری بات تمہاری دوستی و محبت برداشت کر سکتی ہوں تو تم کیا میری خوشی کے لیے ایک شادی اٹینڈ نہیں کر سکتیں۔''

وہ آنسو گرتے ہوئے بول رہی تھی۔ ''او کے میں اسلام آباد چل رہی ہوں۔'' وہ جیسے اس کی محبت کے سامنے ہار گئی تھی اور وہ بے ساختہ اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔

''تھینک یو میری جٹ ٹکٹ آئے ہیں اور ہم کل صبح 9 بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہے ہیں۔'' اس نے نم لہجے میں سرشاری سے کہا تھا اور اس نے اسے پرے دھکیل کر گھورا۔

''اتنی دیر سے تم ڈرامے کر رہی تھیں؟''

''میری محبت ڈرامہ نہیں ہے۔'' وہ اس کے بھڑکنے کو خاطر میں ہی نہ لائی تھی۔ میں نے ساری پیکنگ بھی کر لی ہے۔''

''ہاں ساری تیاری و پیکنگ اپنی ہی کی ہوگی۔'' اور میں تو جیسے ماسیوں والے حلیے میں شادی اٹینڈ کروں گی، اپنی مرضی سے سارا پروگرام طے کر لیا۔ میں شادی میں پہنوں گی کیا......؟'' وہ کافی عرصے بعد اپنے مخصوص انداز میں الجھ رہی تھیں۔

''تمہاری طرح بے مروت نہیں ہوں، اپنے ساتھ تمہاری بھی شاپنگ کی ہے، ویسے تو میں نے پیکنگ کر دی ہے دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتی ہو۔''

''تمہاری پسند پر اعتبار ہے مجھے۔'' ہاں تم نے خود ڈنڈی ماری ہوئی تو میں تمہارے کپڑے لے لوں گی۔ اس نے آنکھیں گھمائیں تھیں۔'' ہاں تو تم ہو ہی سدا کی ندیدی، مگر میں اپنا ریڈ سوٹ کسی بھی قیمت پر نہیں دوں گی پہلے ہی بتا رہی ہوں۔ اس سوٹ کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تا کہ وہ سوٹ سبحان نے خود مجھے اپنی پسند سے لے کر دیا ہے۔

''تم بھول رہی ہو مسز سبحان کہ ریڈ کلر مجھے سخت ناپسند ہے۔'' وہ اُس کے انداز پر چڑ کر بولی تھی اور وہ جھینپ گئی تھی۔'' ابھی تو بڑی شرم آ رہی ہے، ساتھ جا کر شاپنگ کرتے شرم نہ آئی، وہ ایک دوسرے کی اپنے مخصوص انداز میں ٹانگ کھینچ رہی تھیں۔

(باقی اگلے ماہ، پڑھنا نہ بھولیے گا)

تسنیم منیر علوی کے قلم سے لکھی گئی
تحریر جو آپ کو برسوں یاد رہے گی

شوریدہ سری ان کی ذات کا کبھی بھی حصہ نہ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ نہایت ملائم اور مدھم لہجے میں بات کرنے والے ایک مہذب اور شائستہ انسان ہیں مگر آج عدالت سے آنے کے بعد ان کو پریشان اور بجھا بجھا دیکھ رہے ہیں ہماری بات پر ایک ہاں ہوں نہیں اور اکھڑا اکھڑا سا جواب شاید تھکن اور کام کی زیادتی نے ان کو چڑچڑا بنا دیا تھا۔ جب ہی تو ایک تلون مزاج آج بکھرا سا نظر آرہا ہے پچھلے سال افنان نے ملک سے باہر جانے پر اصرار کیا تھا تو ذرا برہم ہوئے اور اپنی ناگواری کا اظہار پورے دن خاموشی سے کیا اور اس پورے عرصے ہم پل صراط پر ٹنگے رہے۔ آج جب ان کے تیور بگڑے دیکھے تو امی کی بات یاد آگئی کہ زندگی میں گرم اور سرد موسم یکساں نہیں ہوتے اسی طرح جب شوہر کا مزاج گرم ہو تو بیوی اپنا مزاج سرد رکھے تاوقتیکہ شوہر کا مزاج سرد نہ ہو جائے شادی کے اتنے سالوں کے بعد یہ موڈ اور یہ تندھی گری کچھ سمجھ میں نہیں آرہی کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا اور اپنی اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

صفی معنی اللہ آفاقی ہمارے شوہر نامدار ملک کے نامور بیرسٹر ملک کے کئی مشہور اور قابل ذکر مقدمات ان کے کوڈ کیے جاتے ہیں کیونکہ ہم ٹھہرے کتابوں کے رسیا تو خوب نبھ رہی ہے وہ قانون کی کتابوں میں غرق اور ہم ان ادبی کتابوں میں۔ کبھی کبھی موڈ میں ہوتے تو کچھ دطیب مشاہدات اور قانون سے جڑے تھے شیئر کرتے اور ہم سے کہتے بھئی آپ تو لکھاری ہیں اس قصے کو سورنگ سے باندھ دیں اور ہم کہتے ہیں اور جو موکل نے اپنے ہی وکیل پر مقدمہ دائر کر دیا' یا ہتک عزت کا دعویٰ دائر ہو گیا میں نے ان کی خوبصورت اور روشن روشن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے الٹا ان کو لاجواب کر دیا۔ مگر کہاں جناب وہ بھئی ایک جہاندیدہ قانون دان...... ہم جو ہیں آپ کی وکالت کے لیے آپ کی طرف کسی نے انگلی بھی اٹھائی تو دفعہ 302 میں اندر ہوگا یعنی اقدام قتل، میں نے حیرت سے ان کی جانب

دیکھا۔ بھئی، دھمکی میں کیا رکھا ہے ایک دھمکی سے ساری دھمک جاتی رہتی ہے انہوں نے بڑے وثوق سے اپنے پیشے کا دفاع کیا اور ہم نے بغیر کسی جرح کے ہی ہار مان لی...... مگر اب وہ وکیلوں والے جوش میں آچکے تھے۔ تو جناب من ویسے بھی عشاق کی فہرست میں سرفہرست نام ہمارا ہی ہے کوئی دوسرا مقابل ہوگا تو قتل عام تو ہوگا میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ می لارڈ ہم ہارے بات پہنچی تیرے فسانے تک۔ تو ہاں ہم بتا رہے تھے کہ وہ اکثر کھانے کی میز پر کوئی نہ کوئی عدالت میں پیش آنے والا واقعہ بتاتے ایک دن کہنے لگے آج کورٹ میں بڑا رقت انگیز منظر دیکھنے کو ملا میں نے اشتیاق کی جوت جاگتے پوچھا جناب نے کیا دیکھ لیا۔ ایک ماں نے جانے کیسے اپنے لخت جگر کو بھری عدالت میں باپ کے سپرد کر دیا۔ اور روتے بلکتے معصوم جان کو اس کی جھولی میں ڈال کر بولی لو تمہاری اولاد ہے پالو بہت مقدمے باز کا شوق ہے نا بچہ چاہیے...... بچہ چاہیے...... لے جاؤ جاؤ ظالم شخص ایک ماں کی گود اجاڑ کر تم کیا سمجھتے ہو آباد رہو گے اور روتی بھاگتی ہوئی گئی جاتے ہوئے مڑ مڑ کر بچے کو دیکھتی جا رہی تھی۔ عورت کا یہ روپ دیکھ کر میں مبہوت رہ گیا صفی نے چکن کی بوٹی کو کانٹے سے اٹھاتے ہوئے میری طرف گھائل نگاہوں سے دیکھا میں نے چاول کی پلیٹ ان کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ یہ انتقام ہے انتقام ایک مجبور اور بے کس ماں کا اس بے بس

معاشرے پر غصہ آپ سمجھے نہیں انہوں نے ایک لمبا ہنکارا ابھرا۔ اوں! اور ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولا۔ اے عورت تیرے ہزار روپ......؟ اور مجھے اس لمحے بچپن میں پڑھی "سبکتگین اور ہرنی" یاد آ گئی جس میں سبکتگین ہرنی کے بچے کو شکار کر لے لے جاتا ہے تو ممتا کی ماری گھوڑے کے پیچھے پیچھے بے بسی سے دوڑتی ہے یہ دیکھ کر بادشاہ بچے کو چھوڑ دیتا ہے ہمیں یوں کھویا دیکھ کر موصوف نے جملہ جڑا تو محترمہ کسی افسانے کے لیے تو مولا ہم نے فراہم کر دیا۔ اب آپ کہانی کو آگے بڑھا لیں...... جی نہیں ہم دوسروں کے آئیڈیوں پر کہانی نہیں لکھتے......ہم نے بڑے تحمل اور رسانیت سے اب سوپ کا پیالہ ان کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

آج جانے کیا غیر معمولی بات ہوئی یوں بھی ان کو عورت کی تذلیل پر بہت غصہ آتا ہے اس لیے یہ خاص طور پر حالات کی ماری ستم زدہ عورت کے کیس میں خاص دلچسپی لیتے ہیں ہم نے یہ ہی سمجھا کہ کوئی ایسا ہی کیس آج ان کے پاس آیا ہے۔ ہم نے بھی اب ان کو زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور خان بابا سے کہہ کر اسٹڈی روم میں کوفی بھجوائی اور خود کتاب لے کر بیٹھ گئے۔ اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے ویسے بھی جب کوئی پیچیدہ کیس آتا تو یہ رات رات بھر کام کرتے اکثر ساتھی وکلاء بھی ہمراہ آ جاتے اسی زندگی کے ہم عادی تھے خاندانی فنکشن اور پارٹیز وغیرہ میں ہم ہی بچوں کے ساتھ جاتے اکثر ہماری دوستیں ون ڈش کا پروگرام بناتیں تو زیادہ تر لنچ ہی ارینج کرتے تاکہ شام کو صفی ڈسٹرب نہ ہوں۔

مگر آج ان کی خاموشی کسی طوفان کے پیش خیمہ نظر آ رہی تھی ہم نے دو تین دفعہ دبے پاؤں اسٹڈی روم میں جھانکا مگر ہر دفعہ کتابوں میں غرق دیکھا جب رات زیادہ گہری ہو چلی تو ہم نے خود بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

ہم نے دیکھا کاغذات، کتابیں، ریفرنس بکس بکھری پڑی ہیں اور خود لکھنے میں غرق پیشانی سلوٹوں کے جال سے سجی اور چہرہ نہایت غور و خوض سے لبریز۔ ہم نے پہلے ہولے سے دروازوں کو دھکا دیا تاکہ وہ متوجہ ہو جائیں مگر ان پر مطلق اثر نہ ہوا تو ہم نے آہستہ سے چلتے ہوئے ان کے برابر بیٹھ گئے اور ہولے سے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اب صفی بہت دیر ہو چکی ہے کھانا بھی نہیں کھایا ہے ایک کپ دودھ ہی لے لیں۔ اور ریلکس ہو کر سو جائیں انہوں نے جیسے بڑی مشکل سے اپنا سر اٹھایا تھکی ہوئی آنکھوں میں رتجگے کے گلابی ڈورے نمایاں تھے۔

یہاں کسی کی زندگی اور موت کا سوال ہے اور تم مجھے آرام کا مشورہ دے رہی ہو انہوں نے الجھتے ہوئے کہا۔ کیس میں صبح ہی اپیئر ہونا ہے؟ میں نے دانستہ سوال کیا۔

ہاں مخالف وکیل نے اپیل دائر کر دی ہے مجھے کیس تیار کرنے دو اور تم جا کر سو جاؤ۔

میں نے مایوس ہو کر کہا۔ اچھا یہ دودھ پی لیں......رکھ دو پی لوں گا انہوں نے کتاب پر جھکے جھکے جواب دیا اور میں ناامید واپس اپنے بیڈروم میں آ گئی۔

بستر پر لیٹ کر کتاب ہاتھ میں لے لی مگر کسی طرح بھی پڑھنے پر طبیعت مائل نہ ہوئی نیند ہی کوسوں دور تھی جب ہی ذہن ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔

آج گھر کے سارے لوگ کسی شادی میں گئے

ہوئے تھے میرے سسر چل رہے تھے اس لیے میں ابو کے ساتھ گھر پر ہی رک گئی۔ میں چائے بنا کر اپنے کمرے میں لے آئی اور پڑھنے میں مصروف ہوگئی ابھی کچھ دیر ہی گزری کے ڈور بیل نے مجھے اٹھنے پر مجبور کردیا۔ اوہ! یہ اس وقت کون آگیا ہے میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا کون۔ کوئی جواب نہ آیا تو میں دروازے پر جا پہنچی کون ہے بھئی! جواب خلاف توقع آیا۔ آپ کا خادم جناب اس شرارت بھرے جواب نے مجھے چونکا دیا۔ دروازہ کھلا سامنے وہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ سا کھڑے بڑے والہانہ پن سے ہمیں تک رہے تھے۔ ہم جورات کے سوٹ میں ملبوس بالوں میں تیل چپڑے حیرت سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ اب کیا دروازے پر ہی کھڑا کر کے سزا دینے کا ارادہ ہے مگر اتنی رات گئے کیوں آئے ہو سیاں۔ میں نے گھبرا کر آنچل ڈالتے ہوئے کہا۔ گھر پر کوئی نہیں ہے آپ کسی اور وقت آیئے ابو بھی لیٹ گئے ہیں میں جلدی سے پلٹ آئی۔ مباوا میرا بڑھائی کا سارا پلان دھرا ہی دھرا رہ جائے یہ تو بہت اچھا ہوا یعنی ہمارا پلان کامیاب ہم بھی تو ایسا ہی چاہتے تھے۔ بڑا اندر ہو کر جواب آیا۔

مگر وہ کیا ہے نا میرے سسر ہورہے تھے اسٹڈی کی وجہ سے میں شادی میں بھی نہیں گئی آپ پھر کبھی آئیں نا...... جیسے میں التجا پر اتر آئی۔ بھئی! ایسا موقع روز روز کہاں ملتا ہے میں نے برآمدے پر پڑے صوفے پر بیٹھتے ہی ان کو فارغ کرنا چاہا شاید میری حالت پر ترس آگیا چلیں۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی اب ایک کپ چائے آپ کے ہاتھ کی ہوجائے تو ہم آرام سے جائیں گے۔'' کیونکہ۔

ہم بھی غالب کی طرح کوچۂ جاناں سے محسن
نہ نکلتے بھی تو کسی روز نکالے جاتے

میں نے چائے سامنے رکھتے ہوئے کہا ہمیں تو لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ L.L.M کی تیاری میں بہت مصروف ہیں تو یہ شاعری کے لیے کہاں سے وقت مل گیا ہم نے ان کے شعر پڑھنے پہ چوٹ کی۔ اب آپ کی چاہت نے شاعر بنا دیا۔ میں نے نگاہوں کو اٹھایا دراز قد پر اعتماد لہجہ وجیہہ اور دھیمی آواز میں بات کرنے والے ہمارے منگیتر صاحب ہیں جو ہمارے قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے اکثر یہاں ہی پائے جاتے ہیں گھر میں ابھی اتنا لحاظ باقی تھا کہ ہم بڑوں کے سامنے نہ ملتے اور نہ ہی بات چیت کرتے، اس لیے موصوف موقع کی تلاش میں لگے رہتے۔

(جی ہاں! پچیس چھبیس سال پہلے ایسا ہی ہوتا تھا۔)

امی بتاتیں کہ صفی کا ادبی ذوق بڑا لطیف ہے اور اس کا ثبوت ہماری کالج فائل کے صفحے دیں گے جن پر صاحب طبع آزمائی فرمایا کرتے تھے ساحر کی شاعری سے بہت متاثر تھے ان ہی کے اشعار رقم ملتے۔ وہ نہایت بھرپور فقرے اور برجستہ اشعار بھی کہتے امی ابو تو جیسے ان کے بڑے مداح تھے۔ فائنل ایگزامز کے بعد میری شادی تھی اس لیے آمد ذرا کم ہوگئی تھی آج ان کو موقع مل گیا تھا۔

شادی کے دن قریب تھے۔ اس وقت دلہن خود بازاروں اور پالروں میں ماری ماری نہیں پھرتی تھی سب کچھ گھر پر ہی ارینج کیا جاتا تھا پھر بھی بے تکلف دوستوں کزن اور بھاوجوں نے رات سارے بڑوں سے چھپ کر آئس کریم کھانے کا پروگرام بنالیا اور مجھے بھی سامنے پڑی کسی خالہ کی چادر میں لپیٹا اور گاڑی میں دھکیل دیا

میں نہ نہ کرتی رہ گئی کہ کل بارات ہے باہر کسی نے دیکھ لیا تو قیامت آ جائے گی۔
دو تین گاڑیوں میں بھر کر سارے جب آئس کریم پارلر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ صفی بلیک کرولا سے ٹیک لگائے بڑے آرام سے کھڑے ہیں میری تو جان ہی نکل گئی۔ اُف خدایا یہ شیطان کے ٹولے نے کیا چھکا مارا تھا...... اور یوں شادی کی رات سب نے آئس کریم اڑائی میرے تو ہاتھوں پیروں میں مہندی لگی ہوئی تھی خود کو چادر میں چھپا کر گاڑی میں بیٹھی تھی گاڑی کو چاروں طرف سے سارے کزن نے گھیرے رکھا ہوا تھا۔ کار میں لگا ڈیک فل آواز میں دھن اڑا رہا تھا۔ میں نے تمہاری گھا گھر سے کبھی پانی پیا تھا۔ (یہ اس وقت عالمگیر کا نیا گیت بہت مشہور ہوا تھا) اور صفی کو میرے برابر گاڑی میں دھکا دے کر دھکیل دیا۔ اُف خدایا یہ آپ نے کون سی خوشبو لگائی ہے پوری گاڑی مہک رہی ہے میں نے دونوں ہاتھ سامنے کر دیے ویسے بھی خالہ حمیدہ ایک ہفتے سے گھر کا بنا ہوا ابٹن استعمال کر رہی تھیں میں نے دل میں سوچا چلو ان کو خواتین کے یہ لوازمات پسند ہیں) آپ پر سے تو نگاہیں نہیں ہٹتیں...... میں کیا کروں...... اور اس لمحے مجھ پر گھبراہٹ اتنی تھی کہ الفاظ حلق میں گھٹ کر ہی رہ گئے باہر کھڑے لڑکوں اور لڑکیوں کو شرارت سوجھی سب نے ساتھ ہی گاڑی کے ہارن بجانا شروع کر دیے۔ شکر صفی گھبرا کر گاڑی سے اتر پڑے اور میری جان میں جان آئی وہ ایک اچھا زمانہ تھا دہشت گردی کا دور دور تک گمان نہ تھا۔
شادی کے بعد صفی جتنی سو برا اور مچور ثابت ہوئے اس نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ ذرا بھی محفل نواز نہ تھے۔ ان کو اپنی قانون کی کتابوں سے عشق تھا۔ ان کے اسٹڈی روم میں قانون کی ہزاروں کتابیں الماری میں سجی تھیں۔ جس دن نئی کتابیں لاتے تو خود اپنے ہاتھوں سے سال کے حساب سے سجھاتے اور گھنٹوں سامنے بیٹھ کر تکا کرتے ہم کبھی اکتا کر کہتے ہم سے اچھی تو یہ بے جان کتابیں ہیں کاش ہم کتاب ہی ہوتے آپ ہمیں پڑھتے تو...... جواب ترنت آیا ہم نے لفظ لفظ آپ کو پڑھا ہوا ہے...... اس لیے اب ہماری ان بے جان کتابوں کی باری ہے وہ اپنا دامن صاف بچا گئے۔
شادی کے بعد ہماری پہلی عید تھی رات چھوٹی بہن آ گئی۔ چلو باجی تمہارے مہندی لگوا دیں۔ میں نے صفی سے کہا کہ میں قریب ہی بیوٹی پارلر سے آتی ہوں۔ پہلے تو صفی نے باہر کے رش کا بہانہ تراشا پھر کہنے لگے اچھا بازار ہرگز نہ جانا یوں بھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور یہ بات ٹھیک ہی تھی کہ باہر سڑکوں پر ایک اژدھام تھا۔ کسی مشکل سے ہم عجیب و غریب مہندی لگوا کر واپس لوٹے...... اور جب صفی کے کپڑے پریس کر کے میں نے ہینگ کیے تو ان کی نظر میرے ہاتھ پر جا پڑی۔ ارے یہ تمہارے خوبصورت اور شفاف ہاتھوں کو کیا ہو گیا ہے میں تو شرمندہ سی ہو گئی میں نے ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
آپ کو تو مہندی بہت پسند تھی اس کی خوشبو کے تو آپ دیوانے تھے اور آج ایک سال میں ہی آپ کو...... میرا سوال ادھورا رہ گیا۔ بڑے رسانیت اور تحمل سے جواب آیا۔
اس وقت واقعی ہم دیوانے تھے اب فرزانے ہو گئے ہیں ویسے بھی آپ کے صاف دودھیا ملائم ہاتھ ویسے ہی خوبصورت لگتے ہیں آپ کو کسی آرائش اور سجاوٹ کی ضرورت نہیں یہ میرے

سرسراتے ریشمی بھاری کپڑوں پر چوٹ تھی۔ لپ اسٹک سے رنگے ہونٹ انہیں خون سے لبریز نظر آتے تھے نیچرل لب تو ایسے جیسے میر کا شعر...... اور میرے ہاتھ سے ہینگر گرتے گرتے بچا۔ پھر میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دوسرے کمرے میں جا کر دل چاہا کہ ساری مہندی کھرچ دوں۔ سانحہ ٹلتا نہیں سانحے پر رونے سے آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے یہ کہیں انہونی چاندنی تھی میری زندگی کی پہلی چاند رات جس میں کوئی خمار نہ تھا۔

دن گزرتے گئے بہاریں، خزاں گرمی جاڑے زندگی اب صفی کے مطابق ہی ایک ڈھب پر آ گئی تھی۔

بازغہ کا ذکر ہماری داستان میں یوں بھی ضروری ہے کہ وہ ہماری دوست ہے اور پھر اس کے مشورے خود تو جیولری اور نت نئے فیشنوں کی دلدادہ اور ہم سے بھی کہتی...... اپنے جی کا کہا مانو۔ ابھی اپنا شوق پورا نہ کرو گی تو بڑھاپے میں کرو گی تم صفی بھائی کی باتوں کو خاطر میں نہ لاؤ مجھے دیکھو میں تو جہانزیب کو ہوا بھی لگنے نہیں دیتی اپنی مرضی سے اوڑھتی پہنتی ہوں۔ مجھے گلابی رنگ پسند ہے جہانزیب کو نیلا تو بھئی ہماری پسند کچھ حیثیت رکھتی ہے...... اور سو ہر بات شوہر کو بتانے کی ضرورت کیا ہے بتاؤ گی تو پھنسو گی...... جو جی میں آئے وہ کرو اگر کوئی سوال کریں تو کہہ دینا ہمیں کیا پتا آپ کو پسند نہیں شادی سے پہلے جو یہ ہمارے کزن وغیرہ سے دوستیاں ہوتی ہیں نا وہ بھی ہرگز شیئر نہ کرنا۔ مرد حضرات بڑے شکی مزاج ہوتے ہیں جینا مشکل کر دیں گے اور میں منہ کھولے حیرت سے اس نڈر لڑکی کو تکتی جا رہی تھی۔

بازغہ دراصل خود ایک سرپھری سی لڑکی ہے ہمارے دور کی رشتہ داری ہے خاندان کی تقریبات میں ملاقات ہوتی اور پھر اکثر شادیوں میں ٹکراؤ ہوا یہ ڈھولک بہت غضب کی بجاتی ہے اور ہمیں گانے خوب یاد رہتے ہیں بس ہر شادی میں ہم دونوں لازم و ملزوم ہو گئے اور اس طرح ہم لوگ ایک دوسرے سے آشنا ہو گئے...... جبکہ ہماری دوستی میں کوئی چیز بھی کامن نہ تھی۔ بلکہ وہ خود ہماری ضد تھی وہ مغرب تھی میں مشرق تھی مگر شاید میں بھی کسی چور دروازے کی جھری سے اس کو تاکنے اور سننے میں دلچسپی رکھتی تھی۔ اور حیرت زدہ ہو کر بحر طلسمات میں غوطہ زن ہو جاتی کہ اس کی ہمت اور دلیری کیسے کیسے میدان مار لیتی ہے۔ امتیاز سے اس کی بے تکلفی بڑھتے بڑھتے دوستی میں تبدیل ہو چکی ہے کسی کوچنگ سینٹر میں ملاقات ہوئی اور بات بڑھی تیری جوانی تک، جبکہ ابوظہبی میں قیام پذیر اپنے کسی کزن سے منسوب تھی جب ہم اس سے کہتے یہ امانت میں خیانت ہے شادی کسی سے دوستی کسی سے اور سے تو جواب میں ایک بھرپور قہقہہ نے میرا استقبال کیا۔

استانی صاحبہ! یار یہی تو Enjoyment ہے زندگی ایک ایڈوانچر ہے اب بھلا بتاؤ جہانزیب کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں بہن کی جب تک کہیں بات طے نہیں ہو جاتی جہانزیب کی اس وقت تک شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اب یہ کہاں کا انصاف ہے جہانزیب ایک مٹی کا مادھو ہیں کہاں اور کب تک پتھر سے سر پھوڑتی رہوں گی تو جب تک ٹائم پاس کرنے کا بہترین مصرف بے ضرر سی دوستی۔ کبھی کبھی مل لیے کوئی پکچر دیکھ لی۔ ریسٹوران کی رونق بڑھا دی اس میں کسی کا کچھ کیا جاتا ہے، ہاں کچھ جاتا ہے تو امتیاز کا ہی جاتا ہے اس کی ہنسی کی کھنک نے عجیب انداز میں میرے

دل کی دھڑکن کو تیز کر دیا۔

ادھر میں توصفی سے منسوب ہونے کے بعد ان کے قرب سے بھی دور بھاگتی اور پور پور شرم سے دوہری ہو جاتی اور یہ ایک غیر اور اجنبی کے ساتھ اس حد تک فری۔ کہ اللہ کی پناہ...... اُف میں زیادہ سنتی اور کم بولتی۔ شاید میری یہ کم آمیزی ہی اس کو اتنا دلیر بنا کر آگے بڑھنے میں مجبور کر رہی ہے میں اکثر تنہائی میں سوچتی کہ اب وہ اپنی ملاقتوں کا ذکر کر یگی تو پوری بات سننے سے پہلے ہی روک دوں گی۔ مگر رات گئے جب وہ فون پر دن بھر کی طلسماتی الف لیلیٰ چھیڑتی تو میری سماعتوں میں ایسے رس گھل جاتا کہ بجائے ٹوکنے کے ہاں...... ہاں پھر کیا ہوا مگر وہ بھی ایک چالاک اور عیار حسینہ کی طرح شہزادی بن جاتی اچھا باقی آئندہ اور میں ہزار داستان کی طرح کل کا انتظار کرتی رہ جاتی۔ اور جب میں بازغہ کی جگہ خود کو رکھتی تو سوچتی میری تو منگنی ہو چکی ہے صفی کے ساتھ مگر وہ تو سوائے ساحر کے اشعار کے سوا کچھ بھی نہیں کہتا۔ چند کلیاں نشاط کی چن کر مدتوں تیرے پاس رہتا ہوں ...... تم سے ملنا خوشی کی بات سہی تم سے مل کر اداس رہتا ہوں...... بھلا بتائیے پھر ملنے کی ضرورت ہی کیا۔ شاید سارے قانون دان حضرات اتنے ہی بورنگ ہوتے ہوں گے اور یہ میں بھی کہاں بھٹک گئی۔ ہاں بازغہ ایک بھڑکتا اور لو دیتا ہوا شعلہ۔''

اللہ اللہ کر کے دن گزارا رات آئی تو وہ خوب چہک رہی تھی اپنے ایڈونچر کو بڑے اشتیاق بھرے انداز میں سنا رہی تھی پھر اچانک ہنسی کو بریک لگا کر بولی ایک سرپرائز ہے جہانزیب کی سسٹر کی منگنی ہو گئی جلد ہی شادی ہے سنا ہے ریگستانوں سے نخلستان تک سفر مسافر جلد طے کرنا والا ہے بھئی نوشا میاں اپنی عروس نو کو لینے آرہے ہیں بس کارواں چل پڑا آواز جرس آرہی ہے مجھے...... وہ بڑے تضحیک بھرے انداز میں شاعری کے گل بوٹے ٹانک رہی تھی۔

فون کے دوسری طرف میں اچھل پڑی۔ تو تم فوراً اس لفنگے سے فرینڈ شپ ختم کر دو آج ہی الوداع کہو اور میاں جی کے سواگت کے لیے تیار ہو جاؤ چلو اچھی بچی شاباش! میں پوری حضرت ناصح بن کر اس کو تنبیہ کرنے لگی۔ دوسری طرف سے جواب بڑا مایوس کن آیا۔

یار اب تو جلدی جلدی معاملات طے کرنے پڑیں گے پھر کہاں یہ فرصت کے دن رات وہ کہاں ہم کہاں، وہ مجھے فرنچ بیچ لے جا رہا ہے ابھی حال ہی میں نیا پکنک پوائنٹ تیار ہوا ہے بڑی مشکل سے پاس ملتے ہیں بھئی بڑی تگڑی اسامی ہے ایک الوداعی پکنک ارینج کر رہا ہے میرے لیے کہتا ہے پھر تو تم پنچھی بن کر اڑ جاؤ گی۔ دیکھو گلاب لمحوں میں دل کو ملول نہ کرنا اور خوشی خوشی ایک یادگار جدائی ہونی چاہیے۔

اس وقت تو وہ جیسے شعلے کی طرح دہک رہی تھی اور میں نے محسوس کیا کہ اس لمحے پانی کے چھینٹے ضروری ہیں میں نے تاسف سے کہا۔ نہیں! تم اب ہرگز نہیں اس کے ساتھ کہیں جاؤں گی۔ اور فرنچ بیچ تو بالکل نہیں۔ اس نے میرا جملہ بیچ سے اچک لیا۔ تو یار اتنا شور کیوں کر رہی ہو چلو وہاں نہیں کسی ساحل سے ہی سر ٹکرا لیتے ہیں جب تو خوش ہو جاؤ گی نا وہ شوخ حسینہ اپنی سحر انگیز ہنسی میں میرے تمام جملے مذاق میں اڑا لے گئی۔ اور میں نے دل برداشتہ ہو کر فون کریڈیٹ پر دے مارا۔ پاگل کہیں کی مرے گی کمبخت والدین کی عزت بھی لے ڈوبے گی۔ بددیانتی کی حد ہوگئی۔

میں نے بھی چند الوداعی گالیوں کے بعد سر تکیے پر دھر دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

سردیوں کی ایک شام اور جھٹپٹے کا وقت بارش ابھی تھمی تھی کہ فون رنگ نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اوہ بازغہ تم کہاں رہیں اتنے دن...... میں نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا ہاں عفت ذرا بزی رہی جلدی میں شادی ہو تو یوں ہی بھگدڑ پڑ جاتی ہے۔ ہاں کل آ جانا باجی نے ڈھولکی رکھی ہے پھر تو رمضان ہے اس لیے آ کر ذرا رونق بڑھا دینا۔ وہ آج پوری طرح سنجیدہ نظر آئی ہاں ہاں ضرور...... ادھر ہماری طرف بھی کچھ سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں۔ عید پر صفی کی بہن آ رہی ہیں تو جب ہی شادی ہونا قرار پائی ہے۔

میں نے اس کو اطلاع دی اچھا لیکن پہلے مجھے تو رخصت کرو...... پھر تم پیا گھر جانا ضرور اچانک مجھے خیال آیا ہاں، اچھا سنو! اس اس فراڈیے نے تمہاری جان چھوڑ دی۔

ہاں یار! وہ تو میں ہی پیچھے ہٹ گئی۔ یوں بھی کسی ہمدم دیرینہ سے ملنے کا اپنا ہی حسن ہے اس نے کچھ پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

وقت سب سے بڑا مسیحا ہے سو بازی بھی اب سدھر کر پیا دیس جانے کی تیاری میں مصروف ہے...... میں نے بڑھ چڑھ کر شادی میں شرکت کی اور اس کے بعد خود ما نجھے بیٹھ گئی۔ اور یوں ہی کچھ دنوں میں ہم دونوں گھر بار کے ہو گئے۔

اب نصیحتوں کی پٹاری اس کے پاس ہوتی...... گاہے بگاہے فون پر بات ہوتی تو کوئی نہ کوئی شادی شدہ لائف کے متعلق آ گاہی عطا کرتی۔

ادھر اب ہماری بھی کچھ سنیئے صفی کو منگنی کے درمیانی...... وقفے میں ہم نے جتنا شوخ و فقرے باز سمجھا تھا شادی کے بعد وہ اتنا ہی متین و سنجیدہ نکلے۔ سادہ اور دل نشیں سی شخصیت انتہا ہی Genius انکساری سے بھرپور مہذب سے انسان اور ہم نے بھی ایک پتی ورتا کی طرح خود کو ان ہی کے سانچے میں ڈھال دیا تو راوی چین ہی چین لکھنے پر مجبور ہوا۔ وہ اپنی پریکٹس میں مصروف تھے کہ ہم نے بھی آرٹس کونسل جوائن کر لیا۔ وہ قانون کی کتابوں میں غرق دنیا و مافیا سے بے خبر ہاں یہ بات ضرور تھی کہ کبھی کبھی کسی دلچسپ کیس کو شیئر کرتے اور کہتے اب اس واقعہ کو فسانہ بنا دیجیے ہم کہتے یہ فسانہ نہیں حقیقت ہے یہ تو سچی کہانیاں میں چھپ سکتا ہے اور ہم تو ٹھہرے افسانہ نگار...... یوں اکثر ہماری نوک جھونک چلتی۔

مگر دو دن سے ان کی ذہنی کیفیت میں بڑا اضطراب ہے جو میرے لیے ناقابل فہم ہے اب مجھ سے بھی رہا نہیں جاتا اس لیے میں نے کمر کس لی اور بات کرنے کی ٹھان لی۔ ڈیئر...... یہ میری زندگی کا بڑا انہونا کیس ہے عورت کی اتنی کھلی تذلیل نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے ان کی ذہانت سے بھرپور روشن نگاہوں میں ستارے جھلملا رہے تھے اور چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں تھے۔

میں نے ان کو حوصلہ دیا...... ظاہر ہے موسموں کی صحبتوں میں لغزشیں تو ہوتی ہیں عورت کے ناز و ادا اور عشوہ غمزہ مرد کو کہیں کا نہیں چھوڑتے۔ میں نے تسلی آمیز گفتگو کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تاکہ ان کو آگے بات کرنے میں آسانی ہو بھرے کورٹ میں دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں اس عورت کا اصرار ہے مجھے تباہ کرنے والا روپوش ہو گیا ہے اب اس کو عدالت طلب کرے۔ میں سراسیمہ سی ہو گئی وہ ایسا کیوں کر رہی ہے آفاقی...... اس طرح تو بات بہت آگے تک

جائے گی مزید رسوائی میڈیکل ٹیسٹ اور جانے کیا کچھ عزت تو اب واپس نہیں آ سکتی اور میں نے حضور ﷺ کا ایک اور واقعہ سنایا کہ کاش! اس گندگی کو تم چھپا دیتے مگر اب تم نے اس کو اتنا عام کر دیا ہے کہ مجھے سزا دینی ہوگی۔ پھر اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا (واقعہ کا مفہوم)

میرا خیال ہے وہ عورت خاصی تلاطم پسند ہے۔ اپنا آپ لٹا کر اس طرح مزید برہنگی دکھانا ضرور یہ نام ونہاد این جی اوز اس کے پیچھے مال سمیٹنے میں مشغول ہوں گی۔

میں نے اپنی دانست میں بڑا اچھا کیس لڑا ہے۔ مگر ہمارے انصاف پسند قانون دان کہاں جھکنے والے؟ مگر تم جانتی ہو جانم یہ مردوں کا معاشرہ ہے جج صاحب اس کے بتائے ہوئے خاکے پر پولیس انکوائری کر رہے ہیں فی الحال دارالامان بھیج دیا گیا ہے۔ مجھے کہیں پڑھا ہوا یاد آیا 'خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا' کہنے والے نے کیا پتے کی بات کی ..... چراغوں کی ہواؤں سے ہمیشہ ازلی بیر ہے۔

اب اس عورت کا دیا بجھ چکا ہے۔ اس دیے میں جان نہیں۔

سنیں صفی! وہ لڑکی کیسی ہے مجھے کھوج سی ہوئی۔ ارے بس عام سے نازک سے نقوش رکھنے والی مدھم سارنگ اوسط قد اس نے چیمبر میں بتایا کہ وہ اور اس کا باپ کسی عزیز کی شادی رات گئے واپس جا رہے تھے۔ شادی ہال سے نکلے تو کوئی سواری نہیں ملی تھوڑی دور گئے تو ایک گاڑی پاس آ کر رکی۔ بڑا شائستہ انداز میں پوچھا گیا (مجھے تو وہ بظاہر شریف اور پڑھا لکھا لگا تھا) بزرگوار آپ کو کہاں جانا ہے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔

میں دو قدم اور آگے بڑھ گئی اور ابا کو منع کر دیا۔ نہیں نہیں ابا ہم چلے جائیں گے بس اسٹاپ قریب ہی ہے کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی ابا نے بھی اس سے معذرت کر لی۔ ابھی ہم کچھ قدم آگے چلے تھے کہ وہ پھر ہمارے قریب گاڑی لے آیا۔ اور بڑی رسانیت سے کہنے لگا محترم آپ کو اس عمر میں اور یوں رات گئے پیدل چلتے دیکھ کر مجھے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ آپ مائنڈ نہ کریں ابا بے بسی سے بولے۔ نہیں بیٹا یوں بھی گھر زیادہ دور نہیں ہے بس آگے ہی ہے مگر شاید ابا بھی تھک گئے تھے۔ اور ہماری بدقسمتی بھی ساتھ ہی تھی ابا نے رضامندی ظاہر کر دی...... اور گاڑی چل پڑی پانچ منٹ کے بعد ہی ایک قدرے سنسان ویران جگہ پر اچانک دروازہ کھلا اور ابا گاڑی سے نیچے اور وہ یہ جا وہ جا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے پھر کیا ہوا وکیل صاحب آپ جانتے ہیں وہ منحوس شخص سنا ہے یہ ہی واردات کرتا۔ شادی ہالوں کے آس پاس لفٹ کے بہانے عزت اور دولت دونوں لوٹ کر روپوش ہو جاتا ہے..... میں سانس روکے کہانی سنتی رہ گئی ہاتھ پاؤں سن ہو گئے اور خود صفی بھی مظلوم عورت کی داستان الم سناتے ہوئے آب دیدہ ہو گئے۔ میں نے پانی کا گلاس آگے بڑھایا۔ انہوں نے گلاس لبوں سے لگایا وہ معصوم لڑکی خود کسی اسکول میں پڑھاتی ہے۔ چھ ماہ سے ماری ماری گھوم رہی ہے۔ باپ کیا ختم ہوئے ہر طرف سے انگلی اٹھ رہی ہے مجھے کاش اس عزت کے محافظ کا پتا چل جائے تو پھانسی نہ دلوائی تو میرا نام بھی صفی اللہ آفاقی نہیں۔

اور میں نے ان کا مزاج ٹھنڈا کرنے کے لیے مذاقاً فقرہ آگے بڑھایا۔ ایڈوکیٹ بار ایٹ لا آسٹن، ٹیکساس امریکہ M.C.J.L.L.M وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ ڈگری پاکستان میں صرف

ذوالفقار علی بھٹو کے پاس تھی یا اس خاک کے پاس۔ میرے اس طرح نقل اتارنے پر وہ بے اختیار ہنس دیے۔

یار بعض دفعہ تم بھی بس۔ انتہائی دل گرفتہ اداس لمحوں میں مسکراہٹ بکھیر دیتی ہو ویسے تم یقین کرو میری جان پر بنی ہوئی ہے اس لڑکی نے بھیڑیوں کے منہ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ کیونکہ سنا ہے وہ عزت کا لٹیرا کوئی اور نہیں (پولیس) کا بندہ تھا اب تمام پٹی بھائی اس کی حمایت میں کمربستہ ہوگئے ہیں۔ میں نے بظاہر لہجہ نارمل کرتے ہوئے آفاقی کو پیار سے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دلاسہ دیا اور ان کو اپنے ساتھ بیڈروم میں لے آئی۔ کبھی کبھی لاڈ میں ہم ان کو صفی کے بجائے آفاقی کہہ جاتے۔

بازغہ آج فون پر بڑے موڈ میں تھی کسی کزن کی شادی اور پھر طلاق کے قصے اتنے چٹخارے لے کر سنا رہی تھی کہ میری بے ساختہ ہنسی نکل گئی یار اس کا سابقہ محبوب اس کے گھر فون کرنے لگا۔ اس کو بلیک میل کرتا ایک دن شوہر نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ معاملہ کھلا تو طلاق پر ختم ہوا۔ وہ اتنی ڈھٹائی سے بات کر رہی تھی کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور اگر تمہارے ساتھ...... نہیں..... یار ہم پکا کام کرتے ہیں نہ پتہ نہ نشان...... وہ تو میری گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔

وہ بڑے وثوق سے بات کر رہی تھی اچھا یہ سناؤ آج کل تو بڑے ناز اٹھائے جا رہے ہوں گے ظاہر ہے اتنی جلدی ماں جیسے مقدس رشتے میں منسلک ہونے والی ہو میں نے مبارکباد دینی چاہی۔ ہاں یار آج کل گھر پر ہی واک کر رہی ہوں بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے دعا کرو میری مشکل آسان ہو یہ تم اچانک پریشان کیوں ہوگئیں سب ٹھیک تو ہے نا...... میں نے گھبرا کر پوچھا۔ بس یہ بلڈ پریشر ہی پریشان کر رہا ہے ڈاکٹر کہتے ہیں روز چیک کروائیں دواؤں سے بھی کنٹرول نہیں ہو تو فوراً ہوسپٹل پہنچیں شاید آپریشن کرنا پڑے۔ بس اسی کی پریشانی ہے آج خلاف توقع اس کے لہجے میں گرم جوشی نہ تھی۔ میں نے تسلی دی اور فون پر دوبارہ بات کرنے کا وعدہ کیا۔

اچانک بادل ایک دم زور سے گرجے اور بجلی کا کوندا سا چمکا۔

سامنے پورا لان ایک دم روشن ہوگیا' اُف صفی تو آج باد و باراں میں پھنس جائیں گے اس پر ٹریفک جام یوں بھی وہ بارش کی چھما چھم سے بہت گھبراتے ہیں۔ بہت عرصے پہلے میرے استفسار پر بڑا عجیب سا جواب دیا۔

رحمت باراں کو زحمت بنا دیا گیا ہے اب بتاؤ یہ کوفت کا سبب نہیں کہ بجائے ساون کے پکوان کے ہم لوگ ہائے بجلی وائے بجلی کریں اندر بیٹھیں تو مچھر اور گرمی باہر آئیں تو بارش کی چھپا چھپ اور ساتھ گٹر کا گندہ پانی۔ ہم نے اکتا کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا بس جناب مائی لارڈ آپ جیتے۔

بے ساختہ مجھے ذکیہ غزل کی ایک پرانی غزل یاد آ گئی

درد بوئے گا ساون پھر سے کچے آنگن میں
کاش پہلی بارش میں ہم ملے نہیں ہوتے
بے سبب بغاوتوں کے سانحے نہیں ہوتے

ہم نے یہ نفیس نفیس شاعرہ کو دلکش ترنم یہ غزل پڑھتے سنا ہے تو صفی نے اس کا کتنا مذاق اڑایا یہ کیا بات ہوئی درد بھی کوئی پیڑ پودا ہے بھئی اصل مزہ ہی موسم کی پہلی بارش کا ہے سامنے منظر صاف شفاف نظر آنے لگتا ہے آنکھوں سے جالے چھٹ جاتے ہیں

یہ ہماری نئی نئی شادی کا دل آویز زمانہ تھا اس لیے ہم دونوں نے انجوائے کیا مگر اب ان کی بیزار طبیعت سے پریشانی ہو رہی ہے...... حالانکہ ہم نے

کافی عادی بنالیا ہے ان کی عادتوں کے تابع ہو گئے ہیں بس یوں سمجھیں کہ ہم نے بھی عزم کی قندیل جلا دی ہے اور کہیں بھٹکنا چھوڑ کر اسی کے ہو رہے ہیں بیٹے صاحب حال ہی میں ملک سے باہر گئے صفی پر اس کا بھی بہت اثر ہے حالانکہ اب تو ترقی یافتہ دور کی ایجادوں نے فاصلے قربتوں سے بدل دیے ہیں۔

صفی کی کتابیں اور صرف کتابیں۔ ہم اکیلے ہی چلے تھے جانب منزل تو ہم اب خاندانی فنکشن میں تنہا ہی چلے آئے تھے اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ خاندان فیملی رشتہ دار سب ہی منہ موڑ لیں...... یوں آج کل دارامان والی لڑکی کا کیس چل رہا ہے، روز پیشی ہے میری ٹینشن کی وجہ سے زیادہ تر اس موضوع پر بات نہیں کرتے مگر یہ واقعہ نیوز پیپر میں رپورٹ ہوگیا ہے عدالتی کارروائی ہی دکھائی جارہی ہے وکیلوں کا موقف بھی سامنے آرہا ہے۔ بینچ بہت اسٹرونگ ہے سنا ہے سزا دلوا کر ہی چین سے بیٹھے گی اس لڑکی کی ہمت کو داد دینی چاہیے۔ یہ سب میں دل میں سوچتی کیونکہ صفی کی مصروفیات حد سے بڑھی ہوئی تھیں۔

یہ ایک اُداس اور سوگوار سی شام تھی صفی شام ڈھلے بڑے نڈھال سے گھر لوٹے میں نے ان کا کالا کوٹ ہینگ کیا بریف کیس اٹھا کر اپنی جگہ رکھنے لگی تو وہ میرے ہاتھ سے سلپ کر گیا اور لاک کھل گیا سامنے شام کے اخبار کا صفحہ میری آنکھوں کے سامنے کھلا پڑا تھا۔ دارامان میں رہائش پذیر لڑکی کی خودکشی...... حالات سے گھبرا کر اور انصاف نہ ملنے پر لڑکی نے خودکشی کرلی مجھ سے تو آگے کچھ پڑھا نہ گیا میں دم بخود اخبار لے کر صفی کے پاس پہنچی صفی یہ سب کیا ہے ہاں یہ خبر صبح ہم کو مل گئی تھی۔ تمہاری پریشانی کی وجہ سے میں نے نہیں بتایا۔ کل اس نے نایوس ہوکر کیس واپس لے لیا ہے۔ کہتی تھی جان کا خطرہ ہے حالانکہ اس کو عدالت کے حکم پر تحفظ بھی فراہم کیا گیا تھا مگر اس کے پاس مشکوک کالز آرہی تھیں کہ کیس واپس لے لو باہر نکلو گی تو تیزاب تمہارا استقبال کرے گا، دو تین پیشیوں پر وہ عدالت میں حاضر بھی نہیں ہو رہی تھی حالانکہ میں نے اس کو بہت سمجھایا تھا کہ اب عدالت تمہارے حق میں فیصلہ کرنے والی ہے، یوں بھی تم ڈرو نہیں۔ تیزاب پھینکنے والوں کے لیے اسمبلی نے بل پاس کردیا ہے اب کتنا بھی بااثر ہو پکڑا جائے گا اور قرار واقعی سزا ملے گی مگر افسوس وہ کمزور لڑکی منزل کے قریب پہنچ کر ہمت ہار گئی کاش وہ کچھ دیر صبر کر لیتی۔ صفی نے بے دلی سے سامنے پڑے تمام کاغذات سمیٹے اور آنکھیں موند لیں۔

میں نے کمرے میں آکر ٹی وی کھولا تو بریکنگ نیوز کا تڑکا لگا ہر چینل چلا رہا تھا کچھ مہذب سے چہرے وہ ہی مانوس جانے پہچانے سے بیٹھے اپنی لن ترانیاں اڑا رہے تھے...... اینکر دھڑا دھڑ این جی اوز کو لعنت بھیج رہے تھے۔ سیاست دان اپنی چالیں چل رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا نظام بدلو، چہرے بدلنے سے کام نہیں چلے گا کوئی عدالت اور قانون کو کوس رہا تھا۔

مجھ سے زیادہ برداشت نہ ہوسکا اور ملال وحزن ومزن میں گھر کے کام میں مصروف ہوگئی اب صفی کے پاس بھی فون آنا شروع ہوگئے۔ آخر وہ اس لڑکی کے وکیل تھے کئی چینلز انٹرویو لینا چاہتے تھے مگر صفی نے سب سے معذرت کرلی۔

جو جرم کرتے ہیں اتنے برے نہیں ہوتے
سزا نہ دے کر عدالت بگاڑ دیتی ہے

سارے عالم فاضل ٹی وی پر ہی جمع تھے صبح کے اخبارات اور تمام این جی اوز لگتا تھا اچانک کوئی انقلاب لے آئیں گے اخبارات کے ہر حرف سے

چنگاریاں نکل رہی تھیں اُن کو پڑھنے کے لیے بھی بڑے حوصلے کی ضرورت تھی۔

میرا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا فون بھی بڑی چل...... صفی باہر لان میں بیٹھے کوئی کتاب دیکھ (مجھے ایسا ہی لگا) رہے تھے فون کی گھنٹی نے مجھے متوجہ کیا تو بادل نخواستہ مجھے ہی ریسو کرنا پڑا جو میں کل نظر انداز کر رہی تھی دوسری طرف بازغہ تھی اوں یقیناً اسی کرنٹ افیئر کی بات کرے گی معلومات تو صفر ہیں اس کی مگر بنتی بہت عقلمند ہے میں بڑبڑائی سنا تم نے آج کی تازہ خبر۔ اوہ وہی ہوا جس کا ڈر اب رائی کا پہاڑ بنائے گی اور کچھ بعید نہیں صفی کو بھی لتاڑ دے) عفت تم اسے بہادر اور بڑی عورت کہہ رہی تھیں سنو جب غلطی ہونا ہوتی ہے تو بہر حال ہو کر رہتی ہے اب اس عورت کے ہاتھ کیا آیا خاموش رہ جاتی تو زندہ بھی رہتی تشہیر نے ہی اس کی زندگی چھین لی یوں بھی کوئی داستان کھلے عام کرنے کے بعد رسوائی ہی ملتی ہے اور اب موت نے سب کچھ سبوتاژ کر دیا۔ بازغہ کی گھن گھرج سن کر میں لرز گئی۔

سنو بازغہ...... تو وہ کیا کرتی سارے صاحب اختیار اس کے اعصاب سے چمٹ گئے تھے۔ تم صاحب اختیار ہو آگ لگا دیا کرو اس کو فون پر دھمکیاں مل رہی تھیں وہ پور پور لہولہان تھی وہ اکیلی جان پورے نظام سارے معاشرے سے ٹکر کیسے لے سکتی تھی میں سانس لینے کو رکی اور تمہیں کچھ پتا ہے بہت ساری نام نہاد این جی اوز اس کو اون کرنا چاہ رہی تھیں آپ ہم سے ڈیل کریں ہمارے پاس آ جائیں ہم اس پر کیس کرنا چاہتی ہیں۔

اس نے ان سب کا حصہ بننے سے انکار کر دیا بس پھر تو سارا ملک ہی شہد کی مکھیوں کی طرح چمٹ گیا ہر ایک اپنی ریٹنگ بڑھانا چاہ رہا تھا میں نے بھی جی بھر کے اپنی بھڑاس نکالی۔

وہ جو بڑی خاموشی سے میری تقریر نما گفتگو سن رہی تھی، اچانک دودھ کے ابال کی طرح بیٹھ گئی مگر عفی پیاری مجھے اس بے بس کی موت پر افسوس ہے کاش وہ اپنے لب سی کر جی لیتی کہ چراغ خود نہیں بجھتے بجھائے جاتے ہیں۔ وہ پڑھی لکھی تھی جاب کرتی، یہاں تو گناہ ہواؤں کے بھی چھپائے جاتے ہیں اس نے اس مردوں کے معاشرہ سے ٹکر لے کر موت کو گلے لگا کر قوم کو کیا پیغام دیا۔

مجھے اس کی باتیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھیں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ تو کیا وہ عورت اپنے خاندان کا مرثیہ بن کر زندہ رہتی...... میری اس بات کے جواب پر وہ سکتے میں آ گئی۔

کیا میں اپنے گھر اور اپنے خاندان کا مرثیہ نظر آتی ہوں، میرے ایک ہاتھ میں پتھر بھی ہے آئینہ بھی ہے تو اس کا تعلق تو نقصان ہی ہو سکتا ہے اس لیے لب سیے...... جیسے آ جاؤ تمہیں خبر ہے...... کہ وہ ایک بڑا اور کمزور وقت تھا جو میں نے بھلا دیا میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا کہ دنیا میں یہ سانسیں لینے والی نئی روح...... اور اس نے سسک کر فون بند کر دیا۔

اور میں ابھی تک ریسیور تھامے مائیکل اینجلو کا بت بنی کھڑی ہوں، میری انا کا بت پاش پاش ہو چکا تھا۔ اس نے ایسی ضرب لگائی کہ میرے پرخچے اڑ گئے اور ذات کے ٹکڑے ٹکڑے کرچی کرچی ہو گئے۔

بازغہ واقعی ایک بھڑکتا چراغ جو دھڑ دھڑ جل رہا ہے۔

فیصلہ آپ کریں عدالتوں میں رسوا ہونے والی خوشہ جان جلتی عورت یا بازغہ کی طرح...... بولوں تو نسانے جاگیں...... کیا وہ چنگاری کو شعلہ بننے دیتی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

شاہد ناز قاضی

چھوٹی چھوٹی باتیں

دوشیزہ کی سینئر لکھاری کے قلم سے انتہائی خوبصورت
تحریر جو آپ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دے گی

میں آج کل میاں چنوں اپنے چھوٹے بیٹے تیمور کے پاس آ کر ٹھہری ہوئی ہوں۔ وہ مائیکرو فنانس کمپنی میں مینیجر ہے۔ چونکہ یہ Financing کمپنی ہے اور اس کا مقصد Rural ایریا کے لوگوں کو سہولتیں اور رقم فراہم کرنا ہے اس سلسلے میں ہمیں فی الحال لاہور کا گھر عارضی طور پہ بند کرنا پڑا۔ مہینے میں دو بار جا کر اپنا گھر کھولتے ہیں صاف کرتے ہیں اور پھر واپس پلٹ کر میاں چنوں آ جاتے ہیں یہ ملتان سے 60 یا 70 میل پہلے آتا ہے۔

چھوٹے شہروں کی بھی اپنی خوبصورتی اور اپنی ہی طرز کی ایک سادہ پر رونق زندگی ہے یہاں دن گرم اور رات بہت ٹھنڈی ہوتی ہے لوگ سادہ، گھر سادہ اور زیادہ تر پرانے طرز کے ہیں لیکن چند سالوں میں لگتا ہے یہ ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھ جائے گا یہاں بے شمار بینک فلاحی ادارے اور شاپنگ پلازہ ہیں جو اگرچہ فی الحال اتنے ماڈرن نہیں ہیں لیکن ہر سہولت سے اور ہر چیز Available ہے لوگ بہت ماڈرن ہو چکے ہیں ترقی کا پہیہ رواں دواں ہے تعلیمی معیار بہت ہائی ہے...... اطراف کے گاؤں تک علم کی روشنی سے منور ہیں۔

ہماری رہائش اسی دفتر کے اوپری منزل پہ ہے۔ جو تیسری منزل پہ ہے میں شام کو چھت پہ کرسی ڈالے بیٹھتی ہوں تو بالکل سامنے مسجد غوثیہ کا سبز بڑا سا گنبد مسجد خضراء سے ملتا جلتا ہے۔ اپنی خوبصورتی اور کمال فن کا نمونہ ہے اس کے مینار پر روشنیوں کی پچکاری عجیب حسن دیتی ہے اللہ کے ننانوے پاک نام سامنے کی طرف کندہ کیے گئے ہیں۔ یہ مسجد بھی تین منزلہ ہے ہمارے چھت اور مسجد کے بیچ صرف 40 منٹ کی رواں دواں سڑک ہے جس پہ ہمہ وقت ٹریفک گزرتا رہتا ہے سب سے دلکش مجھے مسجد سے آتی مؤذن کی آواز لگتی ہے جو اتنی قریب لگتی ہے جیسے ہم مسجد کے صحن میں ہی بیٹھے ہوں۔ قاری صاحب کی آواز میں اللہ سے محبت کی وارفتگی محسوس ہوتی ہے مجھے بیٹے سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب 70 یا 80 سال کے بزرگ ہیں...... اسی مسجد میں اپنی زندگی گزار دی ہے تا عمر شادی نہ کر سکے۔ جانے کیا حالات رہے اب تنہا ہیں اور بچوں کو درس دیتے

ہوئے کہتے ہیں یہی میری اولاد ہیں۔
دائیں ہاتھ ایک بڑا سا درخت ہے جس کی شاخیں مجھے تیسری منزل پہ اپنے چھت سے قریب محسوس ہوتی ہیں شام کو ٹھنڈی ہوا کے چلتے ہی اس درخت کو دیکھنا اس کی شاخوں میں لہراتے ننھے ننھے پھولوں کے گچھوں کو دیکھنا بہت بھلا لگتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ درخت کون سا ہے اس کا کیا نام ہے وہ ہوسکتا ہے کہ شرینہ کا درخت ہو۔شہروں میں رہ رہ کر ہمیں نیچر کی رعنائیاں نظر ہی کہاں آتی ہیں......؟ بس اس کی سبز شاخیں ان میں لہراتی ہوا کا رقص دیکھنے کا اپنا ہی لطف تھا۔
دائیں بائیں گھروں کے چھت بہت نیچے تھے دو گھر غالباً ایک منزلہ تھے۔دائیں ہاتھ کے گھر کے صحن سے بندوق کی تڑتڑ کی آواز گاہے بگاہے آتی تو مجھے الجھن ہونے لگتی یہ آواز چھرے والی بندوق کی ہوتی جس سے کوئی بچہ سارا دن وقت ملتے ہی معصوم چڑیوں، فاختاؤں، طوطوں اور خوبصورت پرندوں کو اپنا نشانہ بناتا رہتا تھا اگر کوئی پرندہ زخمی ہوکر گر جاتا تو اس گھر کے صحن سے فاتحانہ بچوں کا شور اٹھتا۔ بچوں کے لیے شاید یہ شغل تھا لیکن معصوم پرندوں کی ہلاکت میرے لیے باعث پریشانی ہورہی تھی میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اس بچے کے گھر کے دروازہ کھٹکھٹاؤں اور اسے اس شغل سے باز رہنے کی ہدایت کروں اور اسے ان معصوموں سے پیار کا درس دوں۔
میں نے اپنی اس پریشانی کا ذکر اپنے بیٹے سے کیا کہ وہ locate کرسکتا ہے کہ کون سا گھر ہے؟ اور یہ کون سارا دن معصوم چڑیوں کے نشانے لیتا رہتا ہے اس نے وعدہ کیا لیکن وہ اندازہ نہ لگا سکا کیونکہ یہ آواز اس درخت کے عقب کے گھر سے آتی تھی اس طرف بیٹا گیا تو حیران سا واپس آگیا کہ وہاں گلیاں ہی گلیاں ہیں اندازہ لگانا مشکل تھا...... بہرحال اس کا حل تلاش کرتے ہیں میں اپنے ڈر کرسے کہتا ہوں کہ وہ دیکھے اور گلی کے بچوں کو اکٹھا کر کے سب کو سمجھائے اور اس نے ایسا ہی کیا اور اللہ کا شکر ہے وہ تڑتڑ اب قدرے کم ہوگئی ہے۔
اس روز بھی گولیوں کی تڑتڑ آواز آرہی تھی۔اور میری بے چینی یں اصافہ ہورہا تھا۔ دراصل اس درخت پر ایک ہی گھونسلہ تھا اور وہاں کوا کوی رہتے تھے۔ میں پتوں کی شاخوں میں شام گئے اس جوڑے کی شرارتیں دیکھتی تو مسکرانے پر مجبور ہوجاتی وہ درخت سے اڑ کر کبھی چھت کی منڈیر پہ بیٹھتے کبھی وہ دانہ چوگا جو میں نے چنگیر میں رکھا ہوتا جلدی سے اٹھا کر غائب ہوجاتے کبھی میرے سر کے اوپر پرواز کرتے کبھی اچانک Dive لگاتے اور سبز پتوں میں گم ہوجاتے پھر اچانک نمودار ہوتے دوبارہ منڈیر تک آتے مجھے دیکھ کر جھجکتے، ڈرتے اور سیکنڈوں میں منہ میں بریڈ کا ٹکڑا لیے غائب ہوجاتے میری پوری کوشش ہوتی تھی کہ یہ پرندے مجھ سے مانوس ہوجائیں۔
ان کی جھجک اب آہستہ آہستہ کم ہورہی تھی وہ دیوار پر بیٹھ کر دیکھتے پھر آہستہ خرامی سے پلیٹ کی طرف بڑھتے ہیں میں پچکار کر کہتی۔
''کھاؤ بھئی! تمہارے لیے ہی تو ڈال کر رکھا ہے۔''
شاید مجھے ان کالے کوؤں سے پیار ہوگیا ہے۔ کوا بھی کتنا حسین پرندہ ہے لیکن بے چارہ کسی گنتی میں نہیں۔ لیکن یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے اور کائنات کا حسن......
اس دن سورج غروب ہوچکا تھا لیکن ''پرندے اپنے گھر واپس نہیں لوٹے تھے۔ اس صحن سے تڑتڑ گولیوں کی آوازیں ہوا میں ارتعاش پیدا کررہی تھیں آج کھانا جوں کا توں دھرا تھا......
گھنی شاخوں میں بنا تنکوں کا گھونسلا ویران چپ چاپ پڑا تھا۔

اقتباس

حکایت اس شکایت کی کچھ یہ ہے کہ کچھ برادران یوسف قسم کے دوستوں کے توسط سے میرا تعارف ایک ایسے شاعر سے ہوگیا جو ''مجبور'' تخلص کرتے ہیں اگر لوگوں نے کبھی یہ نام یا تخلص نہیں سنا تو اس میں قصور سراسر ان کا ہے یا پھر ان ادبی تنظیموں کا کہ جنہوں نے اب تک مجبور صاحب کو وہ مرتبہ نہیں دیا جس کے وہ حقدار ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ خود مجبور صاحب خود کو جس کا حقدار سمجھتے ہیں۔ مجبور صاحب کے رسمی تعارف کے فوراً بعد مجھے بھی ان جاں گسل لمحات سے دوچار ہونا پڑا جو ہر شاعر کے واقف عزیز یا دوست کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اس بات کا اعتراف نہ کرنا علمی خیانت ہوگا کہ اس مصیبت کو دعوت دینے میں خود میرا بھی برابر کا قصور تھا۔ یہ جان لینے کے باوجود کہ موصوف شاعر ہیں ان سے کچھ سننے کی فرمائش کرنا اگر تعزیرات پاکستان کی کسی دفعہ کی زد میں نہ آتا ہو تب بھی اخلاقی طور پر سزا کا مستحق ضرور ہے اور اس کی سزا بھلا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس شاعر کا کلام سن کر نہ صرف یہ کہ اپنا دماغ خراب کیا جائے بلکہ رسمی طور پر یا پھر ازراہ تکلف داد دے کر اس شاعر کا دماغ بھی مزید خراب کیا جائے۔

ڈاکٹر اقبال ہاشمانی کی کتاب ''مجبوریاں'' سے

مرسلہ: محمد اشعر کاشف' کراچی

''تو کہیں......؟ وہ آج اس ظالم کی گولیوں کا نشانہ تو نہیں بن گئے۔ میرا دل غم سے بوجھل ہوگیا...... آسمان پر ڈوبتے سورج کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ مؤذن کی آواز سو چکی تھی۔

اے پیارے پرندو...... اے حسین پرندو...... مجھے تم سے پیار ہوگیا ہے...... کاش تم زندہ ہو...... میں مغرب کی نماز کے لیے اُٹھ رہی تھی کہ اچانک دونوں پرندے دائیں ہاتھ سے اڑتے اڑتے آئے اور تیزی سے آ کر شاخوں میں دبک کر بیٹھ گئے غالباً خطرے کی بو پا کر وہ گولیوں کی آواز کی وجہ سے مسجد کے مینار پہ ہی چھپ کر بیٹھے تھے۔ اور اب رات سے پہلے اپنے گھر لوٹ آئے تھے۔

اوہ خدایا! تیرا شکر ہے، میری خوشی دیدنی تھی میں مسکرا اٹھی۔ انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا تھا بے ساختہ میں نے دعا کی۔ اے اللہ پاک اس مخلوق کا گھونسلہ آباد رکھنا۔ خواہ وہ انسان کا گھر ہو یا حیوان کا۔ پرندے کا ہو یا حشرات الارض کا۔ جانے کون لوگ ہیں جو کائنات کے حسن کو درہم برہم کر کے خوش ہوتے ہیں۔

اے اللہ! ہدایت دے۔ آمین۔

یہ گھر...... یہ کونہ...... یہ گھونسلا محبت اور عافیت کی پناہ گاہ ہے۔ اے اللہ یہ سب سلامت رکھنا۔ ظالموں سے بچانا۔

کوا کوی سے میری دوستی اب بڑھ چکی ہے۔ وہ کھانا دیکھتے ہی اپنے سنگی ساتھیوں کو بھی بلا لیتے ہیں۔ اچک اچک کر رُک رُک کر آنا مجھے کن انکھیوں سے دیکھنا اور اپنا کھانا لے کر اڑ جانا۔

کوے کھا چکے ہیں تو Dove جسے ہم لالی کہتے ہیں وہ کہیں تاک میں ہوتی ہیں وہ آ جاتی ہیں۔ کائنات بنانے والے خالق نے کائنات بہت حسین بنائی ہے۔ بس حسن نظر چاہیے۔

☆☆......☆☆

افسانہ

سنبل

عدت

''ارج! ایسے نہیں چادر لو، تم عدت میں ہو۔'' ''کون سی عدت کیسی عدت۔ میری بیٹی پر اتنا بڑا ظلم ہو گیا ہے لوگوں کو اپنی پڑی ہے۔ کوئی عدت وِدت نہیں، میں اپنی بیٹی پر ظلم ہونے نہیں دوں گی۔ بھابھی نے کہہ کر ارج کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑایا اور ارج نے......

ہفتے کا دن یونہی ہمیشہ مجھ پر گراں گزرتا ہے بچوں کی اسکول کی چھٹی ہوتی ہے دیر تک سوتے ہیں، کام میں دیر ہوتی ہے پورا دن مصروف گزرتا ہے آج بھی پورا دن ہو گیا تھا کام نمٹاتے ہوئے اب شام میں بچے کتابیں سامنے رکھے ٹی وی کھولے انہماک سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھے اور میں کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔

تب ہی تواتر سے فون کی گھنٹی بجنے لگی میں نے ارمین اور بسام کو دیکھا مگر ارمین نے کتاب اٹھا کر چہرے کے سامنے کر لی اور بسام پینسل سے کچھ سامنے پڑے Paper پر لکھنے لگا اور میں جھلا کر باہر نکلی دونوں باپ پر پڑے تھے گھر کے ہر کام سے ان کی جان جاتی تھی۔

''اگر فون اٹھا لیتے تو شان میں کمی آ جاتی۔'' میں نے ریسیور اٹھانے سے پہلے دونوں کو جھڑکنا فرض سمجھا۔ وہ مما! ہم پڑھ رہے تھے ان دونوں کا کورس میں جواب آیا بس ایک یہی مقام تھا جہاں پر دونوں کی بنتی تھی۔ ورنہ ایک ایران تھا تو دوسرا توران تب تک میں ریسیور اٹھا چکی تھی مگر وہاں سے جو خبر موصول ہوئی اس نے میرے ہوش اڑا دیے۔

میری بھتیجی کے شوہر کو برین ہیمبرج ہوا تھا اور وہ آئی سی یو میں تھا اب کہاں کا کھانا اور کیسی کھانے کی تیاری کچن میں آ کر چولہے بند کیے اور سب سے پہلے سعد کو فون کیا اور انہیں ارج کے شوہر کی حالت بتائی انہوں نے کہا میں بچوں کو ان کی آپی کے گھر چھوڑ کر ہاسپٹل چلی جاؤں وہی آ جائیں گے اور میں نے ایسا ہی کیا۔

ہاسپٹل میں سب ہی موجود تھے۔ میرے دونوں بھائی اور دونوں بہنیں اور ان کے اہل و عیال سب ہی پریشان تھے مگر ارج کی حالت تو سب سے سوا تھی۔ ارج میرے بہت قریب ہے۔ شاید اس کی وجہ ہماری عمروں کا معمولی فرق تھا۔ میں اپنے ماں باپ کی بڑھاپے کی اولاد تھی۔ ایسی اولاد جسے شاید نہ بہن بھائی قبول

کرتے اور نہ ماں باپ مگر میرے ساتھ برعکس ہوا مجھے دونوں طرف سے ہی پذیرائی ملی میں ان کا من پسند کھلونا بن کر رہی۔

میری اور ارج کی شادی میں بھی سال بھر کا فرق ہے کیونکہ میں نے ماسٹرز کیا تھا اور بھابھی نے اس کی شادی انٹر کرتے ہی کردی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

''دیکھیے لالے! یہ کیا ہوگیا ہے؟'' وہ بری طرح رو رہی تھی میرا نام گل لالہ ہے گھر میں سب ہی مجھے لالے کہتے ہیں اور ارج نے بھی شروع سے میرا نام ہی لیا۔

''گڑیا دعا کرو! انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا میں نے اسے تسلی دی۔

لالے دعا ہی تو کر رہی ہوں پچھلے چار گھنٹے سے مگر ڈاکٹرز کہتے ہیں 24 گھنٹے تک وہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

''ہوا کیا تھا.....؟''میں نے پوچھا۔

''آپ کو تو پتا ہے غصے کے کتنے تیز ہیں پھر ہائپر ٹینشن کے مریض۔ رات شادی میں گئے تھے بد پرہیزی کی وجہ سے بی پی بڑھ گیا، پھر اپنے بھائی کی کسی بات پر غصے میں آگئے اور اس کے بعد ہی طبیعت خراب ہوگئی وہ سسکیاں لیتے ہوئے بتانے لگی۔

''چلو اللہ بہتر کرے گا 'یا سلام' کا ورد کرو۔ میں نے اس سے کہا ساتھ زیر لب ورد کرنے لگی اس کی احسان سے محبت کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی وہ احسان سے بہت محبت کرتی تھی۔

حالانکہ احسان اور اس کی عمروں میں بہت بڑا فرق تھا۔ بھابھی نے اس کی شادی 18 سال

کی عمر میں 42 سالہ احسان سے کی تھی جو کہ اس سے 24 سال بڑے تھے۔

میں نے اس سلسلے میں بھابھی کو سمجھانا بھی چاہا تھا مگر بھابھی روایتی سی مشرقی خاتون تھیں۔ جن کے میکے میں سارے گل و بلبل اور سارے کیڑے سسرال میں تھے۔

مجھے اعتراض سب سے پہلا اس کی تعلیم مکمل نہ ہونے دینے پر تھا۔ مگر بھابھی نے میرا پہلا اعراض ہی بڑی سنگدلی سے رد کیا۔

''تم نے بڑے چاند چڑھائے تھے ناں! یونیورسٹی جاکر، جواب میں بیٹی سے چڑھواؤں وہ طنزیہ بولی تھیں۔ سعد کی اور میری پسند کی شادی تھی مگر اس میں وہ رنگ قطعی نہیں تھا کہ ہر دنیا سے سماج ٹکرا جاتا ہے۔ اگر ہمارے گھر والوں کو قبول نہیں ہوتا تو ہمیں کوئی ایکشن نہیں لینا تھا یہ پہلے طے شدہ تھا اور ایک دوسرے کو اچھے دوست کی طرح یاد رکھنا ہے مگر یہاں قسمت نے یاوری کی اور کوئی اعتراض نہیں اٹھا۔ یوں ہماری شادی ہوگئی۔

مگر اب اس کو کیا کیجیے کہ یونیورسٹی نہ جاتے ہوئے بھی چاند چڑھ گیا ہے۔ ارج اور بڑے بھیا کے درمیان میں وہی رشتہ تھا جو میرے اور سعد کے درمیان رہ چکا تھا خاندان میں سب کو پتا تھا ایک بھابھی ہی بے خبر تھیں مگر نہیں، وہ بے خبر قطعی نہیں تھیں بلکہ گل و بلبل کیونکہ ان کے ہاں اور کیڑے سسرالیوں میں تھے سو وہ اپنے کیڑوں سے صرف نظر کرنے کی عادی تھیں۔

دوسرا اعتراض مجھے احسان کی عمر پر تھا مگر پہلے اعتراض کی طرح اسے بھی اہمیت دی گئی تھی مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے کہا تھا۔

''بھابھی! ابھی کون سی ارج کی عمر گزری جا رہی ہے جو آپ اتنی بڑی عمر کے بندے سے اسے بیاہ رہی ہیں تھوڑا انتظار کریں انشاء اللہ کوئی اور اچھا رشتہ آ جائے گا میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''بی بی! مرد کی عمر اور شکل نہیں دیکھی جاتی اس کی خاندانی شرافت، حیثیت اور مرتبہ دیکھا جاتا ہے۔ ماشاء اللہ شوگر مل میں سی ای او ہے 5 لاکھ روپے ماہانہ کماتا ہے اور بی بی! تمہارا میاں تو ہم عمر ہے وہ بھی کماتا ہے تم بھی ٹیوشن پڑھاتی ہو پھر کیا ہے وہی سسکتی ہوئی زندگی وہ طنزیہ بولیں مگر ان کی بات مجھے پن کی طرح چبھی۔

''بھابھی میں نے کب آپ کے آگے رونا رویا ہے کہ میری زندگی سسکتی ہوئی ہے میں بھی ہائپر ہوگئی۔

''سب کچھ کہنے سے پتا نہیں چلتا بی بی! ہمیں بھی نظر آتا ہے ہم بھی آنکھیں رکھتے ہیں وہ استہزائیہ ہنسیں۔

''اچھا بھابھی! چھوڑیں اس لاحاصل بحث کو میرا کہنے کے مقصد یہ ہے کہ ذیشان کے لیے بھابھی بھیا کا ارادہ ہے مگر ابھی اس کی تعلیم نامکمل ہے وہ کم عمر ہے خوبصورت ہے ان کی جوڑی اچھی لگے گی۔ میں نے مدعا بیان کیا۔

''جوڑی اچھی لگوا کر چٹوانا ہے کیا؟'' کم عمری کو مالا پہناؤں اور خوبصورتی کو فریم کرواؤں کیا۔'' وہ طنز سے بولیں۔

تمہارا ذیشان ساری زندگی بھی کوشش کرے تو احسان جتنا نہیں کما سکے گا۔ ایسی کم عمری خوبصورتی اور جوڑی جائے بھاڑ میں اور مجھے تو ذیشان یوں بھی اچھا نہیں لگتا لوفر چھچھورا سا، احسان خاندانی ہے انہوں نے کہا اور حسب معمول خاندانی سے مراد ان کا اپنا خاندان تھا۔

بھابھی سے سر پھوڑنا پتھر سے سر پھوڑنے سے زیادہ سخت تھا یہ سب بھی میں نے ارج کے رونے دھونے پر کیا تھا، ورنہ نتیجہ مجھے پہلے پتا تھا۔

احسان اور سعد ایک ساتھ کسی تقریب میں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو احسان سعد کے انکل لگا کرتے تھے یہ سب دیکھ کر اور مذاق اڑاتے لوگوں کو سن کر احسان نے تقریبات کا بائیکاٹ شروع کر دیا ایک جملہ تو احسان کے بارے میں ہمارے ہاں بہت مشہور تھا۔ احسان تو اپنی بیوی کے پھپھا کے خود پھپھا لگتے ہیں۔'' اور اس کے بعد تو وہ سعد سے باقاعدہ چڑنے لگے تھے انہوں نے ہم سے ملنا چھوڑ دیا تھا مگر ارج جب بھی گھر آتی مجھ سے ضرور ملتی تھی۔''

مگر یہ سب شروع کی ہی باتیں ہیں پھر ارج سنبھل گئی اور ذیشان کو بھی جلد ہی بھول گئی۔ وہ خود بھی بڑا اچھا بچہ تھا اس لیے دانستہ اس سے دور ہو گیا۔ شاید اس کی وجہ وہ آسائشات تھیں جو ان کو دستیاب ہو گئیں تھیں یا شاید اس لڑکپن کی محبت میں ہی اتنا دم نہیں تھا بہر حال تھے تو دونوں ہی ٹین ایجر مشکل سے سال بھر کا فرق تھا دونوں میں۔

مجھے میرے ابا بختاور کہا کرتے تھے میرے پیدا ہوتے ہی ان کی دونوں بیٹیوں کے ایک ہی گھر سے رشتے آئے اور سال بھر کے اندر ان کی شادیاں بھی ہو گئیں اس سے اگلے سال بڑے بھیا کی شادی اور اس سے اگلے برس چھوٹے بھیا کی شادی ہو گئی ابا نے ریٹائرمنٹ کے بعد میڈیکل اسٹور کھول لیا اور وہ خوب چلنے لگا ان سب کا کریڈٹ ابا مجھے دیتے تھے۔

مگر ابا کمزور ہو چکے تھے بوڑھے ہو چکے تھے تو میڈیکل اسٹور چھوٹے بھیا نے سنبھال لیا۔ بڑے بھیا کی جاب اچھی تھی بھابھی نے مجھے جس ٹیوشن سے گھر چلانے کا طعنہ دیا تھا، وہ میں نے شروع سے پڑھائی تھی کیونکہ بھائی کے ہاتھ میڈیکل اسٹور جانے سے ابا کا عمل دخل اس کاروبار سے ختم ہو گیا تھا اور بھائیوں کا پیسہ کھانا کتنا مشکل ہے یہ بھابھی رکھنے والی اکثر خواتین جانتی ہوں گی جیسے تیسے میری ماں باپ نے مجھے آٹھویں تک تعلیم دلوائی اور نویں سے میں نے آٹھویں تک کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی اور پھر جیسے جیسے میں آگے بڑھتی گئی۔ کلاسز بچوں کی اور بڑھنے لگی سو شروع سے کسی سے پیسے مانگنے کی عادت نہیں تھی۔

عادت شادی کے بعد بھی رہی حالانکہ سعد ایک بڑی اچھی کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھے گاڑی اور رہائش کمپنی کی طرف سے تھی اور ہم دونوں بچت کر کے اپنا گھر بنوا رہے تھے یہ تو یونہی بہ سبیل ایک تذکرہ نکل آیا اصل بات ارج کی ہو رہی تھی۔

بہر حال ارج اپنے شوہر سے محبت کرتی تھی وجہ کوئی بھی ہو اور شوہر سے تو محبت ہو ہی جاتی ہے بلکہ مجھے تو حیرت ہوتی ہے ان عورتوں اور مردوں پر جنہیں شادی کے بعد بھی ایک دوسرے سے محبت نہیں ہوتی ہے۔

احسان میں ایک اور خصوصیت بھی تھی کہ وہ ارج پر شک کرتے تھے یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے بڑی عمر کے مرد ہمیشہ ہی اپنی کم سن خوبصورت بیویوں پر شک کرتے ہیں بڑی بات یہ تھی کہ اس کے سسرال والے اس شک کو بڑھاوا دیتے تھے ان کی اس شکی فطرت سے فائدہ اٹھا کر دونوں میں دوریاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اکثر کامیاب بھی رہتے تھے۔

اور سب سے بڑا جو مسئلہ تھا وہ یہ کہ شادی کے

ساڑھے پانچ سال بعد بھی ارج کی گود نہیں بھری تھی ہر علاج کروا لیا تھا مگر ڈاکٹرز کا ایک ہی جواب سب ٹھیک ہے دیر اللہ کی طرف سے ہے۔

☆......☆......☆

میں خیالوں میں بہت دور نکل گئی تھی کہ سعد نے آ کر چونکا دیا۔

''کیا بات ہے گھر نہیں چلنا یہاں تو صرف ایک یا ایک سے زیادہ دو لوگ رہ سکتے ہیں چلو ارج کو بھی لے چلو، انہوں نے مجھ سے کہا۔

''نہیں لالے، میں نہیں جاؤں گی، ارج جو میرے کندھے سے لگی سنگ مرمر کی بینچ پر بیٹھی تھی تڑپ کر بولی۔

''گڑیا! یہاں زیادہ لوگ نہیں رک سکتے۔ دو مرتبہ وارننگ مل چکی ہے سعد نے اسے سمجھایا۔''

تب ہی میں اٹھ کر بھابھی بھیا کے پاس آ گئی اکثر لوگ جا چکے ہیں، صرف میں، سعد بھابھی ، بھیا اور ارج کی بڑی نند اور ایک دیور موجود تھے۔

''بھابھی! کیا میں ارج کو اپنے ساتھ لے جاؤں، میں نے پوچھا۔

''ہاں تم اسے لے جاؤ اور کچھ کھلا بھی دو، دیکھو تو اس نے اپنی کیا حالت بنا دی ہے۔''

جواب بھابھی کے بجائے بھیا نے دیا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ اس کے سسرال والے تو جینا حرام کر دیں گے اس کا، بھابھی نے منمنا کر کہا۔

تم دیکھو، دنیا والوں اور سسرال والوں کو بھئی مجھے تو اپنی بیٹی کو دیکھنا ہے۔'' بھیا نے دوٹوک کہا۔ اور پھر بلند آواز سے ارج کی نند اور دیور کی طرف منہ کر کے کہا۔

''محسن، شازیہ! آپ دونوں کو جانا ہے تو آپ چلے جائیں میں اور آپ کی آنٹی احسان کے پاس رہیں گے اور وہ دونوں تو گویا انتظار میں تھے فوراً ہی دعا سلام کرتے چلتے بنے اور میں ارج کو گھر لے آئی حالانکہ وہ آنے کے لیے کسی طور تیار نہیں تھی گھر آ کر بمشکل میں نے اسے تھوڑا سا کھانا کھلا کر گرم دودھ پلا کر سلا دیا۔

☆......☆......☆

رات کے ساڑھے تین بجے آچانک فون کی بیل بجنے لگی اور میں نے دہل کر سعد کو دیکھا مجھے رات میں آنے والے فونز سے بڑا ڈر لگتا ہے کیونکہ شدید ایمرجنسی میں ہی کوئی اتنی رات کو فون ہے۔ سعد نے میرے کاندھے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا اور فون اٹھا لیا خبر وہی تھی جس کا ڈر تھا احسان کا انتقال ہو گیا ہے۔

میں نے ارج کے پاس جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ تو وہ فوراً گھبرا کر اٹھ گئی۔

''کیا ہوا لالے......؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''اسپتال چلنا ہے۔ میں نے نظریں چرا کر کہا۔

''کیوں لالے کیوں......؟'' اس نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور بمشکل بند باندھے آنسو بہہ نکلے۔

''صبر کرو......'' میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور نہیں کہنے کے ساتھ اس کی چیخیں گھر کے بام و در کو ہلانے لگیں۔

''نہیں لالے احسان مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے وہ مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتے۔'' وہ بری طرح روتے بار بار اسی جملے کی تکرار کر رہی تھی۔

ہم اسے لے کر ہاسپٹل پہنچے مگر وہاں احسان کو دیکھ کر اسے سکتہ ہو گیا بعد کے تمام تکلیف دہ مراحل میں وہ خاموشی اور خالی خالی نظروں سے

سب دیکھتی رہی اور آخر کار اس کا سکتہ اس وقت ٹوٹا جب ایمبولینس میں سے احسان کی کفن میں لپٹی میت آخری دیدار کے لیے اتاری جارہی تھی اور ارج ایک دم سے اٹھ کر باہر بھاگنے لگی، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ارج! ایسے نہیں چادر لو، تم عدت میں ہو۔''

''کون سی عدت کیسی عدت۔ میری بیٹی پر اتنا بڑا ظلم ہوگیا ہے لوگوں کو اپنی پڑی ہے۔ کوئی عدت وودت نہیں، میں اپنی بیٹی پر ظلم ہونے نہیں دوں گی۔ بھابھی نے کہہ کر ارج کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑایا اور ارج نے روتی آنکھوں سے تذبذب کے عالم میں مجھے اور بھابھی کو دیکھا۔

''بھابھی! عدت ظلم نہیں ہے ایک آڑ ہے، بچاؤ ہے عورت کے لیے میں نے کہا۔

''میں نے کہا ناں بی بی مجھے نہیں کرنا اپنی بیٹی پر ظلم انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

لیعنی آپ Indirectly اللہ کو ظالم کہہ رہی ہیں کہ جس نے عورت پر عدت لاگو کی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''بی وکیلنی! میں نے آپ سے بحث نہیں کرنی ہے میری بیٹی پر اتنا بڑا ظلم ٹوٹا ہے ان کو اپنی پڑی ہوئی ہے۔ میں آج سب کے سامنے کہہ رہی ہوں میری بیٹی عدت نہیں کرے گی۔ اس کا جہاں دل چاہے گا جائے گی میں مزید اس پر کوئی ظلم نہیں توڑوں گی بھابھی نے دوٹوک کہا۔

اور میں نے 'نعوذ باللہ' پڑھا بار بار مشیت ایزدی کو اور اس کے لاگو کردہ قانون کو ظلم کہنا 'استغفر اللہ' مگر بھابھی سے سر پھوڑنا کسی چٹان سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا۔

بھابھی کا کہنا تھا کہ ارج ابھی کم سن ہے اور میں ان سے کہہ نہیں سکی کہ کم سنوں کو ہی عدت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پختہ عمر والیوں کے لیے اتنی سختی بھی نہیں مگر بھابھی کو سمجھانا اور خصوصاً ہمارا سمجھانا ناممکن۔

ایک ہفتے تک تو ارج کو اپنا ہوش ہی نہیں تھا مگر اس کے بعد بھابھی نے ارج کو سمجھایا کہ ہوش کرو۔'' احسان کے واجبات وغیرہ دیکھو ورنہ سسرال والے سب ہڑپ لیں گے، بھابھی کے لیے تو لفظ سسرال ہی برا تھا۔

''امی! میری سب سے قیمتی متاع تو لٹ گئی اب اس دنیاوی دولت کا کیا کرنا، وہ رونے لگی، ہم تینوں بہنیں باقاعدگی سے اس کی دل جوئی کو آجاتے تھے سو اکثر باتیں ہمارے سامنے ہی نکل آتی تھیں۔

''لالے! تم سمجھاؤ تمہاری بہت مانتی ہے انہوں نے مجھے گھسیٹا۔

''بھابھی آپ زیادہ اچھا سمجھاتی ہیں آپ سمجھائیں میں نے دوٹوک کہا میں بھابھی سے عدت والی بات پر ناراض تھی۔ ہم نے ہر معاملے میں بے ایمانیاں روا رکھی ہوئی ہیں خصوصاً مذہب کے معاملے میں تو حد سے زیادہ۔

''وہ بھابھی! لالے کا مقصد ہے کہ آپ ماں ہیں، آپ کی بات زیادہ اثر کرے گی، گل رُخ آپی میری مدد کو آئیں وہ میری برہمی کی وجہ سے واقف تھیں۔

''پتا ہے مجھے تمہاری بہنا کو کون سا کیڑا کاٹ رہا ہے۔ میں اپنی بچی کو چادر میں لپیٹ کر اسکے ہاتھ میں تسبیح تھما کر کونے میں بٹھا دیتی تو یہ خوش ہوجاتیں۔ وہ جل کر بولیں وہ اتنی بھی بے خبر نہیں تھیں۔

''نہیں بھابھی! کوئی ضرورت نہیں ہے احسان کی عدت کروانے کی ارج کو۔ ہاں احسان

کی دولت سمیٹنے کی فکر کریں میں کہہ کر جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔

''اوہ! تو یہ کھولن ہے۔'' بھابھی نے زہر اُگلا مگر میں نہیں رُکی۔''

☆......☆......☆

احسان سکھر کی ایک شوگر مل میں کام کرتے تھے یہاں ان کا کرائے کا گھر تھا جوہر میں انہوں نے ہزار گز کی زمین لے کر وہاں کی کنسٹرکشن شروع کروادی تھی جو کہ آخری مراحل میں تھی اور سب کچھ انہوں نے ارج کے نام سے ہی لیا تھا۔ بھیا ارج سے کم سنی میں بیوہ ہونے سے ٹوٹ گئے تھے وہ بیمار رہنے لگے تھے۔ ان کا بیٹا سرمد اب میڈیکل اسٹور پر ہوتا تھا اس لیے ارج کے ہر کام کے لیے ذیشان کو پکارا جانے لگا۔ جو کہ کچھ عرصے تک لوفر اور چھچھورا تھا وہ آج کل جاب ڈھونڈ رہا تھا۔

سب سے پہلے ارج نے گھر کی کنسٹرکشن کا کام تیز کروادیا اور اپنا کرائے کا گھر خالی کر کے بھیا اور بھابھی سمیت وہاں شفٹ ہوگی اس کے بعد وہ واجبات وغیرہ کے لیے سکھر ذیشان کے ساتھ جانے لگی ایسے کام ایک دو دن میں تو نہیں ہوتے ہیں۔ سو انہیں دو تین بار جانا پڑا اور کیونکہ سکھر کوئی یہاں دھرا تو نہیں ہے، سو Night Stay بھی کرنا پڑتا تھا۔

بہر حال واجبات وغیرہ بھی کلیئر ہوگئے۔ اسی دوران ارج کے سسرال والوں سے بھی دو تین معرکے ہوئے وہ بھی اس گھر اور واجبات کے امیدوار تھے مگر یہاں ان کے سامنے بھابھی تھیں اور بھابھی کے سسرال والے جیت جائیں، خواہ کسی کے بھی ہوں ناممکن۔ پسپائی تو ان کے مقدر میں ان کے بیٹے نے ہی لکھ دی تھی۔ سب کچھ ارج کے نام کر کے باقی کسر بھانجی نے پوری کر دی۔

☆......☆......☆

آخر کار چالیسواں کا دن آپہنچا اور چالیسواں جوہر والے گھر میں ہی رکھا گیا۔ اسی دوران تمام لوگ ارج اور بھابھی کی سرگرمیوں سے واقف ہو چکے تھے۔

چالیسویں پر قرآن خوانی کے ہمراہ میلاد بھی رکھا گیا تھا میلاد کے اختتام سے پہلے میلاد پڑھنے والی خاتون نے ایک نوحہ پڑھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

اس نوحے نے ایک سماں سا باندھ دیا اس کی آگے بھی شاعری ایسی ہی دل کو گداز کر دینے والی تھی۔ اس میلاد میں موجود ہر عورت آنسوؤں سے رو رہی تھی، مگر سفید لباس میں ملبوس ارج کی حالت ہی بری تھی، وہ تو ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

آخر میں سب سلام کے لیے اٹھے تو ارج چکرا کر گر پڑی۔ سرمد آ کر اسے بازوؤں میں اٹھا کر اندر لے گیا۔ فوری طور پر پڑوس میں رہنے والی ڈاکٹر جو کہ میلاد میں بھی آئی تھیں انہوں نے چیک کیا۔

''کیا ہوا ہے میری بچی کو۔'' ان کے چیک کرتے ہی بھانجی نے پوچھا۔

''لگتا ہے خوشخبری ہے آپ یورین کا یہ ٹیسٹ کروالیں۔'' ڈاکٹر مہ جبیں نے کہا اور کئی چہروں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بہن ایسی کیا گیدڑ سنگھی کھلائی، بیٹی کو جو معجزہ ساڑھے پانچ سال میں نہیں ہوا، سوا مہینے میں رونما ہوگیا ارج کی ساس نے طنزیہ کہا۔

''ڈاکٹر نے امکان ظاہر کیا ہے کوئی اسٹامپ لکھ کر نہیں دی۔ بھابھی سے کون جیت سکا ہے۔
''چلیں دیکھتے ہیں۔ وہ بھی آج بھابھی کے سامنے چٹان بنی کھڑی تھیں۔

اور پھر ثابت ہو گیا کہ ڈاکٹر کا خدشہ درست تھا۔ ارج ماں بننے والی تھی کوئی جلتے توے پر بھی بیٹھ جاتا تو میں یقین نہ کرتی یہ بچہ ناجائز ہے میں اپنے دونوں بچوں سے واقف تھی۔ ارج کو فورس کیا کہ وہ ابارشن کروالے مگر وہ چیخ پڑی۔

''کیوں، کیوں کروں میں ایسا یہ میری جائز اولاد ہے۔ میرے احسان کی نشانی میری پہلی اولاد اور میں ایسا کر کے لوگوں کے شکوک کو درست ثابت کردوں۔'' وہ رونے لگی اور اس گناہ کے لیے تو ہم میں سے کوئی بھی راضی نہیں تھا۔

تو پھر بھگتو خود دو لوگوں کا طنزیہ اور استہزائیہ سوالوں کے جواب بھابھی چیخیں۔

''ہاں بھگتوں کی آپ کی کرنی، مگر اپنی اولاد کو قتل نہیں کروں گی۔'' وہ بھی چیخی۔

''میری کرنی کون سی میری کرنی۔'' بھابھی نے غصے سے ارج کو دیکھا۔

''ہاں آپ کی کرنی لالے! نے کہا تھا کہ میری عدت ضروری ہے مگر آپ نے پہلے کبھی کسی کی مانی جو یہ مانتیں۔ وہ زور زور سے رونے لگی۔

''لالے آپ نے زبردستی کیوں نہیں منوائی اپنی بات۔'' وہ میرے کندھے پر سر رکھ کر دھاردھار رونے لگی۔

''اس لیے گڑیا! کہ مجھے بھابھی کی بات بری لگی تھی۔ وہ مشیت ایزدی کو بار بار ظلم اور عدت کو بڑا ظالم کہہ رہی تھیں وہ Directly تو نہیں مگر Indirectly بار بار خدا کو ظالم کہہ رہی تھیں اور یہ بات مجھے بری لگی اور میں چپ ہوگئی۔

ہم میں سے اکثریت عدت کو ظلم و زیادتی میں شمار کرتی ہے کہ عورت پہلے ہی دکھی ہے اور اسے گھوٹ دو مگر انہیں اندازہ نہیں کہ یہ کتنی بڑی آڑ ہے، بچاؤ ہے حفاظت ہے ایک عورت کی عزت و حرمت کی کیونکہ اللہ تو بے نیاز ہے اسے کوئی ضرورت نہیں ہمارے اعمال کی اگر تم عدت میں ہوتیں اور تمہاری Pregnancy کی اطلاع لوگوں کو ملتی تو ایک بھی انگلی تمہاری طرف نہیں اٹھتی مگر اب تو ہر انگلی تمہیں برداشت کرنی ہے۔

اب تو چاہے تم ڈی این اے Test کروا کر لوگوں کو دکھا دو تو کوئی تمہاری پارسائی کا یقین نہیں کرے گا لوگ تمہارے سامنے کچھ نہ کہیں مگر بیٹھ پیچھے اور ہم مارتے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں بولتے کی زبان نہیں، یہ سب کہتے ہوئے میں بھی رونے لگی۔

''مگر ہمارا مذہب اتنا سخت نہیں ہے عدت کرنے والی عورت کو بھی باہر نکلنے کی اجازت ہے۔'' بھابھی نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔

''ہاں بھابھی! مجبوری ہے ایسا ہے کہ کوئی عورت جاب کرتی ہے کوئی کمانے والا نہیں ہے تو جائز ہے اور اس عورت کو بھی مغرب سے پہلے گھر آنا ہے اور مکمل پردے میں گھر سے نکلنا ہے جبکہ ارج نے پردہ تو خیر کیا ہی نہیں احسان کے بعد سے وہ کئی کئی دن تک گھر سے باہر بھی رہی جبکہ ہمارے گھروں میں ایسا کوئی معاشی پرابلم بھی نہیں تھا۔

گھر بھی سوا چار ماہ بعد بن کر شفٹ ہو جاتے اور واجبات بھی کلیئر ہو جاتے اور اور نہ بھی ہوتے تو احسان نے بہت کچھ چھوڑا تھا ارج کے لیے اور نہ بھی چھوڑا ہوتا تو بھی اس بچے پر ناجائز کا ٹیگ تو نہ لگتا مجھے بری طرح رونا آرہا تھا۔

''بھابھی آپ نے اپنی ضد میں ایک معصوم بچے کولوگوں کی نظروں میں سوالیہ نشان بنا دیا ہے میں سسکی اور ارج کو گلے سے لگا کر روتی رہی۔

☆......☆......☆

''لالے تم بڑی بھابھی سے بات کرو۔'' ایک دن بھابھی اچانک میرے گھر آ دھمکیں میں کچن میں تھی۔

''کون سی بات۔'' میں سمجھ تو گئی تھی مگر میں نے ناسمجھی سے کہا۔ میں نے چائے کو دم دے کر چولہا بند کیا۔

''ارج اور ذیشان کے سلسلے میں انہوں نے رسانیت سے کہا۔

''وہ بات تو آپ بھول جائیں میں نے دو ٹوک کہا۔'' بھابھی راضی نہیں ہیں۔'' میں چائے میں دودھ ڈالا۔

''اچھا تم سب بہنیں تو انہیں نیک روح لگتی ہو۔'' وہ چڑ کر بولی۔

وہاں اب بھی کہتے ہیں مگر ہر ماں کے ارمان ہوتے ہیں ذیشان ابھی ساڑھے چوبیس سال کا ہے وہ کیوں اپنے بیٹے شادی ایک بیوہ اور ہونے والے بچے کی ماں سے کر دیں میں نے چائے کپوں میں نکالی ساتھ ہی کیک، چپس اور بسکٹ رکھے اور ٹرالی گھسیٹ کر لاؤنج میں لے آئی بھابھی بھی ساتھ تھیں۔

''تم نے بتایا تھا کہ وہ انڈرسٹنڈ تھیں ارج میں بھابھی نے کہا۔''

''ہاں بھابھی مگر آپ بھول گئیں یہ میں نے ساڑھے پانچ سال قبل کہا تھا وہ جتنا لوفر اور چھچھورا اس وقت یقین کیجیے آپ بھی اتنا ہی ہے۔

میں نے ان کی بات ان کے منہ پر دے ماری۔ ساتھ ہی پلیٹ ان کی طرف بڑھائی۔

''مگر میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ ذیشان کے بارے میں مت سوچیں کیوں کہ ہم بہنیں اور بڑے بھیا فورس کریں گے تو بھابھی مان جائیں گی وہ واقعی نیک روح ہیں مگر آپ کو یاد ہو تو اس پر یہ الزام ذیشان کے حوالے سے ہی ہے۔ اگر ارج کی ذیشان سے شادی ہو جائے تو لوگوں کے شک کو زبان مل جائے گی۔

''میں نے سمجھایا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگیں۔ اور ساتھ ہی چائے کا سپ لیا۔

''آپ فکر مت کریں ہم لوگ دیکھ رہے ہیں کوئی اچھا رشتہ نظر میں آ جاتا ہے تو بتاتے ہیں......؟'' میں نے انہیں تسلی دی۔

''ہاں دیکھنا مگر تمہیں ارج کو سمجھانا بھی ہے وہ تمہیں بہت مانتی ہے وہ نکاح ثانی کے لیے راضی نہیں ہے۔'' انہوں نے مجھے آس سے دیکھا۔

''اس کی آپ فکر مت کریں اس کی ڈیلیوری ہو جانے دیں پھر میں اسے سمجھاؤں گی ابھی وہ جذباتی دور سے گزر رہی ہے ابھی اسے چھوڑ دیں میں نے کہا۔

''مجھے نہیں لگتا وہ مانے گی۔'' بھابھی نے ہارے ہوئے انداز سے کہا۔

''وہ بہت پیاری بچی ہے میری بات مانتی ہے۔ میں اسے احادیث سے بتاؤں گی کہ اسلام کہتا ہے کہ کنواری سے پہلے بیوہ کا نکاح کرو اور اگر اسلام کہتا ہے تو درست ہے۔'' میں نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا۔

اور بھابھی نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

☆......☆......☆

ارج کے لیے اس کے دیور کا رشتہ آیا تھا جو

کہ میری ہی عمر کا تھا اس کی ابھی ڈھائی سال قبل ہی شادی ہوئی تھی فرسٹ Pregnancy میں اس کی بیوی ساتویں مہینے زینے سے گر گئی اور اس بچے کی قبل از وقت ڈیلیوری کروائی گئی بیوی اسی وقت O.T میں ہی مر گئی اور بیٹا دو ہفتے بعد مر گیا۔

میں نے ارج کو بتایا تو وہ پہلے تو شادی پر راضی نہیں ہوئی تھی مگر میں نے احادیث کا حوالہ دیا اور یہ بھی بتایا کہ اسلام ایسا کیوں کہتا ہے تو وہ راضی ہوگئی بقول اس کے۔''

''پہلے ہی آپ کی بات نہ مان کر معتوب ٹھہری ہوں اب نہیں، مگر اس سلسلے میں اس کے کچھ تحفظات کے سلسلے میں فرحان نے کہا۔

''ارج میں اپنی شادی سے قبل آپ کے ساتھ تین سال رہا ہوں اور کسی کے کردار کو پرکھنے کے لیے تین سال بہت ہوتے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ اپنے گھر والوں کی الزام تراشیوں پر میں نے ہمیشہ آپ کا ہی ساتھ دیا ہے۔'' فرحان نے کہا تو ارج نے سر ہلا دیا۔

دنیا چاہے کچھ بھی کہے میں جانتا ہوں آپ مریم کی طرح پاک ہیں اور یہ بچہ میرے بھائی کا ہی ہے۔ وہ دوٹوک بولا۔

اور ارج کے فیصلے پر مہر لگا گیا، سچ لہجوں سے جھلکتا ہے اور فرحان سچا تھا۔

☆......☆......☆

ارج کے سسرال والوں کی نظریں اس کی دولت پر ہیں اسی لیے انہوں نے یہ رشتہ دیا ہے اور میں نے سر پکڑ لیا اور بھابھی کی بدگمانیاں الاماں۔

''بھابھی! خدارا شک کی عینک اتار دیں فرحان بھی کوئی روڈ پر نہیں بیٹھا ہے احسان سے حیثیت میں زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے۔'' میں چڑ سی گئی۔

''کیا یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' بھابھی نے ارج کو دیکھا۔

''کیا ہو گیا ہے امی آپ کو......؟'' وہ شخص میری کھوئی ہوئی عزت وحرمت مجھے دے رہا ہے اللہ نے اس کے دل میں نیکی دی ہے اور آپ ......آپ کو یہ گھر اور یہ پیسہ چاہیے میں یہ گھر اور احسان کا تمام پیسہ آپ کے نام کر دیتی ہوں۔ مجھے صرف میری کھوئی ہوئی عزت چاہیے وہ رونے لگیں اور بھابھی کو ہوش آ گیا۔

☆......☆......☆

ارج نے بہت پیاری بچی کو جنم دیا اور اللہ نے بھی ایک جھٹکا سا دیا تھا سنبھلنے کے لیے، کہ وہ قادر مطلق ہے، وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اسے ہمارے اعمال کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس کے احکامات نہ مان کر خسارے میں ہیں۔ ہماری معافی نے ہمیشہ کی طرح اسے ارحم، راحم اور غفور الرحیم بنا دیا۔

ارج کی بیٹی راحمہ بالکل احسان کی شکل کی تھی وہی گرے Eyes وہی ناک و نقش سرخ و سفید رنگت اور ہم سب کے ایک بار پھر اس کی بارگاہ میں خضوع خشوع سے جھک گئے۔ دنیا کی زبانیں خود بخود بند ہوگئیں۔

آج ارج کی شادی کو دو سال ہو چکے ہیں اب اس کا ایک بیٹا ارحم بھی ہے وہ فرحان کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہے۔

اور ہاں ہمارے لوفر اور چھچھورے کو بھی ایک لڑکی پسند آگئی ہے خیر سے اگلے ماہ اس کی پرموشن ہو رہی ہے۔

☆☆......☆☆

"اری بیٹی! تجھے سمجھانا ناکوں چنے چبانا ہے جس کے دیدوں کا پانی مرجائے، اسے کون سمجھائے ارے میں کہتی ہوں شادی کیوں نہیں کر لیتی۔ ارے، کب تک ہمارے سینے پر مونگ دلے گی۔ کیا بوڑھی ہو کر شادی کرے گی؟ پھر کیا فائدہ ہوگا جب جوانی نہیں رہے......

"سوری فرید، میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتی مجھے ایک سیمینار میں جانا ہے۔"

ردا نے دوٹوک لہجے میں اپنے شوہر فرید نواز کو ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا اور جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"ردا......!ردا، میری تو بات سنو۔" فرید کے چہرے کی بے بسی اور لہجہ کی التجا ردا کو طمینانیت پہنچا رہی ہے۔

"فرید نواز، یہ جن راستوں پہ میں چل رہی ہوں ناں، یہ میرے نہیں تمہارے منتخب کردہ راستے ہیں اور یہ گھر، گھر نہیں سرائے خانہ ہے اور بس۔" وہ تلخی سے کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھادی۔

کھڑکی سے جھانکتے ہوئے اس نے گلاسز لگائے اور اپنی آنکھوں کی نمی کو رنگین عدسوں کے پیچھے جذب کرنے کی سعی کرنے لگی مگر اس کے زخم تو تازہ ہو چکے تھے اور ماضی کے اوراق اس کے ذہن میں پلٹ چکے تھے۔

"جب عورت گھر سے باہر قدم رکھتی ہے تو فرشتے اسے لعنت دیتے ہیں چہرے پر پھٹکار پڑنے لگتی ہے، غیر مردوں کی نظر پڑنا اچھی بات تو نہیں، سارا گناہ عورت کے سر جاتا ہے مرد کا کیا ہے؟ مذہب، معاشرہ مرد کو کچھ نہیں کہتا۔" دادی اماں نے روز کا کلمہ اس کے کانوں میں پھر انڈیلا۔

"نہیں اماں، میں آپ کی بات سے اتفاق نہیں کرتی بھلا مرد گناہ گار کیوں نہیں، عورت ہی کو کیوں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے نہ...... میں نہیں مانتی۔" اس نے اخبار پھیلاتے ہوئے سرخیوں پر نظر دوڑائی۔

"اری بیٹی! تجھے سمجھانا ناکوں چنے چبانا ہے جس کے دیدوں کا پانی مرجائے، اسے کون سمجھائے ارے میں کہتی ہوں شادی کیوں نہیں کر لیتی۔ ارے، کب تک ہمارے سینے پر مونگ دلے گی۔ کیا بوڑھی ہو کر شادی کرے گی؟ پھر کیا فائدہ ہوگا جب جوانی نہیں رہے گی۔ پہننا اوڑھنا کیا کھپے گا، سب کہیں گے بوڑھی گھوڑی لال لگام۔" اماں جی کے

محاورات سن کر وہ ہنس پڑی۔

''ہنسے جا مگر سننا نہیں۔'' اماں نے جل کر کہا۔

''اماں سن تو رہی تھی، تب ہی تو ہنسی تھی۔'' وہ سنجیدہ ہوگئی۔

سننے سے کیا ہوتا ہے بیٹا عمل کر، وقت نکلے جا رہا ہے میرے منہ میں خاک اگر تو بیٹھی رہی تو تیرا کیا ہوگا؟ ماں باپ تو تیرے سر پر رہے نہیں، مجھ بوڑھی کا بھی کچھ پتا نہیں کب بلاوا آ جائے تیری فکر تو مجھے قبر میں بھی چین لینے نہیں دے گی۔'' اماں اس قدر سنجیدہ گفتگو نے اسے پریشان کر دیا۔

''اماں آپ میرے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کریں، ہمارے ایک استاد ہیں، وہ کہا کرتے تھے، گاہک، رشتہ اور موت کا کچھ پتا نہیں ہوتا کب آ جائے۔'' اس نے اماں کو سمجھانا چاہا۔

''اوئی! میری توبہ، ایک تو تیرے استادوں سے میں تنگ ہوں۔ اے لو بھلا کہاں شادی اور کہاں موت، تیرے استاد بیٹا، جاہل ہیں، میرے سامنے نام نہ لیا کران کا۔ اماں بڑبڑاتی ہوئی چوکی سے اٹھیں اور کمرے میں چلی گئیں اور وہ اماں کی جھنجلاہٹ پر مسکراتی ہوئی پھر سے اخبار پڑھنے لگی۔

اماں بی کو ردا سے بہت محبت تھی۔ آ کر وہ ان کے چہیتے اور اکلوتے بیٹے کی اولاد تھی اور پھر یتیم تھی۔ بہو بیگم بٹی کی پیدائش کے چند روز بعد ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں کچھ عرصے بعد بیٹا بھی ٹریفک حادثے میں جان بحق ہوا تو ردا کی پرورش تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری ان کے ناتواں کندھوں

پر آن پڑی۔ 500 گز کے بے وسیع گھر کو انہوں نے کرائے پر دے دیا اور خود پوتی کو لے کر ایک فلیٹ میں شفٹ ہوگئیں۔ مالی اعتبار سے انہیں کوئی پریشانی نہیں تھی فکر تھی تو اب ردا کی شادی کی۔
اماں صبح کہہ رہی تھیں چہرہ واقعی باہر نکلنے سے پھٹکار مارا ہو جاتا ہے۔
اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا ایسا بھی نہیں، لوگ میرے چہرے کی تعریف کرتے رہے ہیں اس نے خود کو تسلی دی مگر کوئی چہرہ اس کو بھی تو اچھا لگے۔ اماں کا اصرار شادی کا ہے اب بھلا شادی کر بھی لے تو کس سے کرے ایک میگزین کی ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے وہ طرح طرح کے لوگوں سے ملتی رہی تھی۔ انٹرویوز کیے، ملاقاتیں کی مگر حد میں رہی اور دوسروں کو بھی حد میں رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے سارے لوگ بونگے لگے اس نے مسکراتے ہوئے سوچا سوائے ایک شخص کی نفاست کے جس سے وہ چند لمحے کے لیے مرعوب ہوئی تھی۔
''سنو رداان صاحب کا انٹرویو لو۔''
اس کی سہیلی ناجیہ نے کھانا کھاتے ہوئے سامنے ٹیبل پر بیٹھے شخص کی طرف اشارہ کیا جو کافی دیر سے ایک صاحب سے باتیں کر رہے تھے۔
''اچھا! کیا ہیں، یہ تمہیں معلوم ہے......؟'' ردا نے اس شخص کی طرف دیکھا جو بڑی نفاست سے کھانا کھا رہا تھا اور بات کرنے میں مصروف تھا۔
''یہ موصوف کلثوم بائی اسپتال کے نئے ڈائیریکٹر ہیں۔ ڈاکٹر فرید نواز بہت قابل آدمی ہیں۔ چند سالوں میں اسپتال کی کایا پلٹ دی ہے سنا ہے شہر کے مضافاتی علاقوں میں ان کے دو اسپتال اور زیرِ تعمیر ہیں امریکہ اور کینیڈا سے کئی ڈگریاں لی ہیں، بیرون ملک سے انہیں بہت آفرز ملی ہیں مگر انہوں نے اپنی خدمات کے لیے اپنے وطن کو ترجیح دی ہے یہ ہیلتھ انوائرنمنٹ ایسوی ایشن کے صدر بھی ہیں۔
ناجیہ نے ڈاکٹر فرید کے متعلق تفصیل بتاتے ہوئے مزید کہا۔
''میرا خیال ہے تم ابھی جا کر اپنا تعارف کرواؤ اور انٹرویو کے لیے ان سے وقت لو۔''
''ابھی لنچ ٹائم ہے یار، کھانا کھاؤ اور مجھے بھی کھانے دو بلکہ انہیں بھی کھانے دو۔'' اس نے نایہ کو ٹالنا چاہا اسے اس طرح سے کہنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔
''میری بات تو سنو، فوراً جاؤ بہت مصروف آدمی ہیں، یہ اتفاق ہے کہ اس وقت ہوٹل میں نظر آگئے ہیں۔''
ناجیہ کے اس قدر اصرار پر اسے اٹھنا ہی پڑا۔
چند لمحوں بعد وہ غصے سے ناجیہ کے سامنے بیٹھی تھی۔
''کروا دی بے عزتی...... تمہارے ڈاکٹر فرید بہت بدتمیز آدمی ہیں۔ میں نے جب انٹرویو کے لیے کہا تو موصوف فرمانے لگے۔
اس نے وقفہ دیا اور آواز بدل کر ڈاکٹر فرید کے لہجے میں کہنے لگی محترمہ میں خود کو ابھی اس قابل نہیں سمجھتا کہ انٹرویو دیتا پھروں اور نہ ہی میں نے کوئی ایسا قابل ذکر کارنامہ انجام دیا ہے کہ آپ کو تفصیل بتاؤں۔'' میرا وزیٹنگ کارڈ جیب میں رکھتے ہوئے موصوف نے مجھے چلتا کر دیا اس نے دانت پیستے ہوئے ناجیہ کو دیکھا۔
''چلو تو کوئی بات نہیں، اس میں غصے کی کیا بات ہے؟'' ناجیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
''ماشاء اللہ اس قدر عزت افزائی پر بھی غصہ نہ کروں تو کیا کروں......؟'' اس نے سامنے بیٹھ کر ڈاکٹر فرید کو گھورا۔

''اچھا چلو تم آئس کریم کھاؤ تاکہ تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔'' ناجیہ نے آئس کریم کا کپ ردا کے آگے رکھا۔

اس بات کو کافی دن گزر چکے تھے مگر اسے رہ رہ کر غصہ آرہا تھا بڑے آئے ڈاکٹر فرید..... ڈائیریکٹر ہوں گے اپنے گھر کے ہونہہ، محترمہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا جو انٹرویو دیتا پھروں جی تو چاہ رہا ہے کہہ دوں میں خود آپ کو کسی قابل نہیں سمجھتی، سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو۔'' وہ خود کلامی میں مصروف تھے۔

''ٹرن.....ٹرن.....ٹرن.....'' ٹیلی فون کی مسلسل بیل نے اس کے خیالات کو منتشر کر دیا۔

''ہیلو.....'' ردا نے بیزاری سے فون اٹھایا۔

ہیلو السلام وعلیکم۔ مجھے محترمہ ردا سے بات کرنی ہے۔''

''جی، بول رہی ہوں کہیے کیا بات کرنی ہے؟'' اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

''محترمہ میں ڈاکٹر فرید بات کر رہا ہوں آپ کے مزاج بخیر ہیں؟'' ڈاکٹر فرید کے نام پر وہ چونک گئی اور سنبھل کر بولی۔

''جی ہاں، میں ٹھیک ہوں۔''

''میں آپ کو اپنے اسپتال میں آنے کی دعوت دینا چاہتا ہوں حال ہی میں ہم نے شعبہ ایمرجنسی کا افتتاح کیا ہے۔''

''معذرت چاہتی ہوں فرید صاحب، میرا خیال ہے یہ آپ کا کوئی بڑا کارنامہ نہیں جس کے لیے میں اسپتال کا وزٹ کروں۔'' اس نے حساب برابر کیا۔

''لگتا ہے محترمہ، آپ کو اس روز میری بات بری لگی، خفا ہیں آپ۔'' ڈاکٹر فرید کی بات کی اس نے نفی کی۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔''

جی ہاں ایسی ہی بات ہے میں ایک ڈاکٹر ہوں سمجھتا ہوں۔''

''سنیے میں آپ کی مریضہ نہیں ہوں۔'' اس نے جل کر کہا۔

''تو ہو جائیں گی۔'' ڈاکٹر فرید نے برجستہ کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا.....؟'' وہ تنکی۔

''اجازت دیجیے آپ خفا ہیں، آپ سے بات بھلا اب کیسے ہو سکتی ہے، خدا حافظ!''

ڈاکٹر فرید فون بند کر چکے تھے اس نے فون کریڈل کر رکھتے ہوئے گردن جھٹکی۔

لارڈ صاحب! اب خیال آرہا ہے غلطی ہو گئی ہونہہ۔

شام کے پانچ بج رہے تھے وہ گھر جانے کے لیے آفس سے نکلنے ہی والی تھی کہ چوکیدار نے پھولوں کا گلدستہ اس کی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میڈم یہ ایک لفافہ اور پھولوں کا گلدستہ ڈرائیور دے گیا ہے۔''

لفافہ کھولتے ہوئے اس نے گلدستہ پر نظر دوڑائی سرخ گلابی اور پیلے پھولوں سے مزین گلدستہ اسے بہت اچھا لگا مگر حیرت ہوئی کہ کس نے بھیجا ہے۔

میں اپنی غلطی پر معذرت خواہ ہوں۔

شرمسار

ڈاکٹر فرید نواز

معذرت کا یہ انداز اسے اچھا لگا تھا وہ مسکرا دی۔

صبح گھر سے آفس جانے کے لیے نکل رہی تھی نوکرانی نے سرخ سفید پھولوں کا گلدستہ آگے کر دیا ساتھ ہی لفافہ تھا اس نے حیرت سے کھولا اب کس نے بھیج دیا۔

صبح بخیر!

مجھے اُمید ہے کہ آپ نے میری معذرت قبول کر لی ہوگی اور آپ کی خفگی دور ہو گئی ہوگی۔

ممنون
ڈاکٹر فرید نواز
وہ مسکرا دی۔
''شکر گزاری کا یہ طریقہ بھی اچھا ہے۔'' اس نے دل میں کہا
''بیٹا کس نے بھیجا ہے گلدستہ......؟'' اماں نے پوچھا تو وہ چونک گئی۔
''اماں! میں ناجیہ سے ناراض تھی اس نے بھیجا ہے۔'' ردا نے لفافہ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا اور مسکراتے ہوئے اماں کو دیکھنے لگی۔
''لو...... تم دونوں کا بچپنا ختم نہیں ہوگا ایک دوسرے کو منانا اور روٹھنا اسی میں زندگی گزار دینا۔''
''اماں مجھے کیا پتا تھا ناجیہ گلدستہ بھیج دے گی ورنہ میں روٹھتی نہیں...... لیکن ہاں شاید روٹھتی کہ روٹھنے کا لطف الگ ہے۔'' اس نے اماں کا ہاتھ چوما اور آفس چلی آئی۔
اسے سب کچھ اچھا لگ رہا تھا اس کی یہ کیفیت پہلی بار ہو رہی تھی اور وہ اندر سے گنگنا رہی تھی ایک مسرت تھی جو اس کے وجود سے پھوٹ رہی تھی۔
شام جب وہ گھر پہنچی تو معمول کے مطابق چہل پہل تھی دادی اماں اس کے کمرے میں چلی آئیں۔
''بیٹا، تیار ہو جاؤ مہمان آئے ہوئے ہیں۔''
''اماں کس سلسلے میں آئے ہوئے ہیں۔''
''بیٹا! لڑکے والے لڑکی کے گھر کیوں آتے ہیں......؟'' اماں نے الٹا اس سے سوال کیا۔
''کیا مطلب اماں کون ہے یہ لوگ اور کہاں سے آئے ہیں؟''
''بس رہنے دیں اپنی صحافت، گھر میں بھی سوال جواب...... لڑکیاں اپنے گھروں میں اچھی لگتی ہیں بس بہت کر لی تم نے اپنی من مانی تیار ہو کر آ جاؤ۔''

اماں جا چکی تھیں اس نے اداسی سے میز پر رکھے ہوئے ڈاکٹر فرید کے بھیجے ہوئے گلدستے کو دیکھا اور تیار ہونے لگی لیکن جب ڈرائنگ روم میں پہنچی تو ڈاکٹر فرید کو سامنے بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئی۔
''بی اماں آپ کی بیٹی مجھے بہت پسند آئی ہے اور یہ ہے بھی میرے بیٹے کی پسند...... اس کی طرف سے میں بہت فکر مند تھی جانے کب یہ گھر بسائے گا اب چونکہ اس نے میری مشکل آسان کر دی ہے میں اب تاخیر بالکل نہیں کرنا چاہتی، بس مجھے شادی کی تاریخ دے دیجیے۔'' نہ جانے اماں نے کیا جواب دیا تھا۔ وہ تو ایک انوکھی صورتحال سے دوچار تھی مسرت کا احساس تھا ڈاکٹر فرید کی مسکراتی آنکھیں اس سے جانے کیا کہہ رہی تھیں بار بار ڈاکٹر فرید کے نام سے منسوب اپنا نام سن کر اسے شرم آ رہی تھی آخر کار اس نے کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں جا کر پناہ لی تھی پھر کتنی دیر آئینے کے سامنے کھڑی اپنے اور ڈاکٹر فرید کے متعلق سوچتی رہی تھی۔
دوسرے روز جب وہ آفس گئی تو ڈاکٹر فرید کو اپنا منتظر پایا۔
''ردا کل تو بات ہو ہی نہیں سکی۔ میں نے سوچا بہ نفس نفیس ملا جائے اور پوچھا جائے کہ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں، آپ خوش تو ہیں؟'' ڈاکٹر فرید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''ہوں۔'' اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔
''اگر یہ بات ہے تو چلیں میرے ساتھ۔'' وہ یکدم کھڑے ہو گئے۔
''مگر کہاں؟'' وہ پریشان ہو گئی۔
'لونگ ڈرائیو پر، پلیز انکار نہیں سنوں گا۔'' اس نے حتمی انداز اپنایا تو اسے جانا پڑا۔
''سنو ردا، شادی کے بعد ہم ہنی مون پر قطعی نہیں جائیں گے۔ اس نے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے

گاڑی موڑی۔''
''کیوں...... کیوں نہیں جائیں گے؟'' وہ حیران تھی۔
''بھئی دیکھوں ناں، تمہارے اور اپنے درمیان میں کسی فرد کسی منظر کو نہیں آنے دوں گا بس میں تو یہی چاہوں گا، تم مجھے دیکھتی رہو اور میں تمہیں۔'' ڈاکٹر فرید نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔
''شرم کریں توبہ ہے اتنے رومانٹک تو نہیں لگتے تھے آپ۔ اسے شرم آرہی تھی اس نے برجستہ کہا۔
''یہ باتیں میں اپنے ہونے والی بیوی سے کررہا ہوں اس میں شرم کی کیا بات......؟'' انہوں نے توقف کے بعد پھر کہا۔
''اور ہاں، مجھے بیوی گھر میں شوہر کا انتظار کرتی اچھی لگتی ہے یہ آفس جاب کو خدا حافظ کہہ دینا۔'' انہوں نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔
''ہاں، کہہ دوں گی۔'' ویسے بھی اماں کا کہنا ہے کہ باہر نکلنے پر چہرہ پھٹکارا ہوجاتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ہاں یہ ہوئی نا بات...... اماں بہت اچھی ہیں مجھے بہت پسند آئی ہیں۔''
''دیکھیں سات بج رہے ہیں، چھ بجے مجھے گھر پہنچنا ہوتا ہے اماں پریشان ہوں گی۔'' اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
ڈاکٹر فرید نے اس کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا۔
اماں کی طرف سے اتنی فکرمند رہتی ہو؟''
''تو کیا نہ ہوں، میری زندگی میں اماں کے سوا ہے ہی کون، اماں ہی میرا باپ میری ماں ہیں، دوست بھی میرا سب کچھ میری اماں ہی ہیں۔'' وہ جوش میں کہتی چلی گئی۔
''اور میں......'' انہوں بے برجستہ پوچھا تو وہ شرم سے سرخ ہوگئی۔
''میں بہت تشنہ رہی ہوں، رشتوں کے معاملے میں اماں نے مجھے گرم و سرد موسم سے تو دور رکھا مگر میری تشنگی دور نہیں کرسکیں۔ آپ کو معلوم ہے مجھے بچے بہت پسند ہیں دیوانی ہوں میں بچوں کی۔ ناجیہ اس کے گھر جاتی ہوں تو ڈھیروں چاکلیٹ بسکٹ کے بھائی کے بچوں لیے لے کر جاتی ہوں اس کے بھتیجا بھتیجی مجھے پھوپھو کہتے ہیں۔
ہائے اتنا اچھا لگتا ہے کیا بتاؤں آپ کو۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
''ہونہہ تو بچے آپ کو بہت پسند ہیں؟''
''ہاں کسے پسند نہیں ہوتے بچے......؟'' آپ کو پسند نہیں۔'' اس نے سادگی سے پوچھا۔
''ہاں بہت پسند ہیں۔'' اپنے ہوں گے تو اور زیادہ پیارے ہوں گے انہوں نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرما گئی۔
''آپ بہت بے شرم آدمی ہیں دیکھنے میں اتنے سوبر لگتے ہیں۔'' اس کے جملے پر انہوں نے قہقہہ لگایا۔
''میں نے کیا کہا تم نے تو مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ میں اپنے اور تمہارے درمیان منظر نہیں آنے دینا چاہ رہا خود بچوں کو لے آئی ہو۔ بڑی لڑائی ہوا کرے گی ہم دونوں کے درمیان۔
''میں آپ سے لڑوں گی نہیں، ناراض رہا کروں گی۔'' اس نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔
''پھر تو تمہیں ناراض ہی رکھا کروں گا۔'' وہ پھر شوخی پر اتر آئے۔
''وہ کیوں؟'' اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔
''وہ اس لیے کہ تم مجھ سے ناراض ہی اچھی لگتی ہو جس وقت میں نے انٹرویو لینے سے انکار کیا، تم برہمی سے اٹھی تھیں غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا

اور دور بیٹھ کر مجھے صلواتیں سنا رہی تھیں اور میں دل ہی دل میں تمہیں بیوی بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ردا کا گھر آ چکا تھا۔ وہ گاڑی سے اتری اور جاتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے آپ اپنے فیصلے پر غور کر لیں کہیں پچھتانا نہ پڑے۔''

''میں فیصلہ کر کے غور نہیں کرتا...... اور نا ہی پچھتانا پسند کرتا ہوں سرخ جوڑا پہننے کے لیے تیار ہو جاؤ، جلد بارات لے کر آؤں گا۔''

خدا حافظ!'' وہ شرما کر بولتی ہوئی اندر چلی گئی۔ پیچھے ڈاکٹر فرید کا قہقہہ اس کا تعاقب کرتا رہا۔

شادی کے بعد ڈاکٹر فرید کی قربت سے اسے چاہت کا مفہوم سمجھ آیا تھا۔ اسے گردو پیش کے سارے مناظر بدلتے معلوم ہوئے تھے۔ ڈاکٹر فرید کی چاہت اور محبت نے اس کی زندگی میں میں صبح و شام کی تخصیص ختم کر دی تھی، اس کی زندگی کا محور صرف ڈاکٹر فرید کی ذات تھی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں اور ضرورتوں کا وہ اس قدر خیال رکھتی تھی کہ ڈاکٹر فرید کو حیرت تھی۔

''ردا تم اتنی اچھی بیوی ثابت ہوگی یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔'' انہوں نے ردا سے کوٹ لیتے ہوئے کہا۔

''یعنی آپ کا خیال تھا میں بہت بری بیوی ثابت ہوں گی۔'' ردا نے انہیں گھورا تو وہ مسکرا دیے۔

''اچھی بیوی سوچا تھا اتنی اچھی نہیں۔'' انہوں نے شرارت سے دیکھا۔ ''اصل میں بات یہ ہے کہ ورکنگ خواتین گھریلو کام میں کم ماہر ہوتی ہیں۔'' انہوں نے جواز پیش کرتے ہوئے کہا۔

''تم جاب کرتی تھیں، مجھے یہ خوف تھا کہ تمہیں ٹریننگ دینا پڑے گی۔''

''تو ثابت ہوا، قیاسات غلط بھی ہو سکتے ہیں۔'' وہ مسکرائی تو ڈاکٹر فرید بھی مسکرا دیے وہ جھکی اور ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے ایک تصویر نکالی۔

''دیکھیں کتنا خوبصورت بچہ ہے۔''

ایک مسکراتے ہوئے بچے کی تصویر دیکھ کر ڈاکٹر فرید کی بھی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''ہاں، بہت خوبصورت ہے۔''

''میں سوچ رہی ہوں ایسی بہت سی تصاویر اپنے کمرے میں لگالوں۔''

''ہاں ضرور لگاؤ۔'' ڈاکٹر فرید نے اس کے جذبات کو محسوس کرتے ہوئے اسپتال کا رُخ کیا اور جب شام کو لوٹے تو بچوں کی ڈھیروں تصویریں کئی سائز میں لے آئے۔

''میرے خدایا! آپ پاگل ہوگئے ہیں، اب اتنی تصویریں بھی نہیں لگانی تھیں۔''

''ہاں، تم نے صحیح کہا تم نے مجھے پاگل ہی کر دیا ہے۔'' وہ شرارت سے اسے دیکھنے لگے۔

''سنیں ہر تصویر خوبصورت ہے سوچ رہی ہوں کون سی لگاؤں اور کون سی نہ لگاؤں۔'' اس نے تصویریں دیکھتے ہوئے ڈاکٹر فرید کی توجہ تصویروں پر دلائی۔

''سب ہی لگاؤ، کمرے کا کوئی گوشہ خالی نہ چھوڑو۔'' انہوں نے مشورہ دیا۔

''واقعی ہر جگہ لگا دوں۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' کہہ تو رہا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ تم تصویروں سے کب تک کام چلاؤ گی۔''

''فرید! میں تو روز دعا کرتی ہوں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہی ہے اماں بی کہہ رہی تھیں ہم دونوں کو چیک اپ کروالینا چاہیے دو سال ہوگئے ہیں شادی کو اماں کو تو بہت تشویش ہے۔'' اس نے اُداس ہوتے ہوئے کہا۔

''اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں کل چیک اپ ہو جائے گا تمہیں ضرور میرے ساتھ اسپتال چلنا ہے۔''
وہ مطمئن ہوگئی
ماں بننے کا خواب جو اس کی تشنگی کا واحد حل تھا، اس کی اس خواب کی تعبیر ڈاکٹر فرید اور ردا کی دسترس سے باہر تھی یہ کیسی تشنگی تھی جو تنہائی میں تڑپاتی تھی جو تنہائی میں رُلاتی تھی۔
ایک خلش تھی، ایک کسک تھی اس نے کوئی چھوٹا بہن بھائی نہیں دیکھا تھا، جس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ تھام کر چلتی اور نہ کوئی اس سے تھا، جن کے ہاتھ پکڑ کر وہ چلنے پھرنے کی کوشش کرتی۔ اٹھلاتی کھلونوں سے کھیلتی کوئی اس کے کھلونوں کو توڑتا، وہ چیختی چلاتی، ضد کرتی۔
اسکول میں لڑکیاں جب اپنے اپنے بہن بھائیوں کا ذکر کرتیں تو اس کا دل بھی چاہتا کہ وہ بھی کسی کی شرارت کے قصے، کسی کی ضد اور عادتیں بتائے، وہ بھی کہے کہ کل بھائی مجھے آئس کریم کھلانے لے کر گئے تھے، میری بہن میرے لیے سوٹ لے کر آئی ہے یا کل میری چھوٹی بہن کی سالگرہ تھی اتنے مہمان آئے تھے مگر وہ ساری باتیں سوچ کر رہ جاتی۔
گھر جاتی تو وہی تنہائی، اماں بی اور وہ۔'' اماں کے پیار دمحبت اور توجہ سے اسے والدین کی کمی کا اس قدر احساس نہیں ہوا تھا مگر وہ اس گھر میں کوئی اپنا ہم عمر اپنے سے چھوٹا یا بڑا وجود چاہتی تھی۔
جب تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی، اسے احساس نہیں ہوا تھا اماں کے تنہا رہنے کا خیال سے کانپ جاتی تھی اور شادی کے بارے میں سوچنا وہ خرافات سمجھتی تھی مگر ڈاکٹر فرید کے انوکھے انداز و اقرار کے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور شادی ہوتے ہی اس کی اولین خواہش 'ماں' بننے کی تھی کتنے خواب تھے جو اس کی آنکھوں میں اتر آئے تھے۔
اس کی جاگتی آنکھیں ایک تصوراتی بچے کو ہمکتے تالیاں بجاتے، غوں غوں کی آواز نکالتے گھٹنوں چلتے مختلف چیزوں کو پکڑے دیکھتی تھیں وہ مسکراتی۔
خریداری کے لیے بازار جانا ہوتا تو ڈھیروں بچوں کے کپڑے، کھلونے خرید لاتی۔ اپنے بیڈ روم کے ساتھ والے کمرے میں اس نے طرح طرح کے کپڑے نت نئے کھلونے جمع کر لیے تھے۔ ایک البم تھی جس میں ہر عمر کے بچوں کی تصویریں لگا رکھی تھیں۔
فرصت کے وقت وہ گھنٹوں کمرے میں بند کھلونے، کپڑے حسرت سے دیکھتی اور بچوں کی تصویریں دیکھ کر کبھی خوش اور کبھی اُداس ہو جاتی بچوں کی تربیت اور نگہداشت کے موضوع پر اس نے کئی کتابیں اور رسائل خریدے تھے جنہیں وہ بڑے شوق سے پڑھتی تھی۔ گھر کے کام کاج کے لیے اس نے جس عورت کو رکھا تھا اس کے چھ بچے تھے گھر میں کھانے کو نہیں ہوتا مگر بچے بھی پل رہے تھے۔ خوش نصیب ہے یہ عورت میرے مقابلے میں...... خدا نے اسے اولاد سے نوازا ہے وہ اسے کام کرتا دیکھ کر اکثر سوچتی۔
نفیسہ اُسے مشورے دیتی۔
''بیگم صاحبہ، فلاں فقیر ہے سنا ہے اگر وہ دعا دیتا ہے تو بچی دیتا ہے آپ اس کی مراد پوری کریں گی تو وہ ضرور دعا دے گا اور خدا آپ کی گود بھر دے گا۔
''اچھا کہاں بیٹھتا ہے......؟'' اس نے دلچسپی لی۔
''بیگم صاحبہ، کچی آبادی کی جھگی میں رہتا ہے۔
''میرے ساتھ والی جھگی ہے اس کی۔''
وہ اولاد کی چاہت میں نفیسہ کے ساتھ گئی اور بہت سے پیسے فقیر کے کشکول میں ڈال کر

ڈھیروں دعائیں لیں۔

''بیگم صاحبہ، ایک مولوی اور ہے تعویذ دیتا ہے جس کے باندھنے سے عورت ماں بن جاتی ہے۔''

وہ جو ان باتوں پر یقین نہیں رکھتی تھی، اب نفیسہ کو پیسے دے کر تعویذ منگوانے لگی کبھی نقش پہنتی کبھی ڈاکٹر فرید کو بتائے بغیر پانی میں پلاتی اور کبھی تعویذ باندھتی تو کبھی تکیے کے غلاف میں رکھتی۔

''بیگم، آپ اور صاحب میرے ساتھ فلاں مزار پر چلیں وہاں دیا جلائیں گے تو اولاد ضرور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی گود بھر دے گا۔''

وہ جن باتوں پر یقین نہیں رکھتی تھی، فرید سے چھپا کے ٹوٹکوں اور تعویذوں کے چکر میں بھی پڑ گئی تھی۔ مجبور تھی۔ جب خواہشیں شدت اختیار کر لیں تو غلط اور صحیح کی تمیز ختم ہو جاتی ہے وہ تو پھر اولاد کی خواہش مند تھی اور وہ بھی جائز خواہش۔''

''فرید، پلیز آپ وقت نکالیں چلیں ناں۔ نفیسہ بتا رہی تھی ایک مزار ہے وہاں جا کے دعا مانگوں گی، آپ کو بھی چلنا ہوگا اس کے چہرے پر التجا تھی۔

''ردا میں بہت مصروف ہوں وقت نہیں ہے ابھی۔'' ڈاکٹر فرید نے ٹالنا چاہا۔

''ٹھیک ہے، ابھی آپ کے پاس وقت نہیں ہے، جب ہمیں خدا اولاد دے گا تو میں سارا وقت اپنے بچے کو دیا کروں گی آپ دیکھتے رہیے گا۔'' ڈاکٹر فرید مسکرا دیے۔

اسے میڈیکل رپورٹ کا انتظار تھا مگر آج کل ڈاکٹر فرید اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ ان کے نہ آنے کی خبر بھی نہ جانے کی۔ اب تو دیر سے آنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ چھٹی کے دن بھی اسپتال میں ان کا کوئی کام ضرور ہوتا، فون پر رابطہ کرتی تو پیغام ملتا ڈاکٹر فرید میٹنگ میں ہیں، آپریشن تھیٹر میں ہیں، راؤنڈ پر ہیں اور وہ فون جل کر پٹخ دیتی۔

ادھر ردا کو احساس تنہائی ستانے لگا۔ نفیسہ اپنا کام کر کے چلی جاتی اور وہ بوکھلائی بوکھلائی گھر کی چہار دیواری میں پھرتی رہتی، بستر پر لیٹتی تو کبھی اپنی مرحومہ ساس کا خیال ستاتا کتنی حسرت تھی انہیں پوتا پوتی دیکھنے کی۔

اماں بی کا خیال آتا تو رو پڑتی کتنے آنسو اس کے تکیے پر جذب ہو جاتے۔

''بیٹا! اب تو میری بس ایک ہی آرزو ہے کہ خدا تیری گود بھر دے ایک دو بچوں کو تو میں بھی دیکھ لوں پھر خدا مجھے بلا لے خوشی خوشی چلی جاؤں گی۔''

اماں انتظار کرتے کرتے ہمیشہ کے لیے ہی چلی گئی تھیں۔

جانے یہ رات کا کون سا پہر تھا جب ڈاکٹر فرید کمرے میں داخل ہوئے اس نے چونک کر انہیں آتا دیکھا تو آنکھیں بند کر لیں وہ اسے سوتا بنتے دیکھ کر مسکرا دیے اور قریب آئے تو اس نے آنکھیں کھول لیں۔

''کیا بات ہے ردا آج آپ سوئی نہیں......؟''

''آپ کو پوچھنے کی فرصت مل گئی؟'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

''ناراض ہو میں مصروف ہو گیا ہوں اس لیے۔'' انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''انسان کی ذاتی زندگی بھی کچھ ہوتی ہے، یہ سب کس لیے کر رہے ہیں، دولت کے لیے؟ مجھے نہیں چاہیے یہ دولت۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے بے زاری سے کہا۔

''تو پھر تمہیں کیا چاہیے؟'' انہوں نے برجستہ پوچھا۔

'' مجھے ڈاکٹر فرید نہیں اپنا شوہر فرید چاہیے۔صرف آپ......'' اس نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

رداتم ایک ڈاکٹر کی بیوی ہو کسی معمولی آدمی کی نہیں تمہیں سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔'' انہوں نے اسے سمجھایا۔

''میں کب آپ کے فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن رہی ہوں، ایک ڈاکٹر ہونے کے ساتھ اب آپ ایک شوہر بھی ہیں اور آپ کے کچھ فرائض ہیں۔''

''بتایئے ذرا بیگم صاحبہ، کیا فرض ادا نہیں کیا ہم نے؟'' انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

''میرے ساتھ کھانا کھائے ہوئے آپ کو کتنے دن ہو گئے ہیں احساس ہے......؟''

''وہ ہنس دیئے اور شرارت سے بولے۔

''شدت سے احساس ہے۔''

''تو پھر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے اپنے آپ کو غور سے دیکھا ہے؟ کتنی تھکن ہے آپ کے چہرے پر آپ کو بھی آرام کی ضرورت ہے، چھٹی کریں کچھ دنوں کی......فرید میرے ساتھ چلیں نفیسہ کے گاؤں چلیں وہ کہہ رہی تھیں وہاں پر کوئی درخت ہے جس کی ٹہنی پر کپڑا باندھنے سے من کی مراد پوری ہوتی ہے، خدا ہمیں اولاد ضرور دے گا۔''

ڈاکٹر فرید کے چہرے پر بیزاری آ گئی۔

''ردا پلیز میرے سامنے ایسی باتیں مت کیا کرو، وہاں چلنا ہے یہاں چلنا ہے۔اتنی تعلیم یافتہ ہو کر تم ایسی باتیں کرتی ہو......؟ ایک خواہش کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے تم نے......؟ خدا کے لیے گھر سے باہر نکلو، کچھ مصروفیات تلاش کرو، سوشل بنو، لوگوں سے ملو جلو، ان خرافات سے دور رہو۔

''مگر شادی سے پہلے تو آپ کو گھر میں انتظار کرتی بیویاں پسند تھیں......؟'' اس نے ان کا جملہ دہرایا۔

'' ہاں پسند تھیں مگر جب شوہر مصروف ہو اور بیوی کو وقت نہ دے پائے تو پھر بیوی کو بھی مصروف ہو جانا چاہیے۔'' انہوں نے جواز پیش کیا۔

'' مگر مجھے اب جاب سے دلچسپی نہیں رہی۔مجھے میڈیکل رپورٹ کے بارے میں بتائیں۔

ڈاکٹر فرید کا چہرہ فق ہو گیا انہوں نے بات پلٹی۔

'ردا تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے......؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟'' اس نے چاہت سے انہیں دیکھا۔

''تو سنو، آج کے بعد تم مجھ سے اولاد، میڈیکل رپورٹ یا فلاں جگہ جانا ہے کے موضوع پر بات نہیں کرو گی۔میڈیکل رپورٹ ہماری نارمل ہے بس یہ خدا کے ہاتھ میں ہے کہ خدا ہمیں کب اولاد سے نواز دے۔''

''لیکن کوششیں تو ہم کر سکتے ہیں دعائیں کر کے۔'' اس نے کہا تو وہ چڑ گئے۔

''میں اب اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کروں گا۔''

ان کے انداز ے اور لہجے میں لاتعلقی آتی رہی اور وہ تنہا ہوتی چلی گئی۔

پھر آخر اس نے ڈاکٹر فرید کی خواہش پر اپنے آپ کو بے پناہ مصروف کر لیا۔اس نے ایک میگزین نکالا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شہرت علمی و ادبی حلقوں میں بڑھتی چلی گئی۔وہ کئی انجمنوں کی رکن بن گئی، سیمینار کا انتظار اور اس میں اس کی شرکت اس

کی زندگی کا معمول بنتا چلا گیا۔ اسے گھر صرف سرائے خانہ لگتا تھا جہاں وہ صرف چند گھنٹے گزارتی تھی۔

ڈاکٹر فرید کی مصروفیات اپنی جگہ بدستور تھیں اس کے اندر کی عورت بے چین تھی ایک خلش ایک کسک تھی ایک کرب تھا۔ ڈاکٹر فرید کے بدل جانے کا۔ ان کی بے اعتنائی، بے رخی نے اسے اذیت دے رکھی تھی۔ ڈاکٹر فرید کے قریب ہوتے ہوئے بھی خود کو کوسوں دور محسوس کرتی تھی۔ لاتعلقی کی دھوپ نے شبنمی جذبوں کو جھلسا دیا تھا۔ اس کے وجود کے سارے پھولوں سے لدے شجر بے برگ و بے ثمر ہو گئے تھے

زندگی کے آٹھ سال کی بے پناہ مصروفیات اور خدمات نے ڈاکٹر فرید کو مزید شہرت، عزت اور دولت دی تھی۔ ادھر ردا کی خدمات کو بھی صحافت و ادب کے حوالے سے سراہا جا رہا تھا۔ دولت شہرت عزت سب ہی کچھ تھا لیکن سکون نہیں تھا جس کی ردا کو تلاش تھی اپنے ادھورے خوابوں کا احساس اسے بے چین کر رکھتا تھا۔ اب وہ خواب آور گولیاں لینے لگی تھی۔ برسوں سے وہ کمرہ بند پڑا تھا جس میں بچوں کے کھلونے بستر اور کپڑے اس نے سجائے تھے۔

''پچھلے چار روز سے وہ گھر میں دکھائی دے رہے تھے۔ ردا کی اپنی مصروفیات تھیں پھر جو لاتعلقی کی دیوار انہوں نے کھڑی کی تھی، اب وہ ردا کی بھی انا بن گئی تھی اس لیے ان کے قریب جا کر مزاج کو پوچھنے کی خواہش کو اس نے بڑی مشکل سے ختم کیا تھا اور آج جب وہ واپس اس کا قرب چاہ رہے تھے تو سارے زخم تازہ ہو گئے تھے۔

سیمینار میں شرکت کے بعد وہ جب گھر پہنچی تو ڈاکٹر فرید گھر پر نہیں تھے وہ اپنے روم میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بے دلی سے کانوں سے ٹاپس اتار رہی تھی ٹیبل پر لیٹر پیڈ دیکھا تو کچھ تحریر تھا۔ اس نے اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا۔

ردا!

آج پہلی بار تم نے جب میری بات نہیں سنی، جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو ان آٹھ سالوں میں، میں نے تمہارے ساتھ بہت ناانصافیاں کی ہیں، تمہاری بے تابیاں میں نے دور رہ کر بھی محسوس کی ہیں تم ایک بھرپور عورت ہو ردا! شوہر سے محبت اور اولاد کی تمنا ہی تمہاری زندگی ہے آج تم جن راہوں پر گامزن ہو، میں نے ہی متعین کیے۔

ردا میں نے تمہیں بڑی چاہت سے اپنایا تھا تم نے مجھے بہت کچھ دیا جس کا مجھے اندازہ بھی نہیں تھا میری تو روح بھی تمہاری محبت میں سرشار رہی ہے میں تم سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں اس لیے میں نے تمہیں دھوکے میں رکھا ردا میڈیکل رپورٹ کے مطابق میں باپ نہیں بن سکتا تھا۔ میری ذات کے لیے یہ انکشاف شادی کے بعد ہوا اگر شادی سے پہلے ہوتا تو میں کبھی بھی شادی نہیں کرتا۔ میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا میں نے تمہیں مصروف کر دیا اور خود بھی مصروف ہو گیا تاکہ تم یہ خواب یہ خواہشیں بھول جاؤ مگر ناکام رہا۔

ردا کل شام میں سارا وقت گھر پر رہا اور پہلی بار اس کمرے میں گیا جس کو تم نے سجا کر رکھا ہے۔ میری حیرت کی انتہا نہیں رہی تمہارا جنون دیکھ کر میرا ضمیر کچوکے لگاتا رہا میں نے غلطی کی، گناہ کیا تم سے یہ حقیقت نہیں چھپانی چاہیے تھی۔ تمہاری خواہش شدید ہے اور جائز ہے عورت مکمل ہی تب ہوتی ہے جب وہ ماں بنتی ہے۔

میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں، تمہیں آزاد کر

سکتا ہوں مجھے یقین ہے ردا! کسی اور کے نکاح میں آنے کے بعد خدا تمہیں اولاد سے نواز دے گا۔ تم سوچ لو ردا! میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ ہفتہ بعد آؤں گا۔

تمہاری خوشیوں کا متمنی

فرید

اس کے ہاتھ اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنسو تھے کہ آنکھوں سے رواں تھے۔

یہ زندگی کا کون سا مذاق تھا فرید بظاہر شاندار شخصیت کے مالک تھے اصول پرست تھے، صاحب علم تھے پھر یہ سب کیا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ڈاکٹر فرید کی قربت میں گزرا ہر لمحہ اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ ان کی بے چینیاں بے تابیاں تو اس سے کئی گناہ زیادہ تھیں اماں بی کی باتیں اس کے ذہن میں الگ تازہ ہو رہی تھیں۔

''بیٹا! میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی پردہ پوشی سے خدا خوش ہوتا ہے۔

وہ ہفتہ پورا اس کا مایوسی اور اداسی سے گزرا تھا پھر ایک فیصلے نے اسے مطمئن کر دیا کہ وہ اب ڈاکٹر فرید کی منتظر تھی۔

کمرے سے بچے کی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں روتے ہوئے بچے کو ردا نے کندھے سے لگایا ہوا تھا اور اسے بہلا رہی تھی۔ ڈاکٹر فرید حیران کھڑے ردا کو دیکھ رہے تھے۔

''ارے آپ آ گئے؟'' یہ دیکھیں جیتی جاگتی گڑیا......؟'' ردا نے چھوٹی سی بچی کو ان کی آغوش میں دیا۔'' کیسی لگی ہماری بیٹی؟ ہے ناں پیاری۔'' اس نے گڑیا کے گال چومے۔

''ردا یہ سب کیا ہے؟'' وہ حیران تھے۔

''ہمارے مسئلے کا حل...... خدا نے ہمیں بیٹی سے نوازا ہے یہ مصلحت خدا کی۔ دیکھیں، نفیسہ امید سے تھی اس کے شوہر نے اسے نشے کی حالت میں خوب مارا، صبح ہی بچی پیدا ہوئی ہے مگر نفیسہ نہ بچ سکی اس کا شوہر اس بچی کو مارنے جا رہا تھا مجھے معلوم ہوا تو میں نے اس خبیث کو بہت باتیں سنائیں اور بچی اس سے لے لی اور کہا سمجھو کہ تم نے اس بچی کو مار دیا ہے۔ اب یہ میری بچی ہے۔''

''ٹھیک کہا ناں میں نے۔''

''ابھی یہ ذرا بڑی ہو جائے پھر تو دارالامان جا کر ایک بیٹا ضرور لاؤں گی تاکہ یہ میری طرح تشنہ نہ رہے۔ اسے بھائی کا پیار بھی ملے۔''

''اور جو کچھ میں نے تمہیں خط میں لکھا۔ اس پر غور نہیں کیا۔''

''فرید آپ نے کیسے سمجھ لیا میں آپ کے بغیر رہ سکتی ہوں؟'' آئندہ کبھی ایسا مت سوچیے گا میں آپ کی بیوی ہوں، مجھے اس بات پر فخر ہے میرے لیے آپ ہی کافی ہیں۔''

ڈاکٹر فرید شرمندہ ہو گئے۔

''مجھے معاف کر دو ردا، آئندہ تمہیں کبھی دُکھ نہیں پہنچاؤں گا اور اب کبھی تمہیں اپنے سے دور نہیں کروں گا۔'' انہوں نے شرارت سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''شرم کریں آپ، اب تو ایک بیٹی کے باپ بن گئے ہیں۔'' ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر فرید نے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا۔ ان کے اندر کی مایوسی اور اُداسی ردا کی وفا و خلوص اور محبت کے توانا جذبوں کے سامنے ماند پڑ چکی تھی۔ دونوں کی مسکراہٹیں بتا رہی تھیں کہ سمجھوتے کی شمع سے وہ زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کر چکے ہیں۔

☆☆......☆☆

میراں بائی بھی ایک عورت ہی تو تھی، جذبات کے بھاؤ تاؤ میں جو صرف خسارے کے سودا کرتی ہے سو وہ بھی ایک ماں کی طاقت کے آگے سرنگوں ہوگئی۔ عورت ہار گئی ماں جیت گئی۔ ندحت کے دل پر ڈھیروں بوجھ آن گرا وہ جیت کر بھی ہار چکی تھی۔ اس کا دل......

اُس کے انگ انگ سے شرارے لپک رہے تھے۔ دل میں نفرت پھوٹ پڑے تو انسان لاوے کی طرح پھٹ کر اُبل پڑتا ہے اس کا ادراک اُسے چند لمحے پہلے ہوا۔ اور نفرت بھی اس شخص سے جسے اس نے دیوتا مانا، عمر کا طویل سفر جس میں گھنیری چھاؤں میں گزار دیا۔ جس کے تین بچوں کی ماں تھی وہ۔

محبت کا وہ رشتہ تو ابھی تک اس کی پلکوں پر ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ تتلی کی طرح اپنے گلشن میں مست تھی وہ اپنے آپ میں مگن یہ بھول گئی تھی کہ اس کی شادی اب پندرہ روزہ نہیں بلکہ پندرہ سالہ ہو چکی ہے۔

محبت کے جس نشے میں وہ شادی سے پہلے روز سے جس طرح چور تھی۔ خیر سے اس کے شوہر کے سر سے اتر چکا تھا۔ نہ وہ ان نظروں کی تیکھی (......) پہنچانی نہ بدلتے انداز اطوار اسے کھٹکا سکے۔ اور جب اس کی قریبی سہیلی نے اس کے سر یہ خبر دے ماری کہ تمہارے میاں نے ایک بے پناہ حسین اور مشہور زمانہ بازاری میراں بائی سے شادی کر لی ہے۔

اپنی ہی نظروں میں حقیر بھی ہوئی اور اپنی ذات نادم بھی ہوئی۔

اسے ایسا لگا کہ جیسے بھرے بازار میں اس کے سر سے ردا کا آسرا چھین لیا گیا ہو۔

وہ چاروں طرف سے اپنے اوپر ہنستی ہوئی تضحیک آمیز نظروں کا مقابلہ نہ کر پائی تھی۔

اس سے یہ ستم نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا محبوب ہرجائی ہے وہ پندرہ سالہ ریاضتیں بے کار گئیں وہ محبتوں کے وعدے، وفاؤں کی منزل کے راہی نہ تھے بلکہ زندگی کے صحرا کا سراب تھے جن کے پیچھے وہ پیاسی ہی دوڑتی رہ گئی ہاتھ کیا؟

عمر بھر کے پچھتاوے، یہ ذلتیں یہ رسوائیاں۔

وہ تو بہت اونچے اور روشن خیال گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس کے باپ کا شملہ اس اس کی عزت کی طرح اونچا تھا۔

وہ تعلیم یافتہ، سلیقہ شعار خوبصورت، ہر اُس

خوبی سے آراستہ تھی جو وہاب احمد کے جیون ساتھی میں ہونی چاہیے تھی۔
اور وہاب وہ تو اپنے نام کی طرح وجیہہ تھا اس کی محبت تو مثال بن گئی تھی۔ اس کے خاندان کی ناموس پر عزت کا کوئی بٹا نہ تھا۔ معاشرے میں ان کی اور ان کے خاندان کی حیثیت تھی۔
اُن کی سات پشتوں میں ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا ہوگا یا شاید اس کے نصیب ہی کالے تھے وہ ان عورتوں کی طرح بھگوان نہیں تھی کہ اس کے سر کے سائیں نے اس کے بالوں میں سروائیوں کی راکھ لا ڈالی تھی۔
دوست احباب تو یہی تکلیف دہ موضوع چھیڑ جاتا تھا ان کی ہمدردیاں اس کا سکون لوٹ لیتیں۔
''ارے چھوڑیں بھابی ہوتا ہے آج کل ایسا! پھر یہ عورتیں بھی بڑی چالاک ہوتی ہیں۔''
''دولت کے دام لگے ہوتے ہیں۔ ورنہ وہاب میں ایسی کیا خوبی الوٹنے دیں اس کی قسمت کو دولت کو، جب دھکا دے گی تو وہ آپ کے پاس ہی آئے گا۔'' اور وہ سوچتی کہ وہی تو صحرا کا ننھا شجر ہوگی جو اسے سہارا دے گا لیکن کیا اس کے پاس اتنا حوصلہ ہے کہ صحرا کے درخت کی دھوپ میں جلتے ہوئے اور جلتی بھلتی ریت میں اپنے پیر جمائے وہ دوسروں کو چھاؤں بخش سکے۔
پھر سوچتی، واقعی وہاب بھی کیا کر پائے ہوں گے ان عورتوں کی ادائیں ہی ایسی ہوتی ہیں عورت ہی اگر خراب ہو تو مرد کیا کیا دوش۔
اور وہ پلکیں موند کر انتظار کی صلیب پر مصلوب ہوگئی۔
آخر وہ پھر مضبوط ہے، اس کی خاندانی بیوی ہے۔
وہ خود چل کر اس کے ساتھ نہیں آگئی تھی بلکہ بارات کے سنگ بیاہ کر لایا گیا تھا۔
معاشرہ اسے اس کی بیوی کی حیثیت سے جانتا ہے۔ بچے ہیں ان دونوں کے جن میں
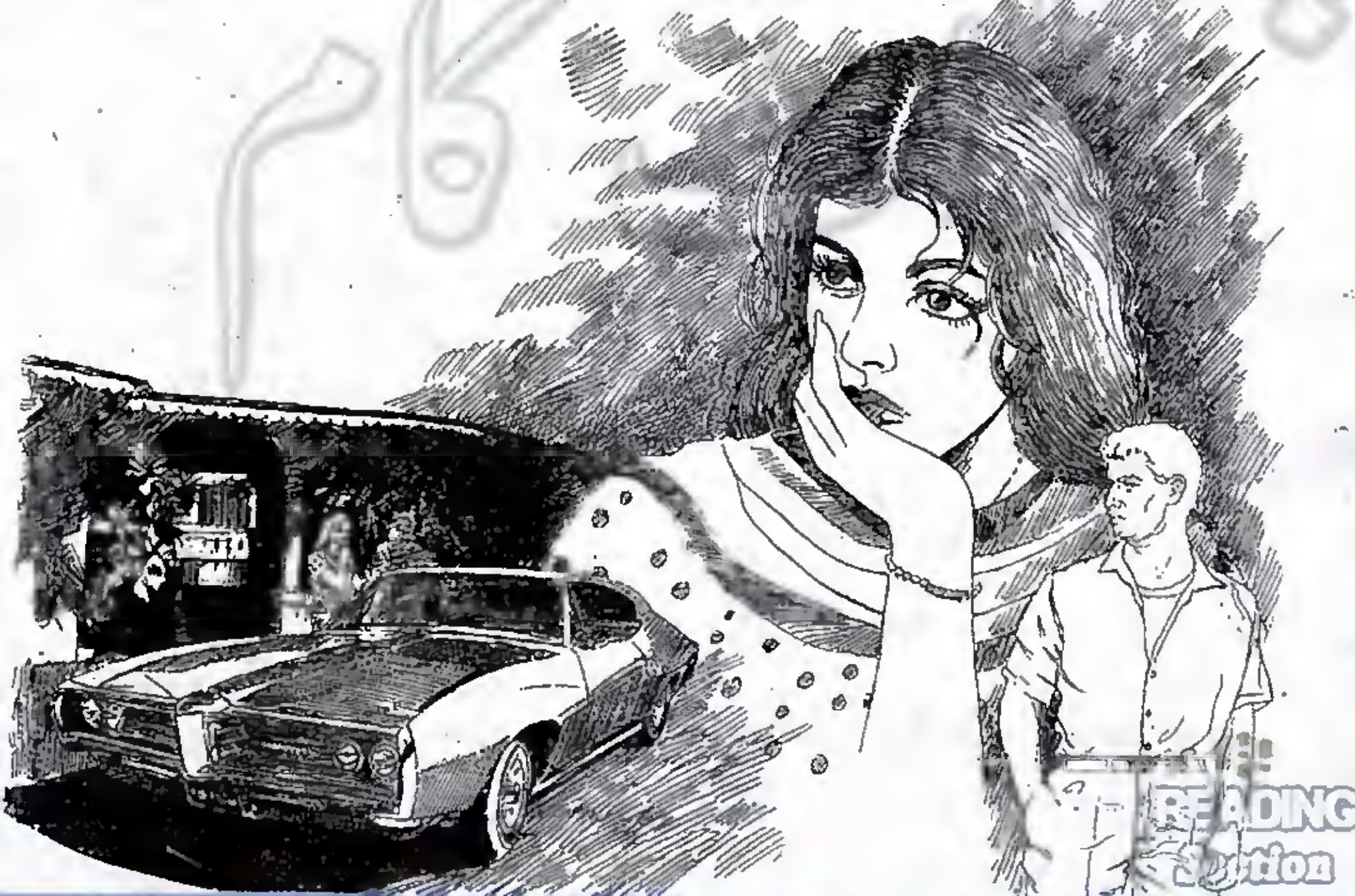
بیٹیاں بھی ہیں اسے اپنی عزت کی پرواہ بھلے نہ رہی ہو لیکن اپنی بیٹیوں کو عزت سے رخصت کرنے کا خیال دل میں ضرور ہوگا۔

جوانی کچھ ترسی ہوئی گھڑیاں اگر وہ اس سے دور رہ کر بسر کرنا چاہتا ہے تو اسے یہ ارمان بھی پورے کر لینے دو۔

اس سوچ کے ساتھ اس کے اپنے لب سی لیے، نہ وہاب پر ظاہر کیا، کہ وہ سب کچھ جانتی ہے نہ لڑی جھگڑی، شور مچایا نہ شکوہ کیا اس کی۔

وفاؤں میں آخر کمی کیا تھی؟

اب وہ ہر وقت بجی سنوری رہتی بلند قہقہوں میں اپنا دکھ چھپا لیتی دل کے آنسو دل پر ہی گرتے رہیں تو دل خون ہوتا ہے لیکن اگر روح بن جاتی ہے اور دل روح کا حسن کے چہرے پر نور بن کر بکھرتا ہے اس کے حسن نور کے آگے تو بڑے بڑے تاب نہ لا سکے تھے۔

وہ اکثر سوچتی میراں کیسی عورت ہو گی کہ وہاب اس کی محبت ٹھکرا کر اس کا اسیر ہو گئے۔

یقیناً وہ بے پناہ حسن کی مالک ہوگی۔ انداز و اطوار سے گھائل کرنا جانتی ہوگی ایسی عورتوں کو تربیت ہی اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ اچھے اچھے شریف مردوں کو بے بس کر دیں بس دولت شرط اولین ہے۔ بے چارے وہاب احمد! وہ سوچتی اور بہت سوچتی، لیکن نہ جانے کیوں ان قصور ہمیشہ میراں کا نظر آتا۔ اور وہاب اسے اس بازی میں مظلوم نظر آتے جن کی دولت کی وجہ سے یہ مصیبت نازل ہوئی تھی۔ تھی نا مشرق کی وہ بے وقوف عورت جو کتنی ہی روشن خیال ہو، اپنے شوہر پر آنے والی رسوائی کی گرد کو بھی جھاڑتی ہے۔ اور معاشرے سے عزت کی طلبگار بھی رہتی ہے۔

وہ بھی انا اور عزت کے گھورکھ دھندے میں پھنسی ایسی مظلوم عورت تھی، جو کسی طور پر اپنی، اپنے خاندان کی عزت بچا لینے کی تمنائی ہے وہ اپنے شوہر کو ہر قیمت پر ان راستوں سے واپس لانا چاہتی تھی۔ یہ وہ جنگ تھی جو اسے جیتنی تھی۔ اس لیے وہ چٹان بن گئی۔ مضبوط، سنگلاخ جو خود اپنی جگہ جمی رہتی ہے اور اس سے ٹکرانے والا پاش پاش ہو جاتا ہے۔

''سنیے! کل آپ ذرا جلدی آ جایئے گا۔''

تین بجے جب رات کو وہاب واپس آئے تو اس نے اس سہولت سے کہا جیسے وہ اس کے کہنے پر سر کے بل چلے آنے والے شوہر ہوں۔

''کیوں؟'' حیرانی کے باوجود انہوں نے رعونت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کل عاقی کی سالگرہ ہے نا۔'' وہ مسکرائی تو وہ بھی نرم پڑ گئے۔

''اچھا کل! کل کی کل دیکھی جائے گی۔ آج تو میں بہت تھک گیا ہوں۔ کاروبار (بزنس) ہی اتنا بڑھ گیا ہے توڑ کر رکھ دیتا ہے اور تھکا دیتا ہے۔''

اور وہ اس بھرم کو تھام کر مسکرا دی۔

اونہہ کاروبار! تم مرد بھی عورتوں کی آنکھ میں دھول جھونک کر کتنی اچھی اداکاری کرتے ہو۔

اداکاری وغیرہ وہ بھی کرتی ہیں، اگر اس قسم کے بھانڈے پھوٹ جائیں تو گھر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور میاں بیوی کی اس حماقت کا خمیازہ بچے تمام عمر ناسازیوں کے دکھ سہہ سہہ کر بھگتے ہیں اور وہ اتنی باشعور تھی کہ ایک مرد کی بے وقوفی پر اپنے تین بچوں کو قربان نہ کر سکتی تھی۔

لیکن! یہ خبر ایسی تھی کہ چھپائی جاتی یا چھپی رہتی۔

بات صرف ایک عورت پر دولت لٹانے کی

نہیں تھی بلکہ نکاح کی تھی انہوں نے اپنے خاندان میں بازار کی جس گندگی کو لا ڈالا تھا اس کو پشتوں کی شرافت دھونے کے لیے ناکافی تھی۔

☆......☆......☆

''اب ہم اتنے بے غیرت بھی نہیں کہ اپنی بیٹی کو یہیں چھوڑ دیں۔ چلو بیٹا! ہمارے ساتھ چلو۔

''تمہارے نصیب کا بہت ہے۔''

اور آنسو جھر جھر بہنے لگے نصیب کا لفظ ہی ٹیس بن کر دل میں جا چبھا۔

وہاب اس سے آنکھ نہ ملا پا رہے تھے، ان کا پورا خاندان ان کے خلاف ہو گیا تھا کہ حرکت ہی اتنی گری ہوئی کی تھی ان کی بہن بینا تو باقاعدہ رو پڑی۔

''اللہ میں اپنی سہیلیوں کا کالج میں کیا شکل دکھاؤں گی۔ یہ بات معمولی آدمی کی نہیں ہے کہ دب جائے بلکہ ایسی باتیں تو زیادہ پھیلتی ہیں پھر کیا ہوگا۔

ہم سب ان کا کیا بھگتیں گے۔''

وہ بیک وقت رو بھی رہی تھی اور برس بھی رہی تھی۔

اس کے گھر والے بھی موجود تھے اور وہاب کے گھر والے بھی موجود تھے۔ وہ بھی اپنے آنسوؤں کے چھپائے سب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی وہاب بھی سب سے نظریں چرائے ایک مجرم کی طرح اپنے خاندان والوں کی عدالت میں موجود تھے جبکہ بچوں کو ان کی آیا کے ساتھ کمرے میں بھیج دیا گیا۔

لاؤنج میں کبھی غم و غصے کی لہر دوڑتی تو کبھی دھواں دھار برسات ہوتی۔ اور کبھی موت کا سناٹا چھا جاتا لیکن وہاب بالکل چپ تھے اس الزام سے انکاری نہ اقراری۔

اور وہ یعنی مسز ندحت وہاب احمد! سر دبائے ایک کرسی پر مردہ تن لیے بیٹھی تھی۔

ذہن و دل پر سب پر عجیب کیفیت گزر رہی تھی جیسے اس کا مسئلہ نہ ہو بلکہ کسی اور کی بات ہو رہی ہو۔

بے جان، سرد، سن اور بے حس کی جب اس کی ماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو جیسے وہ ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی۔

''چلو بیٹا! ہمارے ساتھ اب اس گھر سے تمہارا کیا ناتا۔''

تو اس کے وجود کے تمام تار لرز اٹھے۔

ابھی پندرہ سال پہلے ہی تو وہ جھلملاتی ہوئی گاڑی میں جھل مل دلہن بنی اس گھر کی دہلیز پر اتاری گئی تھی۔ کتنی دعاؤں سے اسی ماں نے اسے رخصت کیا تھا۔ کتنی نصیحتیں اس کے دامن میں تار کی طرح پرو دی تھیں۔ ہر عورت کا مان اس کا شوہر ہے۔ اس معاشرے میں مرد کے سہارے کی ڈور نہ ہو تو عورت کٹی پتنگ کی طرح زندگی گزارتی ہے۔ عورت ہی کو قربانی دینی پڑتی ہے چاہے ڈور کتنی کمزور کیوں نہ ہو وہ اس کا سرا ہاتھ سے نہیں چھوڑتی اور آج وہی ماں اسے بے آسرو و بے سائباں کیے دے رہی تھی۔ اس کی گھٹی میں وفا کا سبق ڈال کر بے وفائی پر آمادہ کر رہی تھی، وہ کراہ اٹھی۔

''نہیں اماں! نہیں میں یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی۔''

''کیا!'' جیسے سب کو شاک لگ گیا۔

''تم ہماری بے عزتی کرواؤ گی یہاں رہ کر۔'' اس کا بھائی بپھر گیا۔

''میرے یہاں سے چلے جانے پر بھی عزت کا سائباں میرے سر پر نہیں ہوگا بھیا۔'' وہ پھوٹ

پھوٹ کر رو دی تو سب چپ رہ گئے بالآخر جیت اسی کے فیصلے میں ہوئی۔

وہاب پل کی پل اس کے قریب آ کر اسے رُکے اور خاموشی سے تھکے تھکے قدموں سے بیڈروم میں چلے گئے۔ لیکن تمام رات وہ بے قرار روح کی طرح لاؤنج میں ٹہلتی رہی۔

''یہ کیا کیا وہاب! میری وفا کیا اتنی بے مول تھی۔ میرا پیار کیا اس قدر بے مایا تھا ارے میرے مقابلے پر لائے بھی تو ایسی عورت کو جس کا نام ہی بدنامی ہے، جس کا ذکر ہی رسوائی ہے۔''

اور جیسے پتھروں سے سوتے ابل پڑے وہ روتی تو روتی چلی گئی۔

پھر اپنے آنسو ایک عزم سے پونچھ کر اٹھی۔

''نہیں! میرے مقابلے میں وہ نہیں جیت سکتی۔''

وہاب میرا کل ہی نہیں، میرے بچوں کا مستقبل بھی ہیں، میں یہ داغ اپنے خون سے بھی دھوسکوں تب بھی یہ قیمت زیادہ نہیں۔''

دل میں فیصلہ کر کے وہ خدا کے حضور سربجود ہوگئی کہ راہ ہدایت کا سرچشمہ تو اسی در سے پھوٹتا ہے وہی ہے جو تقدیروں کے فیصلے کی قوت رکھتا ہے وہی دلوں کو پھیر دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ کیا خبر، اس کے آنسو خدا کے در سے ایسے احکامات لے کر لوٹیں جو اس کی خوشیاں اسے واپس دلا دیں۔ وہ روتی رہی گڑگڑاتی رہی اپنے نشیمن کی سلامتی کی مانگتی رہی اپنے سر کی چادر اور عزت کی بھیک کا دامن اس کے دربار میں دراز کر کے اسے کے یک گونہ سکون کا احساس ہوا۔

دوسرا دن بہت بوجھل تھا نہ اس میں ہمت تھی کہ وہاب کی آنکھوں سے آنکھیں ملا سکے وہاب میں حوصلہ کہ اس سے کوئی بات کریں۔ گھر کی فضا تم سی گئی تھی ہر شخص چپ تھا۔ بہنیں روٹھی ہوئی تھیں تو بھائی خفا۔ ماں باپ ناراض سے۔

واقعی معاشرے کے رشتوں کی ڈور ایسی ہے کہ ایک کے کیے سے دوسرا مفر نہیں پاتا، خواہ وہ اپنی ذات سے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اسے دوسرے کے کیے کی خطا اپنے ناکردہ گناہ سے محسوس ہوتی ہے۔

جب صبح کی چہل پہل کم ہوئی اور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے تو وہ اپنی ساس کے پاس آ بیٹھی۔

''امی! میں میراں سے ملنے جاؤں گی۔'' اس نے بڑی سہولت سے اتنی بڑی بات کی تو ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''مگر کیوں؟'' وہ حیران سی رہ گئی تھیں۔

''آپ بھی ایسا پوچھتی ہیں۔'' وہ شکوہ کناں تھی۔

''لیکن بیٹا میں اپنی پھولوں سے شفاف سی بہو بلکہ بیٹی کو ایسی عورت کی دہلیز پر قدم رکھتے بھی نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ جذباتی ہوگئیں۔

''لیکن میرا سہاگ تو اسی دہلیز پر سجدہ ریز ہے۔''

وہ پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولی تو وہ چپ سی ہوگئیں۔

''آپ ناراض مت ہو جایئے گا۔ امی! لیکن حالات دیکھیے وہاب اس معاملے میں بالکل مٹی کے مادھو کی طرح خاموش ہیں میرے ذہن میں تو صرف ایک ہی بات آتی ہے کہ میں خود میراں سے بات کروں ایسی عورتوں کو کسی ایک مرد یا گھر یا اپنی عزت بے عزتی سے کوئی غرض نہیں ہوتی، وہ تو ضرور مان جائے گی بس ذرا قیمت اچھی لگانی پڑے گی۔'' اس کی ساس اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

پھر وہ اپنے اس کام میں تندہی سے لگ گئی۔ میراں کا پتا حاصل کرنا وہاب کی مصروفیات کا علم رکھنا آسان کام نہ تھے لیکن وہ کر ہی گزری۔

آخر وہ دن بھی آ پہنچا جب اس نے میراں کے ہاں جانے کا ارادہ کیا اور جب وہ خوب اچھی طرح تیار ہو کر ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہہ کر پلٹی تو اس کی ساس نے ایک بھری لفافہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''ندحت! قیمت وہ کتنی بھی مانگے جھجکنا نہیں بیٹا! میں نے اپنا سارا زیور جمع اور جمع شدہ روپیہ تیرے سہاگ اور اپنے گھر کی عزت پر قربان کیا۔''

یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئیں اور وہ خاموشی سے گاڑی کی پچھلی نشست پر بے دم سی گر گئی راستہ بہت طویل تھا اور تکلیف دہ جیسے پل صراط سے گزر رہی تھی۔

ایسا ہی ایک راستہ تو تھا جس پر وہ دس سال سے چل رہی تھی سرابوں جیسا، خوابوں جیسا وہاں دہاب کی محبت بھری سرگوشیاں تھیں وہ اس کی نظروں کے گھائل تھے۔

امجد اسلام امجد کا مصرعہ گاتے گنگناتے ہوئے وہ کتنی شوخ سے اسے دیکھتے تھے۔ پیاسی پنکھڑی کے ہونٹ کو سیراب کرتی

تم امجد اسلام امجد کا مصرعہ عصر سے پڑھتے ہو۔

گلوں کی آشنیوں میں انوکھے رنگ بھرتی ہے

محبت کے دنوں میں دشت بھی محسوس ہوتا ہے
کسی فردوس کی صورت
محبت اوس کی صورت
محبت ابر کی صورت

دلوں کی سرزمین پہ گھر کے آتی اور برستی ہے
چمن کا ذرہ جھومتا ہے اور مسکراتا ہے

اور پلکوں کے لرزتے حصار کو توڑ کر دو نھے شفاف موتی اس کے گالوں کو شبنمی کر گئے۔ وفا کا دامن تھام کر عورت ہی کیوں چلتی ہے اس کے اندر بغاوت بھی جوش مارتی اور نفرت بھی لیکن نجانے عورت کا خمیر کس مٹی سے اٹھایا ہے کہ وہ بے وفا کو بھی چاہتی ہے۔ جس کی ایک بار ہو جائے تو پھر اس کی ہی رہتی ہے خواہ وہ کٹھور دل اسے کتنی ہی دفعہ چھوڑ جائے، مگر وہ اسی دہلیز پر ہی بیٹھ کر اس کا راستہ دیکھتی اور دن گنتی ہے۔

''بیگم صاحب! ایڈریس تو یہی ہے۔''
ڈرائیور کی آواز پر وہ چونکی پر وہ سوچوں کے دھارے سے نکل آئی۔

''آں...... ہاں۔'' اس نے چونک کر چاروں اطراف نگاہ کی۔

جوہر ٹاؤن کے علاقے میں شاندار کوٹھی تھی۔ ہاں دہاب کے پاس دولت کی کیا کمی ہے۔ کاروباری حلقوں میں بہت اونچا نام ہے اور اس نام کی مٹی میں اول رہے ہیں اس نے دکھی دل سے سوچا اور باہر نکل گئی۔

ڈرائیور نے ہی آگے بڑھ کر گیٹ پر دستک دی چھوٹا گیٹ فوراً کھل گیا اور چوکیدار برآمد ہوا۔

اسے بیگم صاحب کہتے ہوئے اس کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا مگر وہ کسی پر اپنی حیثیت کا اظہار نہ کرنا چاہتی تھی ڈرائیور کو تو وہ اس کی خاموشی کی قیمت ادا کر چکی تھی مگر یہ چوکیدار یہ تو بحرحال میراں کا ملازم تھا۔

''میں ان سے کیا کہوں؟'' وہ الجھا الجھا سا تھا شاید یہ سچویشن نئی تھی۔

''ان سے یہ کہنا کہ ان کی ایک دوست ملنے آئی ہے اور بس۔'' ایک اور دکھ دل میں بیٹھ گیا دوست ایسا مقدس لفظ اور اس کی ایسی توہین۔

اس نے انٹر کام پہ بات کی اور اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ کافی طویل لان عبور کر کے وہ جیسے ہی بڑے بڑے ستون والے برآمدے میں آئی تو ایک ملازمہ نے اسے اپنی رہنمائی میں ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں پہنچا دیا۔

اب وہ اس کی نگاہوں کے عین سامنے تھی حیران ششدر، انجان بے گانی آنکھیں شناسائی کا کوئی رنگ ان کی نگاہوں میں نہ تھا۔

جبکہ ندرت کی نگاہوں میں پہچان کے سارے رنگ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ وہ اس کا اچھی طرح جائزہ لے رہی تھی دراز قد، خوبصورت سراپا گلابی صاف چہرے شفاف رنگت اور دو بڑی بڑی فیروزی آنکھیں۔

تو یہ ہے وہ عورت جس کے قدموں تلے میرا پیار، عزت، مان سب کچھ رک گیا۔

''معاف کیجیے میں نے آپ کو پہچانا نہیں شاید آپ غلط جگہ آ گئی ہو۔'' وہ الجھی رہتی تھی۔

نہیں غلط تو تم آ گئی ہو میراں بائی اس نے ایک ایک لفظ چبا کر حقارت سے کہا۔ تو وہ چونک پڑی۔

''آپ؟'' انداز استفہامیہ تھا۔

''مس ندرت وہاب احمد ہوں۔'' اس نے جھوٹا مان رکھنے کو ذرا اکڑ کر کہا۔

جہاں وجود سنبھالنا مشکل ہو جائے وہاں ایسی اکڑ کتنا سہارا بن جاتی ہے۔

''اوہ تو آپ ہیں۔ آئیے بیٹھیے۔'' اسے فوراً ادب میزبانی یاد آئے۔

''نہیں، میں بیٹھنے نہیں آئی تم سے حساب کتاب کرنا چاہتی ہوں، بولو کتنی قیمت میں بکی ہو۔ وہاب کے ہاتھوں اور کتنی قیمت چاہیے میرا شوہر چھوڑنے کی۔

صبر کا دامن تو اس کے ہاتھوں سے میراں کی صورت دیکھ کر ہی چھوٹ گیا تھا۔

''وہاب میرے شوہر ہیں۔'' وہ جیسے تڑپ کر بولی۔

''یہ لفظ تمہارے منہ پر نہیں جچتا! وہ میرے شوہر پہلے سے ہیں وہ میرے تین بچوں کے باپ ہیں۔ تم نے ان کے خاندان کا سر معاشرے میں جھکا دیا ہے۔ تم جیسی عورتوں کو یہ چونچلے راس نہیں آتے۔ ان باتوں سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے تم کام کی بات پر آؤ بولو کیا چاہیے۔''

وہ اس کے جارحانہ انداز پر کچھ بوکھلا سی گئی۔ آخر ہمت کر کے بولی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا، میں نہ آپ کی باتوں کا مطلب جان پائی ہوں، آپ کو جو کہنا ہے انہی سے کہیے گا۔ وہ زچ کر رہی تھی۔

''سنو، میں اس گھر کی دہلیز سے نکل پر تم تک صرف اس لیے آئی ہوں کہ تم سے بات کر دوں اس کی زندگی میں بعد میں آنے والی عورت تم ہو۔ تمہیں اپنی جگہ خالی کرنا ہوگی وہ میرا تھا میرا ہے اور میرا رہے گا۔

وہ ہنس پڑی اس کی تمسخرانہ ہنسی نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی۔

''افسوس تو یہی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے اتنا گرا دیا ہے کہ میں بے عزتی کے در سے عزت مانگ رہی ہوں۔ ایک بازاری عورت عورت سے اپنا سہاگ مانگ رہی ہوں بھیک سمجھ کر حالانکہ یہ بھیک تمہارے لیے ہو سکتی ہے میرا تو حق ہے۔

میراں ایک دم چیخ گئی...... دھدھیا رنگت آگ ہوگئی۔ فیروزی آنکھوں میں شعلوں کا عکس لہرانے لگا۔

''تم نے مجھے بازاری عورت کہا، میرے لیے بھیک کا لفظ لفظ استعمال کیا، تم مجھے نہیں جانتیں کہ میں کیا ہوں تمہارے شوہر میرے قدموں پر سر رکھ کر مجھے مانگا تھا تمہاری جیسی شریف زادی کے موجود ہوتے ہوتے بھی، اس کی معاشرے میں عزت نام تین بچے سب کچھ پہلے موجود تھا جو اس نے مجھ پر قربان کر دیا۔ بولو جب تم مجھ سے برتر تھیں تو آج میرے در پر بھکارن بنی کیوں کھڑی ہو میں تو تم سے کچھ مانگنے نہیں آئی؟''

وہ بھی ہتھے سے اکھڑ گئی۔

یہ صورت حال ندحت کے لیے انتہائی پریشان کن تھی، اگر یہ لمحہ جگنو کی طرح ہاتھ سے نکل گیا تو وہ ساری عمر ہاتھ ملتی رہ جائے گی۔ وہ کیا کرے اس کی عقل جواب دے رہی تھی۔

''میراں وقت ابھی بھی تمہارے ہاتھ میں ہے اگر یہ نکل گیا تو تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا تم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو بتاؤ معاشرہ تمہیں کس نظر سے دیکھے گا کیا یہ نکاح تمہیں عزت مقام دلا دے گا لوگ تم سے اپنے گھر کی بہو بیٹیوں کو ملنے نہیں دیں گے، ان کو تمہاری پرچھائی سے بھی بچائیں گے تمہارے بچوں کا کیا مستقبل ہوگا تم ان کے سوالوں کا کیا جواب دوگی تم باہر کی دنیا کا سامنا کر سکو گی اور تمہارے وہاب بھی نفرتوں کا نشانہ بن کر رہ جائیں گے۔''

اس کی باتیں حقیقت کی سنگلاخ پتھریلی زمین تھیں۔ حقیقت کی اس بے سائباں بنجر دھوپ سے تپتی زمین پر ہی تو وہ چلتی رہی ہے اور شاید چلتی رہے گی وہ یہ سب کچھ جانتی تھی جو اسے ندحت سمجھانا چاہتی تھی مگر اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا وہ اس دلدل سے بہت ہاتھ پاؤں مار کر نکلی تھی اس نے زندگی میں پہلی بار اس کوٹھی کے در و دیوار میں سکون کے چند دن گزارے تھے وہ انہیں سرمایہ حیات جانتی تھی۔

''آپ صرف کہہ رہی ہیں میں انہیں سہہ بھی چکی ہوں زندگی کے اس لمبے سفر میں مجھے اب سہارا مل گیا ہے میں صرف دنیا کے ڈر سے اپنے شوہر سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک اونچے اور باعزت خاندان کے فرد ہیں، انہوں نے مجھے سب کچھ جان کر اپنایا ہے تو پھر مجھے بھی کسی کی پرواہ نہیں ہے۔'' اس نے حتمی بات کی۔ ندحت کا سارا طنطنعہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اس کا فیصلہ اس کے اور اس کے بچوں کے لیے ایک اذیت ناک مستقبل کے سوا کچھ نہ تھا اس نے مردہ پست آواز میں کہا۔

''ٹھیک ہے میراں! تم اس وقت بااختیار ہو لیکن میری بے بسی اور بے اختیاری کا مذاق مت اڑاؤ۔ تم نے اپنے در سے بڑے بڑے باعزت اور سماج کے ٹھیکیداروں کو ٹھکرایا ہوگا، لیکن آج ایک ماں کو مت ٹھکراؤ۔ اس کے کاسٹ بھیک میں اپنی اور مجھ جیسی مجبور عورت کی محبت کی بھیک نہیں بلکہ بچوں کا روشن مستقبل ڈال دو۔ ان کا باپ ڈال دو۔ تم کاربار مجھ سے زیادہ سمجھتی ہو میں صرف ایک ماں ہوں۔

ایک عورت دوسری عورت سے جذبات احساسات کا سودا کس طرح کرے، میں سمجھ نہیں پا رہی۔

تم بھی ایک عورت ہو میراں، تمہارے پاس بھی نازک احساسات ہوں گے میرے احساسات کا بوجھ دکھ دو کہ یہی ایک بوجھ مجھے بہت تکلیف دہ

بوجھوں سے نجات دلا دے گا۔'' آگے اس سے کچھ نہ بولا گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میراں اسے بے یقینی کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''میراں میں اقرار کرتی ہوں کہ میں تم سے ہار گئی ہوں۔''

لیکن خدا کے لیے ایک ماں کو سرخرو کر دو۔'' وہ تڑپ اٹھی۔

میراں بہتے پانیوں کی طرح خاموش تھی۔ اس کا جارحانہ اندر مکمل سکوت چھپ گیا۔

لیکن دل ڈوبنے کا منظر ان نیلگوں آنکھوں میں ایسا واضح تھا جیسے پرسکون نیلے گہرے سمندر میں ڈوبتا ہوا سورج جس کی چمک کچھ مدھم سی تھی ان آنکھوں کی جوت بھی کچھ جگی جگی سی کچھ بجھی بجھی سی تھی۔ وہ بہت ٹوٹی پھوٹی لگ رہی تھی۔ معاشرے کی ستائی ہوئی، اقدار کی ٹھکرائی ہوئی۔ عورت بھی خدا کی عجیب مخلوق ہے جس کا خمیر دکھ کی مٹی سے اٹھایا جاتا ہے۔ زندگی درد کے سانچے میں ڈھالی جاتی ہے اور پھر وہ غموں کا کفن اوڑھ کر اسی دکھ کی مٹی میں رُل جاتی ہے۔

میراں بائی بھی ایک عورت ہی تو تھی، جذبات کے بھاؤ تاؤ میں جو صرف خسارے کے سودا کرتی ہے سو وہ بھی ایک ماں کی طاقت کے آگے سرنگوں ہو گئی۔ عورت ہار گئی ماں جیت گئی۔

ندحت کے دل پر ڈھیروں بوجھ آن گرا وہ جیت کر بھی ہار چکی تھی۔ اس کا دل میراں بائی کے لیے بے قرار سا تھا۔ اس کے دکھ پر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں اس کی سوچ کیا تھی اور میراں کیا تھی۔ اس نے سب کچھ اسے دان کر دیا وہ بھاری دل لیے دروازے تک آئی تو میراں کی آواز اس کے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔

''سنو! عورت ہو کر عورت کو بازاری کی گالی کبھی نہیں دینا۔ عورت تو اس بازار میں مظلوم ہے، جس کے حسن و جسم کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ وہ تو انمول ہو کر بھی بن مول ہو جاتی ہے اس کے بھاؤ تاؤ ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ دوسرے درجے کی مخلوق بھی نہ رہی ہو جان سے ہو۔ اور یہ بازار، یہ کاروبار مرد چلاتا ہے جس کی عزت تم جیسی شریف زادیاں ہوتی ہیں۔

وہ سانس لینے کو رکی پھر انتہائی زہریلے لہجے میں بولی۔

''مسز ندحت وہاب احمد! بازاری تو مرد ہوتا ہے جس کی وجہ سے عورت بازار کی زینت ہے کبھی تم نے سوچا، دنیا کی منڈی میں صرف حوا کی بیٹی ہی کیوں بکاؤ مال ہے؟'' اس کی آواز سے ندحت کا دل اندر تک کانپ اٹھا، لرز اٹھا۔

وہاب، مرد کاروبار، بازاری تمام لفظ اس پر طمانچے کی طرح برس گئے اور من کے ستونوں نے نفرت کا چشمہ ابل کر ایک باوفا محبت بھرے دل کو دور کہیں پاتال میں لے گیا۔

''آج میں یہاں صرف خاندانی ہونے کا شرف اور خاندان کی عزت اور بچوں کا مستقبل لے جا رہی ہوں اور وہ میراں اب تمہارے ہیں، کیونکہ یہ سچ ہے کہ صرف عورت نہیں ہوتی بلکہ اس بازار میں اس کو بٹھانے والا، بیچنے اور خریدنے والا مرد ہاں مرد وہ مرد اصل میں بازاری ہوتا ہے...... اور ایک بازاری مرد کے ساتھ شریف زادی کا گزارا ممکن نہیں...... بھاری لفافہ اور بھاری ہو گیا اتنا کہ اٹھانا بھی محال ہو گیا و لفافے کو صوفے پر رکھ کر خاموشی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ آج پھر ایک خاندانی عورت بازاری عورت سے ہار گئی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

تیرے رنگ میں

جیسے تیسے رات گزاری اگلے دن ناشتہ کے لیے وہ نیچے جانے لگی تو یاد آیا حاشر کی کہی بات یاد آ گئی تو اس نے ایک جوڑا نکالا اور نیچے گئی۔ وہ ٹی پنک کلر میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ حاشر نے دیکھا لیکن اگنور کر کے ناشتہ کرتا رہا اور آفس کے لیے نکل گیا' پورا دن......

"بعض دفعہ کوششوں کے باوجود بھی ہم وہ کام نہیں کر پاتے جو ہم سوچتے ہیں.. میں نے جب جب جو سوچا ہمیشہ الٹ پایا یا کر ہی نہ پائی......"

"اف تم اور تمہاری سوچیں!" زیمل ابھی لکھ ہی رہی تھی کہ اس کے سر پر مُنیزہ آ کھڑی ہوئی......

"یہ کیا تم نے ٹھیکا لے رکھا ہے کی جب بھی میں لکھنے بیٹھتی ہوں تم آ جاتی ہو.............ہنہہ" زیمل جو ڈائری لکھنے میں مصروف تھی کب منیزہ آئی اسے پتا نہیں چلا۔

"کیا کروں ڈیئر میں بھوت ہو اس لیے تو ہر وقت تمہارے ساتھ رہونگی" منیزہ نے اسے پیار سے دیکھا

تو زیمل مسکرا دی۔

"بی بی زیمل کبھی کسی نے بتایا آپ مسکراتی ہوئی کتنی پیاری لگتی ہیں؟ اسی لیے تو یہ بھوت آپ پہ فدا ہوا ہے"

منیزہ نے جھک کر کہا پھر اسکے ساتھ آ کر بیٹھ گئی

......

"تم ہر وقت مذاق مستی میں ہی کیوں رہتی ہو؟ کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو" زیمل نے ٹوکا......

"ارے ارے......کس کا نام لے لیا توبہ کرو میں اور سنجیدہ؟؟" منیزہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا

"میں نے نام نہیں لیا" زیمل نے جلدی کہا۔

"بس کرو بی بی! مجھے ایسے لوگوں سے دور ہی رکھا کرو اور یہ بتاؤ آج کیا سوچ آئی ہو؟" منیزہ جانتی تھی زیمل کو اچھے سے۔

اچانک زیمل کے لبوں سے مسکراہٹ چلی گئی اور اداسی سی چھا گئی......

"میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ..............." ابھی زیمل سوچ رہی تھی کہ یہ بتائے گی وہ بتائے گی کہ اچانک ہی زوردار دھماکہ ہوا......شانزے نے زور سے دروازہ جو بند کیا تھا......

"تم لوگوں میں اتنی بھی تمیز نہیں کہ مجھے بھی بلا لیتے۔" وہ قہر آلود نظروں سے دونوں کو گھورتی ہوئی ان کے نزدیک آ گئی۔

"بھئی ہم اپنی پرسنل باتیں کر رہے تھے کہ اچانک دھماکہ ہو گیا......" زیمل اسکی بات سمجھ کر مسکرائی لیکن شانزے جو سمجھی واقعی کچھ ہوا ہے یعنی بم بلاسٹ تو فکرمندی سے پوچھنے لگی......"

"کیا ہوا ہے بتاؤ بھی کہاں دھماکہ ہوا ہے؟"

"اف لڑکی! تم اپنا علاج کب سے کروانا شروع کرو گی؟" منیزہ کو اسکی باتوں سے ہمیشہ چڑ ہوتی تھی......زیمل دونوں کو دیکھت کر مسکرا رہی تھی۔

"جب تمھارا علاج ختم ہوگا اور کامیاب ہوگا تب میں بھی کروا لونگی" شانزے نے بھی جواب وار دیا......

ان کی نوک جھونک میں زیمل بھول گئی کہ اصل بات کیا تھی وہ کیا لکھ رہی تھی کیا سوچ رہی تھی اس نے گہری سانس خارج کی

"دیکھو!" جیسے ہی منیزہ نے کہا تو شانزے نے فوراً ہی ٹکڑا لگایا بولا آگے سے شانزے نے کہا......"ہاں ہاں دکھاؤ"

"اف!" منیزہ نے سر پہ ہاتھ مارا

"زیمل کہاں کھو گئی ہم ہی بولتے جا رہے ہیں" منیزہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا جس پہ زیمل چونکی

"مجھے نیند آ رہی ہے تم لوگ جاؤ باہر جا کر لڑو" زیمل نے کافی بیزاری سے انہیں دیکھا تو شانزے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی گویا انتظار میں تھی......منیزہ زیمل کو اکیلے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی پر اسکی بات سے بھانپ گئی کہ وہ فی الحال اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتی۔

☆......☆......☆

زیمل اور منیزہ بچپن کی سہیلیاں تھیں شانزے سے ان کی دوستی بعد میں ہوئی تھی اور جب سے اس کی ان دونوں سے دوستی ہوئی کئی بار ان کا آپس میں

جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا اور اس کی وجہ شانزے کا جیلس ہونا تھا جبکہ دل کی وہ ہرگز اتنی بری نہیں تھی بس زیمل اور منیزہ کی اتنی دوستی اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

☆......☆......☆

کافی دن گزر گئے تھے ہر کوئی اپنی مختلف سرگرمیوں میں مصروف تھا، زیمل اس دن کے بعد سے دکھی ہی نہیں تھی نہ کسی سوسائٹی پارٹی میں نہ ہی کوئی فون وغیرہ۔

"زیمل!" منیزہ کسی کام سے باہر نکلی ہوئی تھی تب ایک بک شاپ میں اسے زیمل دکھی۔

زیمل نے آتی منیزہ کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"بی بی یہ کیا ہے؟" منیزہ کے سوال پہ زیمل نے کوئی جواب نہیں دیا" اور اسے ساتھ لے جا کر ایک بینچ پہ بیٹھ گئی۔

منیزہ اسے دیکھ رہی تھی اور زیمل صرف مسکراتی ہی رہی

"کیا مسئلہ ہے بھئی؟" زیمل اس کے مسکرانے سے زچ ہوئی

"کچھ بھی تو نہیں" زیمل نے مسکراتے ہوئے ہی جواب دیا

وہ اس کا حلیہ دیکھ رہی تھی، اس سے برداشت نہ ہوا وہ بول ہی پڑی۔

اگر یہی سب کرنا تھا تو فیشن ڈیزائنگ میں کیوں آئیں؟" زیمل اب چپ رہی......

"چپ رہنے کا مطلب؟" زیمل نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔

منیزہ اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی بلکہ اس کا چپ رہنا اسے کھل رہا تھا۔

"زیمل یہ کب سے تمہارے دماغ میں کیڑا گھسا؟ اور اول تو یہ کہ گھسایا کس نے؟"

زیمل چپ ہی رہی اور اس کی بات سنتی رہی۔

"تم آخر بول کیوں نہیں رہی ہو؟"

"زیمل! چپ نہ رہو...... کچھ بولو تو...... یہ بدلاؤ؟ اسکی وجہ؟" لمبی سانس خارج کرتے ہوئے اس نے منہ ہی پھیر لیا

"منیزہ! ادھر دیکھو میری طرف...... اچھا اب منہ نہ پھیرو......"

"بھئی میں نے ایسا کیا کر دیا جو یہ سوالات کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے؟" منیزہ اب اسکی جانب دیکھنے لگی اور اسکی

باتیں سننے کے لیے اپنا ہاتھ ٹھوڑی پہ رکھا اور آنکھیں سکیڑی۔

"منیزہ...... اس دن میں یہی سب سوچ رہی تھی اور تم سے شیئر بھی کرنا چاہ رہی تھی......

"میں کپڑے ڈیزائن کرتی ہوں نت نئے خراش تراش کے ساتھ بلکہ میں ہی کیا کافی لوگ اور ہم دوسروں کو خود اکساتے ہیں اس طرح کے لباس زیب تن کرنے کے لیے پر خود بھی پہنتے جھجک محسوس نہیں کرتے"

"ہمیں نہ ماں نے روکا نہ باپ نے...... اور لگے رہے ان فیشن میں اور دیکھو کس طرح کے کپڑے پہننے لگے ہیں ہم؟"

منیزہ حیرانی سے اسے دیکھتی رہی کہ زیمل کو ہو کیا گیا ہے؟

"پتا ہے منیزہ جب وہ میرے پاس آئی میرے ڈیزائنز کی تعریف کی مجھے خوشی ہوئی لیکن اس کا پہناوا ہمارے جیسا نہیں تھا...... مجھ سے کہتی ہے کہ اگر تمہیں کپڑے بنانے کا اتنا ہی شوق ہے تو ڈھنگ کے تو بناؤ...... کسی کے ڈوپٹے نہیں تو کسی کی شلواریں آدھی کسی کی آستین آدھی تو کسی کی ہیں ہی نہیں!"

"میں اسوقت سوچ میں پڑ گئی کہ یہ عورت کہہ کیا

رہی ہے!"

میں نے پوچھا" آپ کا مطلب کیا ہے؟ میں اچھے کپڑے نہیں بناتی کیا میں ڈھنگ سے نہیں پہنتی؟ فیشن سینس تو بس آپ لوگوں میں ہی ہوتا ہے ناں؟"

"ارے آپ تو غصہ کر گئیں میں نے صرف اتنا عرض کیا کہ اگر آپ پورے کپڑے........."

"وہ بے چاری خفت میں کہہ گئی اور میں یہ سنتے ہی مجھے اتنا شدید غصہ آیا کہ میں نے کہا کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں بہت مہربانی ہوگی" زیمل نے سانس خارج کی۔

"وہ چلی گئی" زیمل کچھ دیر کے لیے چپ گئی اور منیزہ اسے دیکھتی رہی۔

"اور مجھے سوچ میں ڈال گئی وہ کچھ کتابیں ساتھ لے کر آئی تھی جو وہ وہیں ٹیبل پر چھوڑ گئی۔ میں نے ان بکس کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔اور تبھی مجھے احساس ہوا۔مانا کہ میرے دل میں کچھ غلط نہیں لیکن جو میں کر رہی ہوں کیا وہ غلط ہے؟ کیا میری وجہ سے دوسرے لوگ بھی ان غلطیوں میں شامل ہو رہے ہیں؟" گردن جھکائے اس نے کہا جیسے وہ اب بھی ندامت میں ہو۔

"زیمل ہم ہمیشہ سے اس طرح کے کپڑے پہنتے ہیں ان میں کوئی حرج نہیں" منیزہ نے چڑ کر احتجاج کیا......

"نہیں! اب میرا دل نہیں کرتا" زیمل نے کہا اور اٹھنے لگی......

"رکو زیمل ..کہاں جا رہی ہو؟ ابھی ہماری بات ادھوری ہے پوری تو کرنے دو مجھے" منیزہ چاہ رہی تھی کہ وہ کسی طرح اسے پرانی والی زیمل بنا دے

"نہیں منیزہ..میرا دل میری سوچ بدل گئی ہے، مجھے وقت لگا خود کو سمجھنے میں اور بدلنے میں حالانکہ می نے بھی مجھے بہت سنائی لیکن جب مجھے ایک اچھی راہ مل گئی اس عورت کی وجہ سے تو میرا نہیں خیال کہ میں اب اس میں واپس آسکوں گی"

"زیمل ..تم اتنا مشہور بوتیک چلا رہی ہو اتنا نام ہے تمہارا؟" منیزہ نے اس کے شوق پر اس کے چلتی ہوئی بوتیک کا کہا کہ شاید وہ اس کا ہی سوچ کر پلٹ جائے

"ہاں اچھا یاد دلایا..میں اسے ختم کر کے اسلامک بوتیک کھولوں گی مجھے اس شاپ میں بھی جانے سے اب وحشت سی ہوتی ہے،اس سے اچھا میں کہیں اور بوتیک کھول لوں" زیمل مسکراتی ہوئی منیزہ سے گلے ملی اور جانے لگی ..منیزہ اسے جاتا دیکھتی رہی اور سمجھ ہی نہیں پائی زیمل کے بدلاؤ کو۔

☆......☆......☆

"وقت جلدی پروان چڑھتا ہے اور ہمارے سامنے ایک ایسا روپ لے آتا ہے، جس سے یا تو ہم گزر چکے ہوتے ہیں یا جس سے ہم بھاگنا چاہتے ہیں"

آج وقت خود پلٹ کر منیزہ کے سامنے آ گیا تھا۔

"منیبہ یہ کس طرح کے کپڑے پہنے ہیں تم نے؟ میں ایسے کپڑے پہن کر ہرگز تمہیں پارٹی میں جانے نہیں دونگی!"

"اوہو موم! سب سے پہلے چلانا بند کریں اور میرے کپڑے جانتی ہیں کتنے مہنگے ہیں اور ڈیزائنر ہیں......so please let me go اور مجھے Atleast آپ سے بحث نہیں کرنی...... now bye......" منیبہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"تم کس لہجے میں مجھ سے بات کر رہی ہو؟ میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا نہ تمہیں منع کیا ہے البتہ مجھے تمہارے پہناوے پر شدید اختلاف ہے"

"بھلے سے ہوتا رہے، میں یہی پہن کر جاؤں گی"

منیزہ کی بیٹی اس کے سامنے واک آؤٹ کر گئی۔
منیزہ اپنی بیٹی کو اس طرح دیکھ کر اپنے آپ کو زیمل کی جگہ رکھ بیٹھی تھی۔ منیزہ نے اپنی بیٹی کی اچھی طبیعت کی تھی لیکن وقت اور ماحول بھی تو اثر انداز ہوئے تھے اس کی بیٹی پر۔

☆......☆......☆

زیمل چلی گئی تھی اور منیزہ وہیں بیٹھی رہی۔ اس کا دماغ کھول رہا تھا اسے یقین ہی نہیں آیا زیمل کے حلیے کو دیکھ کر۔
"ماما!" منیزہ گھر میں آتے ہی اپنی ماں کو آوازیں لگانے لگی......
"اف! جب دیکھو یہ پارٹی وہ پارٹی کبھی تو یہ گھر میں بھی رہ جایا کریں۔" منیزہ کو اپنی ماں پہ غصہ آ رہا تھا۔
"ہنہہ......زیمل کا تو دماغ ہی خراب ہو چلا ہے اس عورت کو جانتی بھی نہیں تھی اور اس کے کہنے پہ آ گئی اور میں جو بچپن سے ساتھ ہوں میری بات نہیں سنی......سمجھتی کیا ہے وہ خود کو!" منیزہ کو زیمل پر بہت غصہ تھا۔ یہ لوگ جس ماحول میں رہی تھیں وہاں پارٹیز میں جانا فیشن کے مطابق کپڑے پہننا جو دل چاہے پہنیں کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ ایسے میں زیمل کی وجہ سے منیزہ سب سے چڑ رہی تھی اس سے ہضم بھی نہیں ہو رہا تھا۔
"اگلے دن ماما کے کوئی سوشل سرکل میں get together تھی ماما نے منیزہ سے بھی کہا چلنے کو جب وہ تیار ہونے لگی تو دل میں خیال آیا زیمل بھی ہوگی کیوں نہ اسکی طرح کپڑے پہن کر جاؤں سب اس کے بجائے مجھے دیکھیں گے حالانکہ اس نے تو اب بڑے چادر اسکارف اور عبایا وغیرہ لینا شروع کر دیا تھا لیکن منیزہ صرف اس سے سروکار نہیں تھا وہ صرف چاہ رہی تھی کہ اس جیسی لگوں تو سب اس کے بجائے مجھے دیکھیں۔ لیکن ایسا ڈریس کہاں سے آتا اس وقت......پھر منیزہ نے اپنا دماغ چلایا اور کچھ نہ صحیح ماما کے ڈریسر سے دوپٹہ ہی نکال لیا جینز کے اوپر لونگ قمیص اور ساتھ میں دوپٹہ۔
منیزہ نے ہر جگہ ڈھونڈا پر زیمل نہیں ملی لیکن پھر نظر ایک اکیلے بیٹھے لڑکے پہ گئی وہ کچھ سوچ کر اس کے نزدیک آئی۔
"ہیلو" اس کے پاس جا کر منیزہ نے ایک ادا سے کہا
اس لڑکے نے جواب نہیں دیا......
"کیا آپکے منہ میں زبان نہیں؟" وہ مزے سے جوس پی رہا تھا اور منیزہ نے حیرت سے پوچھا۔
جواب پھر بھی نہیں آیا......
"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" اب اس نے مجھے باقاعدہ دیکھا
"دیکھ رہا ہوں کہ تم نے دوپٹہ کیوں لیا ہے؟" اس کی بات نے مجھے بھونچکا دیا
نہ ہائے نہ ہیلو اچانک یہ سوال؟ منیزہ نے سوچا اور جواب دینے ہی لگی تھی کہ حاشر نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھایا۔
"یا پورا ایسٹرن کرتیں آپ یا ویسٹرن...... دونوں کا عجیب کامبنیشن؟ وہ بھی sleeveless قمیص...........؟"
حاشر بے اختیار ہنس دیا، منیزہ کی ہٹ گئی......
"یہ لیٹسٹ فیشن ہے تم کیا سمجھو گے؟" منیزہ کو ہتک تو محسوس ہوئی لیکن اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا
"مجھے سمجھنا بھی نہیں ہے محترمہ اور ہاں تم نہیں آپ کہہ کہ بلاؤ نہ میں تمہیں جانتا ہوں نہ تم مجھے بھی اور جاؤ یہاں سے یا میں خود ہی چلا جاتا ہوں......"
حاشر یہ کہہ کہ رکا نہیں اور واقعی چلا گیا......
"تم نے منیزہ کی انسلٹ کی ہے بدلہ تو میں لے

کے رہوں گی" منیزہ اپنی ماں کو بتائے بغیر گھر آ گئی اور گاڑی واپس بھیج دی۔

اس لیے یہ بات اچنبھے والی تھی کہ لڑکا ہوکر بھی اس نے منیزہ کی تعریف کرنا تو دور کی بات اسے صرف تنقید کا نشانہ بنا دیا تھا۔ اس بات کو کچھ روز ہی گزرے تھے کہ ماما کے کسی جاننے والی نے مجھے منیزہ Get together میں دیکھا تھا اور رشتہ لے آئیں منیزہ نے ہنگامہ مچا دیا کیوں کہ ماما نے اس سے پوچھے بغیر ہاں کر دی تھی......

"ماما! آپ کو مجھ سے تو پوچھ ہی لینا چاہیے تھا کم از کم" مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ کہاں تو اس سے پوچھے بغیر کسی ہوٹل میں بھی نہیں جایا جاتا تھا جہاں وہ کہتی وہیں جاتے جو وہ منگواتی وہی کھایا جاتا ہر چیز اس سے پوچھی جاتی تھی اور یہاں شادی جیسے اہم مسئلے پر اس سے پوچھے بغیر رشتہ طے کر دیا؟

"اس میں پوچھنا کیسا مجھے فیملی اسٹیٹس اچھا لگا بس ہاں کر دی" اس کی امی نیل پینٹ لگائے مزے سے جواب دینے لگیں

"پر ماما میں نہ اسے جانتی ہوں نہ اس کا نام اور پتا نہیں کس طرح کا بندہ ہو!" وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"تو جان لو میری جان...... حاشر نام ہے اور بہت امیر ہے اپنا کاروبار ہے بس اور کیا چاہیے؟ بلکہ لو تصویر موصوف کی"

"واٹ"؟ منیزہ کو واقعی جھٹکا ہی لگا......

"نو سے ماما میں شادی...................."

"بس! کہہ دیا یہیں ہوگی شادی بات ختم......"

☆......☆......☆

منیزہ شدید اپ سیٹ تھی جس سے اسنے بدلہ لینے کا سوچا تھا وہی اس کا جیون ساتھی بنایا جا رہا تھا۔ پر وہ یہ بھول گئی تھی کہ جہاں قسمت ہو وہیں بات بنتی ہے جوڑے آسمان پر ہی بنتے ہیں کس چیز میں اللہ کی کیا مصلحت ہوتی ہے یہ انسان جان جائے تو پھر کیا مقصد رہ جاتا ہے؟

شادی کی رسومات کے بعد دلہن بنی منیزہ کمرے میں بے زار بیٹھی ہوئی تھی، جتنا بھاری اس کا ڈریس تھا اتنا ہی اس پر زیور تن کیا ہوا تھا اور حاشر کا انتظار کر رہی تھی تاکہ وہ آئے تو وہ تبدیل کر کے آرام دہ لباس میں سو جائے، وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے سیل پر حاشر کی کال آئی۔

"ہیلو! ہاں منیزہ میرا انتظار مت کرنا میں آج دوستوں میں ہوں تم سو جانا"

مارے خفت کے وہ کچھ کہہ بھی نہ سکی دوسرے جانب سے کال منقطع کر دی تھی جس پر منیزہ کو غصے نے آ گھیرا تھا۔ موبائل سائیڈ پہ رکھا اور جا کر کپڑے بدلے۔

اگلے دن منیزہ جاگی تو جان گئی تھی کہ حاشر آیا تھا۔ وہ اسی آرام دہ لباس میں بلکہ عجیب حلیے میں نیچے آئی تو حاشر نے اسے دیکھا بنا کچھ بولے

چپ چاپ ناشتہ کرتا رہا...... منیزہ نے جان بوجھ کے اس کے سامنے ایسا حلیہ اختیار کیا تھا

روز روز یہی ہونے لگا دونوں ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ حاشر کو پرواہ تک نہیں تھی کہ منیزہ کیا سوچتی ہے بلکہ اس نے ڈھیل دی ہوئی تھی جسکا منیزہ اس کے سامنے ہی نہیں سب کے سامنے ناجائز فائدہ اٹھاتی تھی۔

ایک دن حاشر کے دوست نے اپنے گھر دعوت دی منیزہ کو بتلا دیا گیا تھا اور خاص کر کہا گیا کہ ڈھنگ کا لباس پہننا لیکن منیزہ یہ موقع کیسی گنواتی اس نے وہی پہنا جو حاشر کو ہی نہیں دوست کو بھی ناگوار گزرتا...... جب حاشر گھر آیا اس نے منیزہ کو اس حلیے میں دیکھا تو ضبط نہ کر سکا غصے میں مٹھی بھینچی اور اس کے پاس گیا

"اوہ عاشر آگئے آپ؟ بتائیں میں کیسی لگ رہی ہوں؟ سوچا آپ کے دوست نے دعوت کی ہے تو اچھے سے تیار ہونا چاہئے ناں" منیزہ نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا۔
عاشر جو ویسے ہی بھرا ہوا تھا اس حرکت کو دیکھ کر مزید طیش میں آ گیا تھا اور تھپڑ رسید کرنے میں دیر نہیں لگائی۔
"تم.تم ہوتے کون ہو مجھ پر ہاتھ اٹھانے والے میں ڈیڈ موم کو بتا دونگی۔ منیزہ سہم گئی تھی لیکن ڈھٹائی سے کہا۔
"منیزہ! میں اتنے دن چپ رہا کہ تمہیں خود احساس ہوگا لیکن نہیں تم نے ہر وقت وہی کیا جو مجھے برا لگتا میرے گھر والوں کو بھی اور آج حد ہی پار کر دی؟"
"تم شادی شدہ ہو موم ڈیڈ کے بجائے تمہیں شوہر اور اس کے گھر کا سوچنا چاہئے!" عاشر نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا
"شوہر؟ وہ جو شادی کی رات ہی بیوی کو چھوڑ کر دوستوں میں عیاشی کرنے چلا گیا؟ یا وہ شوہر جو مجھ سے بات بھی نہیں کرتا؟" ابرو اچکاتے ہوئے منیزہ نے کہا۔
"ہاں میں تم جیسی لڑکی کے پاس بھی آنا پسند نہیں کرتا اسی لیے میں اس رات تم سے دور ہوا کہ شاید تم اس بات کو سمجھو لیکن نہیں تم نے روز وہی حرکت کی اس لیے میں اور دور ہو گیا" عاشر کی یہ دلیل کسی حد تک ٹھیک تھی لیکن اتنی صحیح بھی نہیں تھی
"واہ عاشر صاحب! جواب نہیں آپ کا...... میں جیسی ہوں ویسی ہی رہوں گی جو کر سکتے ہو کرو" منیزہ نے ہٹ دھرمی سے اسے دیکھا۔
"میں اپنے حق کا استعمال کر سکتا ہوں منیزہ لیکن تم بدلو گی تو ہی اچھا ہوگا!" عاشر نے پاس آ کر بولا۔
"نہیں، نہ میں بدلونگی نہ ہی وہ حق تمہیں دونگی، اور کس حق کی بات کر رہے ہو تم؟ جب حق تھا تو تم نے مجھے کبھی اس لائق نہیں سمجھا اور اب حق جتانے کی بات کرتے ہو؟" منیزہ نے منہ پھیرا۔
"ٹھیک ہے منیزہ تم نہیں بدل سکتی تو...... مجھے آزاد کرنے میں دیر نہیں لگے گی پھر جو جی میں آئے کرنا ویسے بھی تم نے خود کہا ہے جو جی میں آئے کروں" عاشر اسکے بہت پاس آ کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا جسے سر کے جھٹکے سے منیزہ نے ہٹایا۔
وہ یہ بات کہہ کر مسکرایا اور باہر چلا گیا۔
منیزہ وہیں کھڑی رہی اور اس کی بات کو دہرانے لگی۔

☆......☆......☆

"میں کبھی بھی عاشر کو جیتتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن سمجھ بھی نہیں آ رہا کیا کروں اسکی بات مان جاؤں؟ نہیں کوئی اور طریقہ نکالنا پڑیگا...... منیزہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ عاشر کمرے میں واپس آیا منیزہ کو سوچ میں گم دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا...... منیزہ سے اسکا مسکرانا برداشت نہ ہوا اور وہ چینج کرنے چلی گئی۔
جیسے تیسے رات گزاری اگلے دن ناشتہ کے لیے وہ نیچے جانے لگی تو عاشر کی کہی بات یاد آ گئی تو اس نے ایک جوڑا نکالا اور تیار ہو کر نیچے چلی گئی۔ وہ ٹی پنک کلر میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ عاشر نے دیکھا لیکن اگنور کر کے ناشتہ کرتا رہا اور آفس کے لیے نکل گیا...... سارا دن عاشر نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کی کالز ریسو کی۔
رات کو بہت دیر ہو گئی منیزہ انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی۔ رات کو عاشر بہت دیر سے آیا اور بے خبر سوتی ہوئی منیرہ کو وہ کافی دیر بس یونہی تکتا رہا۔
صبح جب منیزہ کی آنکھ کھلی تو عاشر کو اپنے بے حد قریب دیکھ کہ چونک گئی۔ لیکن اپنی خفگی کا اظہار بھی تو کرنا تھا سو اسے اگنور کرتے ہوئے بہت بے اعتنائی سے وہاں اٹھ کر چلی گئی۔ حالانکہ عاشر کی جذبہ لٹاتی نظروں کو وہ اچھی طرح سے محسوس کر چکی تھی۔

جب وہ نیچے آئی عاشر نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا بلیک سادہ شلوار قمیض اور دوپٹہ پہنی اور بالوں کی پونی ٹیل بنائے وہ عاشر کے دل میں اترتے جارہی تھی لیکن جب اس نے نظریں اٹھا کر عاشر کی جانب دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔

وہ آفس چلا گیا منیزہ اپنے ماں کے گھر گئی وہیں سارا دن گزارنے کا سوچا تھا۔اپنی امی سے بیٹھی باتیں کرنے میں مصروف تھی کہ عاشر کا میسج آیا "رات کو تیار رہنا ہم ڈنر پہ چلیں گے" منیزہ نے میسج کا جواب نہیں دیا پر مسکرائی ضرور تھی، موم نے پوچھا تو بتادیا، شام سے پہلے ہی وہ گھر چلی گئی تیار ہونے......

وہ اسکا انتظار کرتی رہی لیکن عاشر نہیں آیا منیزہ کو بہت غصہ آیا اور رونے بھی لگی پر سمجھ نہیں آیا کہ رو کیوں رہی ہے وہ آئے نہ آئے......اس نے چینج کیا اور آ کر لیٹ گئی سوچتے سوچتے آنکھ لگ گئی......عاشر آیا تو اسے سوتا دیکھ فریش ہونے گیا جب باہر آیا تو منیزہ غصہ میں کھڑی تھی عاشر نے معصومیت سے پوچھا......"کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟ جب آنا ہی نہیں تھا تو میسج کیوں کیا؟" منیزہ کمر پر ہاتھ رکھے پوچھ رہی تھی

"میں نے میسج کیا تم نے جواب نہیں دیا تو لگا کہ تمہیں نہیں جانا" عاشر اس کے غصے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"ہاں تم اصل میں لے جانا نہیں چاہتے تھے صرف تنگ کرنا مقصد تھا" منیزہ نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"کبھی اپنی غلطی بھی مان لیا کرو" عاشر نے ہنس کر اسے مزید جلایا۔

"میری غلطی؟ جی نہیں تمھاری......تم نہیں آئے" منیزہ یہ کہہ کر اس کے آگے سے ہٹی جاتے ہوئے اسکا بیلنس بگڑا اور وہ گرنے لگی تھی کہ عاشر نے سنبھال لیا......

دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے جب منیزہ کو احساس ہوا تو بے اختیار وہ اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی لیکن عاشر نے اسے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا

"چھوڑ دو گے اب؟"

"کیوں؟ تم نے تو مجھے اجازت دی ہوئی ہے جو چاہے کروں تو اب کیوں؟"

"مسئلہ کیا ہے تمھارے ساتھ" وہ جھنجھلائی لیکن عاشر نے اسے چھوڑا نہیں

"تم خود ہی ایک مسئلہ ہو"

"عاشر!"

عاشر اور قریب آ گیا اور منیزہ اسے چاہ کر بھی روک نہ پائی۔

☆......☆......☆

"وہ ایک پل مجھے کیسے اس کے قریب لے گیا مجھے پتا ہی نہیں چلا......مجھے عاشر نے احساس دلایا اسکا پیار ہی سب کچھ تھا اب میرے لیے......

جب منیبہ میری گود میں آئی اس سے پہلے عاشر کی خوشی دیکھنے والی تھی نام بھی خود عاشر نے ہی رکھا۔

آج مجھے زیمل بہت یاد آئی منیبہ کی پرورش میں کوئی کمی نہیں کی لیکن وہ کیسے اپنے اطراف کے رنگ میں رنگ گئی کیوں اتنا بدل گئی مجھے عاشر کو بتانا ہوگا اسے روکنا ہوگا کہیں وہ دوسری منیزہ نہ بن جائے......"

انسان وقت و حالات کو خود پر اتنا حاوی کر دیتا ہے کہ اچھے برے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے زمانے سے سیکھ کر وہ اپنے آپ کو بدلتا ہے سدھارتا ہے یا اس کے رنگ میں ہی رنگ جاتا ہے!

اور یہ لکھ کر منیزہ نے ڈائری بند کر دی......

☆☆......☆☆

افسانہ

ہانیہ سے میری شادی مکمل ارینج میرج تھی۔ میں فارس گردیزی اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا، مجھ سے چھوٹی ایک بہن تھی اور بس یہی ہمارا کل گھرانہ تھا، جہانگیر گردیزی میرا باپ جو کسی جاگیردار گھرانے کا والی وارث تھا اسے کسی تقریب میں آئی ہوئی میری ماں پہلی ہی نظر......

"اور پھر یوں ہوا کہ لمحہ رخصت اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ میں نے نظریں چرا لیں، میں ہمیشہ یہی کرتا تھا مگر اسکی آنکھوں کی جوت مدھم پڑ بھی جائے تو ماند نہیں ہوتی تھی مگر وہ آنکھیں اس وقت بالکل ویران تھیں مجھے لگا جیسے وہ میرے دل کا ایک کونہ ویران کیے جا رہی ہوں، وہ ایک نظر تھی، ایک لمحہ۔ میں ان نظروں کو سہار نہیں سکا، اسکے لبوں پر نہ شکوہ آیا نہ ہی کوئی گلہ۔

وہ پلٹ گئی کبھی نہ واپس آنے کیلئے"
میں نے ایک گہری سانس لیکر قلم کو مسودے سے ہٹایا۔ میری کہانی کی آخری سطریں تھیں، ہمیشہ کی طرح کچھ ادھوری، کچھ تشنہ جیسے ابھی اختتام مجھ سے کچھ اور چاہتا ہو، میرا قلم مجھ سے کچھ مزید لکھوانا چاہتا ہو مگر میں ہمیشہ سے ہی اپنی کہانی کو اسی طرح ایک نقطے پر لا کر چھوڑ دیتا ہوں، اکثر ناقدین کے نزدیک یہ میری تحریر کی خامی ہے اسکے باوجود میری ہر تحریر پسند کی جاتی ہے، ہر تحریر کو ملنے والا ریسپانس تو کم از کم یہی کہتا ہے۔ پھر یہ تو میری آخری تحریر تھی اس میں ایسا کیوں نہ ہوتا۔

جی ہاں میں فارس گردیزی آج اپنے قلمی سفر کی آخری تحریر کے اختتام پر تھا، اس بار میرے پبلشر کو مجھ سے توقع ہے کہ میں کچھ الگ ضرور کروں گا، کچھ الگ کچھ منفرد، شاید اس بار میری کہانی کا اختتام خوشگوار ہو، مگر کہانی زندگی ہے اور زندگی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کچھ ان کہی، تشنہ، ادھوری سی۔

اپنی اس آخری تحریر کے میں نے کئی عنوان سوچے مگر میں فیصلہ نہیں کر پایا کہ اسکا عنوان کیا ہو، پھر میں نے اسے بے نام ہی رہنے دیا، کہانی اپنا آپ خود لکھواتی ہے، اپنے کرداروں کو خود ہی سفر پر لیکر جاتی ہے اور پھر یا تو منزل تک پہنچاتی ہے یا کہیں راستے میں ہی بھٹکا دیتی ہے جو بھی ہوتا ہے وہ یہ مدارج خود ہی طے کرتی ہے، مجھے یقین ہے اپنا عنوان یہ آپ ہی ڈھونڈ لے گی۔ ایک نظر اپنی آخری سطور پر ڈالتے ہوئے میں نے سامنے پڑے سگریٹ کے ڈبے میں سے آخری سگریٹ نکال کر سلگایا، نہ صرف سگریٹ ختم ہو چکے تھے بلکہ تھرماس میں موجود کافی بھی۔ کمرے کی حالت اجاڑ تھی، سگریٹ کے ٹوٹے، بے ترتیب کاغذ، سگریٹ کے ساتھ کافی کی تلخ و ترش مہک اور کچھ ہی فاصلے پر الٹ پلٹ ہوئے کشنز، چادر اور تکیہ۔۔۔ لکھنے کے دنوں میں میرا یہ کمرہ جہاں میں لکھنے کو ہی اپنا سونا جاگنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھا ایسا ہی بے ترتیبی کا شکار ہوتا تھا، یہ کمرہ میری اپنی زات کی عکاسی کرتا ہے، کچھ بے ترتیب کچھ الجھی ہوئی سی، ہانیہ کے ہوتے ہوئے تو مجال ہے کہ اس کمرے کی ایک چیز بھی ادھر سے ادھر ہو۔

اس سے پہلے کہ آپ ہانیہ کے نام پر چونکیں، میں پہلے ہی اسکا تعارف کروا دیتا ہوں، ہانیہ میری بیوی، میری شریک حیات ہے۔'' آپ سے زیادہ یہ بات میں خود کو باور کرانا چاہتا ہوں۔

اسے بکھرے کمرے، بے ترتیب چادر یا کشنز، مسل کر پھینکے گئے تولئے سے الجھن ہوتی تھی وہ فوراً ہی سب کچھ سمیٹ لیا کرتی تھی۔ اسکے ہزار ہا کہنے کے باوجود میں نے اپنی روش نہیں بدلی تھی، میں اسی طرح پھیلاوا کیا کرتا تھا، اسکی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید لڑتی جھگڑتی، خود سے سب ٹھیک کرنے سمیٹنے کو کہتی مگر وہ بہت ہی عجیب تھی اسکے ماتھے پر ایک شکن تک نہ آتی اور وہ چپ چاپ صفائی کرنا شروع کر دیتی، کبھی کبھار میں خود کو اسکی جگہ رکھتا اور سوچتا کہ اگر اسی طرح یہ کرتی تو شاید میں resist نہیں کر پاتا اسے بہت سناتا۔ مگر پھر یہ سوچ در آتی کہ کیا ہوا اگر صفائی کر لی آ کر تو بیوی ہے میری، میں اس گھر کیلئے کماتا ہوں، گھر کا خرچ چلاتا ہوں اسے تو محض گھر کا کام ہی کرنا ہوتا ہے، سمیٹتی رہے۔ ہم مرد کتنا بھی خود کو لبرل، آزاد خیال، عورتوں کے حقوق کی برابری کرنیوالا کہہ لیں اندر ہم میں

کہیں نہ کہیں وہ تنگ نظر بیوی بیوی پر حاکمیت جتانے والا مرد چھپا ہوا ہوتا ہے، کچھ ڈنکے کی چوٹ پر ٹھونک بجا کر بیویوں پر رعب جماتے ہیں اور کچھ مجھ جیسے بھی ہوتے ہیں جو بظاہر 'equality' کی بات کرتے ہیں مگر درحقیقت انہیں بھی اپنی بیوی صرف گھر کے کام کرنے کیلئے ،خود اپنے کام کرنے کیلئے، بچوں کی پرورش نگداشت کیلئے یا پھر اپنی اپنی زات کی تسکین اور دلجوئی کیلئے چاہئے ہوتی ہے

ہانیہ سے میری شادی مکمل ارینج میرج تھی۔ میں فارب گردیزی اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا، مجھ سے چھوٹی ایک بہن تھی اور بس یہی ہمارا کل گھرانہ تھا، جہانگیر گردیزی میرا باپ جو کسی جاگیردار گھرانے کا والی وارث تھا اسے کسی تقریب میں آئی ہوئی میری ماں پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی (مجھے لگتا ہے کہ شاید اس بات میں بھانے سے زیادہ ایک جاگیردار کی ضد کا عمل دخل تھا)، میری ماں ایک شریف عورت تھی وہ اسکے بار بار راستہ روکنے اور پیچھا کرنے پر بھی چٹان کی طرح ڈٹی رہی تو پھر وہ وعدے وعید کے بجائے سیدھا شادی کی بات پر آ گیا تھا اور یہی وہ مقام تھا جب میری ماں اسکے آگے ہاری تھی، وہ چٹان جب اسکی محبت میں ڈھلی تو یوں ڈھلی کہ گھر والوں کے لاکھ سمجھانے، دھمکیاں دینے کے باوجود بھی جہانگیر گردیزی کو اپنانے کا فیصلہ قائم رکھا، نانا ابا کو سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ آخر اسکے گھر والوں کو بتائے بنا یہ شادی کیونکر ہو، میرے باپ کا موقف یہ تھا کہ فی الحال وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ اپنی فیملی میں بات کر سکے، شادی کے کچھ عرصے بعد وہ بتا دے گا، فی الحال وہ بس فوری طور پر میری ماں کو اپنانا چاہتا ہے، امی نے سب کی مخالفت لیکر اس سے شادی کی، شادی کے بعد ہم انکے کراچی والے فلیٹ میں جو نانا ابا کے گھر سے بہت دور تھا شفٹ ہو گئے، وہ ہفتے میں ایک بار یا دو بار آتے اور میری ماں خیرات کی طرح ملنے والی ان ساعتوں پر ہی خوش ہو جاتی، اسکے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ جس مرد کو اس نے اور اس کو جس نے چاہا ہے وہ ساتھ ہیں، نانا ابا کا ہر بار اصرار ہوتا کہ آخر وہ کب اپنے گھر میں بات کر کے ہمیں اپنے آبائی شہر آبائی گھر لیکر جائیں گے وہ ہر بار اپنی مجبوریاں گنواتا، جو باتیں میری ماں کے نزدیک مجبوریاں تھیں وہ میرے نانا ابا کے نزدیک عذر تھیں، وقت سرکتا گیا اور امی کی گود میں پہلے میں اور پھر کجل آ گئی، امی بتاتی ہیں کہ میرا باپ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا جب بھی آتا سب سے پہلے میری طرف لپکتا تھا، میں کافی بار یاد کرنے کی کوشش کرتا مگر ایسی کوئی یاد میرے زہن کے دریچے پر دستک نہ دیتی اور پھر خاندان میں ہونیوالی کسی لڑائی میں وہ مارا گیا، مجھے کچھ اور یاد ہو نہ ہو اپنی ماں کا اس وقت زار و قطار رونا ضرور یاد ہے، ہر وقت اسکی آنکھیں بھیگی ہی رہتیں، اسکا بین اسکا کرلانا سب ہمارے سامنے تھا، نانا ابا جو پہلے ہر وقت بولتے رہتے تھے، سرزنش کرتے تھے، انہیں چپ لگ گئی تھی اور ایک دن اسی طرح خاموشی سے وہ بھی گزر گئے، ایک بار میری ماں میرے باپ کے آبائی گھر بھی گئی جہاں سے اسے بری طرح دھتکار دیا گیا، مجھے میرے باپ کے باپ کی آنکھوں میں موجود میری ماں کیلئے حقارت یاد تھی

" ہمارے یہاں مرد دل لگی کیلئے ادھر ادھر منہ مار ہی لیتے ہیں، مگر وہ محض دل لگی ہی کرتے ہیں، دل لگاتے نہیں "

اسکے بعد انہوں نے اور بہت کچھ بھی کہا تھا جو آج محض سوچوں بھی تو میری رگیں تن جاتی ہیں، میری ماں نے آگے سے کچھ بھی نہ کہا، ایک لفظ بھی نہیں بولا اور بس چپ ہو کر واپس گھر آ گئی تھی، گھر آ کر کتنی ہی دیر وہ روتی رہی، ضبط کا بندھن جو ٹوٹا تو بس اسکے آنسو بہتے ہی چلے گئے، اسکے ہاتھ میں میرے باپ کی تصویر تھی

"کتنا اکیلا کر دیا تم نے مجھے۔" وہ آہستگی سے بولی تھی، مگر اسکی آواز کی شکستگی، اذیت نے مجھے اندر تک کاٹ ڈالا تھا۔

میں اس وقت تیرہ یا چودہ سال کا تھا جب پہلی بار میں نے قلم تھاما اور پھر میں نے لکھا اور لکھتا ہی چلا گیا۔ وہ میری زندگی کی پہلی تحریر تھی، وہ اور ایسی ہی کئی کہانیاں عرصے تک میری رائٹنگ ٹیبل کی کسی نچلی دراز میں رکھی رہیں، صد شکر تھا کہ میرا باپ یہ فلیٹ میری ماں کے نام چھوڑ کر گیا تھا اور کچھ رقم بھی، رقم کو میری ماں نے اپنی سہیلی کے ساتھ ایک بوتیک میں لگایا تھا اور مکان اس نے ماموؤں اور خالہ کے ہزار بار کہنے پر نہیں چھوڑا، وہ جانتی تھی کہ عافیت اپنی چھت تلے رہنے میں ہی ہے

میں دن رات پڑھائی میں لگا رہتا، میری ماں نے میرے اور تجل کیلئے اپنی دنیا تیاگ دی تھی اسکا بدلہ تو اتارنا تھا مجھے، ساتھ ہی کبھی کبھار جب بھی دل بھر آتا، میں کاغذ قلم سنبھال لیتا۔ وہ میری دنیا تھی، میرے کردار تھے، اور کاغذ پر ہونے والی ہر بات میرے چاہنے نا چاہنے سے ہوتی تھی، اس سے زیادہ سرور بھلا کس چیز میں ہوتا تھا

وہ تجل تھی جس نے کچھ عرصے بعد ان مسودوں کو صفائی کرتے ہوئے دریافت کیا تھا اور وہ وہیں پڑھنے بیٹھ گئی تھی، مجھے اس بات کا علم بعد میں ہوا کیونکہ تجل نے میرے مسودوں کی فائل کو بالکل ویسے ہی ترتیب سے رکھ دیا تھا جیسے میں رکھتا تھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ چند افسانے اس نے فوٹو کاپی کروانے کے بعد واپس رکھے تھے

مجھے علم جب ہوا جب اگلے ہی ماہ میرے نام ایک پرچے کا اعزازی شمارہ آیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی جس میں مدیرہ نے میرے لکھنے کے انداز کی تعریف کی تھی اور ساتھ ہی جلد ہی بقیہ تحاریر شائع ہونے کا عندیہ بھی دیا تھا، ساتھ ہی انہوں نے رابطے کیلئے میرا نمبر بھی مانگا تھا، میں حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر تجل نے مجھے بتایا تو میری حیرانی دور ہوئی مگر میں نے اسے کوئی ردعمل نہیں دیا، میں خود کو بہت سینت سینت کر سنبھال کر رکھنے والے لوگوں میں سے تھا، مجھے اچھا بھی لگ رہا تھا مگر میرے لئے یہ کچھ عجیب بھی تھا، میں لکھتا تھا مگر اپنے لئے، خود اپنے ہی کتھارسس کیلئے، مگر یہ تحریریں کسی رسالے کی زینت بنیں گی یہ سوچا بھی نہیں تھا، امی نے پڑھا تو کتنی ہی دیر وہ روتی رہیں اور پھر وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں، شاید وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھیں، میں منتظر رہا شاید وہ میری کہانی پر کچھ بولیں گی مگر انہوں نے کہا تو بس اتنا کہا کہ "تم اتنے بڑے کب سے ہو گئے فارس" انکا لہجہ بھیگا ہوا تھا مجھے لگا میں کچھ بول نہیں پاؤں گا پھر وہ آہستگی سے میرے قریب آئیں اور انہوں نے بہت نرمی سے میری آنکھوں پر پیار کیا تھا

"مجھے فخر ہے کہ میں تمہاری ماں ہوں" اور انکی اس بات نے مجھے اندر تک نہال کر ڈالا تھا

وقت گزرا، میری پڑھائی مکمل ہوئی تو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر تقرری ہو گئی، تنخواہ بھی اچھی تھی اور ساتھ ملنے والی دیگر مراعات بھی اور امی یوں خوش تھیں جیسے انہیں عمر

بھر کی ریاضت کا صلہ مل گیا ہو شاید ماؤں کیلئے اولاد کی خوشی ایسی ہی چیز ہوتی ہے، جو رشتے دار، جاننے والے تنگی اور مشکل کے دنوں میں کٹے کٹے رہتے تھے اب ان سب کو اچانک سے امی کی یاد آنے لگی تھی، ہر دوسرے تیسرے دن جب میں آفس سے واپس آتا تو کوئی نہ کوئی امی کا رشتے دار یا جاننے والا آیا بیٹھا ہوتا، امی ہر ایک کے آنے پر بہت خوش ہوتی تھیں جبکہ میں اور سجل ہم دونوں کو ہی میری اچھی جاب کے بعد آنیوالے رشتے داروں کا میل ملاپ اچھا نہیں لگا تھا، کہاں تھے یہ سب لوگ جب امی نے ایک کڑا اور مشکل وقت گزارا تھا اور یہ لوگ مہینوں بلکہ سالوں تک خیر خبر ہی نہیں لیتے تھے، اپنے ان خیالات کا اظہار میں امی کے سامنے بھی کر دیا کرتا تو الٹا وہ مجھ سے خفا ہو جاتیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، پھر اچانک ہی نجانے کیوں امی بجھی بجھی نڈھال سی رہنے لگیں، وہ اکثر مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا کرتیں اور مجھ سے ڈھیروں باتیں کیا کرتیں، نانا ابا کی، میرے باپ کی اور پتہ نہیں کس کس کی، اچانک ہی انہیں میری اور سجل کی شادی کی فکر بہت زیادہ ستانے لگی تھی، میں اپنے لئے تو انکی بات ہنس کر ٹال جاتا، ہاں سجل کے معاملے پر میں خود بھی سنجیدہ ہوا کیونکہ مجھ سے دو سال ہی چھوٹی تو تھی وہ، پھر انہی دنوں خالہ نے اپنے بیٹے حارث کیلئے سجل کا ہاتھ مانگ لیا، حارث نے حال ہی میں سول انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی تھی اور اب ایک فرم میں بہت اچھی پوسٹ پر تعینات تھا، پھر خالہ اتنے چاؤ سے رشتہ مانگ رہی تھیں ہمیں ہاں کہتے ہی بنی

یوں تین ماہ کے اندر اندر سجل بیاہ کر اپنے گھر چلی گئی، میں اور امی اسے خوب یاد کیا کرتے، اس کا گھر قریب ہی تھا وہ ہفتے دو ہفتے میں چکر لگا ہی لیا کرتی تھی اور اپنے گھر میں بہت خوش تھی

"دیکھا میں کہتی تھی نا کہ اپنے ہی اپنوں کا سہارا بنتے ہیں، تم ناحق بولتے تھے، دیکھو سجل کتنی خوش ہے اپنے گھر میں"

وہ فخریہ بولتیں اور میں انہیں بس دیکھکر رہ جاتا، پھر اچانک ہی ایک دن انکی طبیعت خراب ہوئی تو میں انہیں فوراً ڈاکٹر کے پاس لیکر بھاگا، بظاہر انہیں کوئی خاص بیماری نہیں تھی مگر کچھ دن سے وہ سینے میں درد کی شکایت کر رہی تھیں، یہ درد جان لیوا ہو جائے گا یہ میں نے نہیں سوچا تھا، امی میرا واحد سہارا تھیں، گو کہ اس سے پہلے بھی میں اپنے باپ اور نانا جان کو کھو چکا تھا مگر امی تو میری کل کائنات تھیں میرا سب کچھ تھیں، وقت نے انہیں بھی مجھ سے چھین لیا، میں نے کبھی اللہ سے شکوہ نہیں کیا تھا مگر تب میں بہت رویا، اس سے بہت گلے کیئے تھے میں نے۔ اور میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ میرے اندر اتنی تلخی بھر چکی تھی کہ جسکی کڑواہٹ خود مجھے ہی اپنا آپ نہیں دیکھنے دیتی تھی، سجل میرے لئے بہت پریشان رہتی تھی، میں اکیلے کیسے کھاتا پیتا ہوں گا، گھر کے کام کاج کیسے کرتا ہوں گا اسے یہی فکر ہر وقت ستائے رہتی، حالانکہ میرے گھر کی صفائی ملازمہ آکر کر دیا کرتی تھی اور کھانے کیلئے میں نے ایک کک بھی رکھ لیا تھا مگر سجل کی اپنی ہی رٹ تھی، اسکا موقف تھا کہ گھر بنتا اور چلتا عورت کے ہی دم سے ہے، اسطرح کی باتیں کرتے ہوئے وہ پوری امی لگا کرتی۔ بالآخر اسکے آگے مجھے ہار ماننی ہی پڑی، میں نے انتخاب کا حق بھی اسے ہی دیدیا، اور وہ بہت خوش ہوئی کیونکہ شاید اسے لگتا تھا کہ میں کسی کو پسند کرتا ہوں اور اسی کے چکر میں شادی نہیں کر رہا، خیر اس نے میرے لئے لڑکی پہلے ہی پسند

کر کے رکھی تھی لیکن بتایا نہیں تھا کہ مبادا میں آگے سے منع کر دوں تو اسکا مان ہی نہ ٹوٹ جائے

ہانیہ شفیع تجل کے کالج میں اسکے ساتھ پڑھتی تھی ، شاید وہ ایک دو بار گھر بھی آئی تھی مگر میں نے نوٹس نہیں لیا ، یوں بھی میری روٹین ایسی تھی کہ مجھے کام کے علاوہ کچھ سوجھتا نہیں تھا اور سوجھتا تھا تو وہ تھی میری قلمی دنیا ، کئی رسالوں میں میری تحاریر چھپنے کے بعد بکھرے لگتی گئیں ، گوکہ پہلے کی نسبت جاب کی وجہ سے میں کم ہی لکھ پاتا تھا مگر پھر بھی جو لکھتا تھا پورے دل سے لکھتا تھا ، کچھ پبلشرز نے میری تحاریر کو کتابی شکل میں لانے کیلئے مجھ سے رابطے کئے اور انہی میں سے ایک کے ساتھ میرا تین سالہ معاہدہ ہو گیا ، دو سال کے عرصے میں میری تین کتابیں منظر عام پر آ چکی تھیں اور تجل کے بقول ہانیہ بھی میری کہانیوں کو بہت شوق سے پڑھا کرتی تھی مگر میں نے کبھی اسکی باتوں کو نوٹس نہیں کیا تھا اسی لئے جب اس نے مجھ سے ہانیہ شفیع کی بات کی تو مجھے پہلے تو یاد ہی نہیں آیا پھر کسی کام کے بہانے وہ اسے گھر لے آئی تب میں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا ، میں بنیادی طور پر ایک حسن پرست آدمی ہوں اور مجھے خوبصورت چہرے اٹریکٹ کرتے ہیں ، ہانیہ شفیع نے کچھ عجیب سے انداز میں مجھے اپنی جانب کھینچا تھا ، میں اس وقت ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا تھا جب تجل اسے لیکر آئی ، اسے وہیں بیٹھنے کا بول کر وہ کسی کام سے اندر چلی گئی مجھے اشارہ کر کے کہ اگر میں کچھ پوچھنا چاہوں تو پوچھ لوں ۔ اور یہ پہلی بار تھا کہ میں نے اس سے رسمی بات چیت کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تھا اور پھر میں بات کرتے کرتے اسکے کام اور اسٹڈیز تک آ گیا اسے کچھ حیرت بھی ہوئی تھی کیونکہ میں نے اس سے قبل ایسے اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن بہرحال مختصراً ہی سہی وہ مجھے میری باتوں کے جواب دیتی رہی تھی ، کچھ ہی دیر میں تجل ایک شاپر سمیت باہر آ گئی تھی جو اسکے بہت "کام" کا تھا

اسے ساتھ لے جاتے ہوئے اس نے مجھے دیکھا اور کیونکہ وہ میری بہن میری ماں جائی تھی میری آنکھوں میں موجود اسکے لئے پسندیدگی وہ بھانپ گئی تھی ، پھر اگلے مراحل طے کرنے میں وقت نہیں لگا تھا ، ہانیہ کے والدین کو میرے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا ، اور انہیں اعتراض بھی کیا ہونا تھا ، اچھا خاصا پڑھا لکھا اچھی نوکری کا حامل لڑکا انہیں بطورِ داماد مل رہا تھا انہیں کیا اعتراض ہونا تھا (یہ میری اپنی سوچ تھی یا شاید زندگی میں اتنے تلخ تجربات ہوئے تھے کہ میں ہر بات کو مفاد پرستی کے ترازو میں تولتا تھا)

ہانیہ میری زندگی میں آئی تو جوامی کے جانے کے بعد گھر بے ڈھب ہو گیا تھا وہ ٹھیک رہنے لگا ، مجھے اب کپڑوں کا ڈھیر اکٹھا کر کے ہر ہفتے لانڈری کا چکر لگانا نہیں پڑتا تھا ، مائکروویو میں گرم کیئے دو یا تین دن تک رکھے کھانے کی جگہ تازہ روٹی اور اشتہا خیز مہک لئے ہوئے سالن اور پلاؤ نے لے لی تھی ، اگر میں یہ کہوں کہ اس نے پورے گھر کو سنبھال لیا تھا تو یہ بے جا نہیں تھا مگر میں اگر اسے یہ کہتا تو شاید وہ اپنے آپکو کوئی توپ چیز سمجھنے لگتی اور یہی میں نہیں چاہتا تھا ، میں نے اسکے کسی کام کی برائی کی ہو کہ نہیں مگر تعریف کبھی نہیں کی وہ کوئی بھی کام کرتے ہوئے یا کرنے کے بعد ایک لمحے کو مجھے ضرور دیکھتی تھی کہ شاید میں کوئی ایک لفظ یا ایک جملہ ہی اسے بولونگا مگر میں نے کبھی ایسا نہیں کیا ، لیکن اس نے کبھی مجھ سے شکوہ نہیں کیا ، میرے نزدیک وہ ایک عام سی معمولی سی لڑکی تھی جس نے بھلے گریجویشن کر رکھا تھا اور ہر موضوع پر وہ بڑی روانی سے بات کرتی تھی مگر

میرے نزدیک وہ کچھ نہیں تھی، وہ بولتی تھی تو اچھے اچھے کو مات دینے کا وصف رکھتی تھی، بلا کی حسین تھی، مجھے لگتا جیسے وہ مجھ پر حاوی نہ ہو جائے اسکی فیملی بھی مجھے اپنے نزدیک بہت معمولی سی لگا کرتی، میں یہی سوچتا کہ اچھی خاصی شخصیت، تعلیم ہونے کے باوجود یہ سب شاید وہ اسلیئے کیا کرتی ہے کو آسائشیں جو مراعات میرے گھر میں اسے میسر تھیں وہ اسکے اپنے گھر میں بھلا کیونکر ہوتیں اسی لئے وہ میری ہر بات مانتی آئی تھی۔ یہ زعم تھا یا تکبر مجھے اندازہ تک نہیں تھا اور اکثر یہی چیز انسان کو منہ کے بل گراتی ہے، کاش مجھے اس وقت ادراک ہو جاتا

کچھ ہی دنوں میں ڈاکٹر نے ہمیں بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے، میں اندر سے بہت خوش تھا مگر میں نے زیادہ اس پر ظاہر نہیں کیا، اپنی انا کے خول میں رہتے رہتے میں اتنا خود میں سمٹ گیا تھا کہ اتنی بڑی خوشی بھی اس سے شیئر نہیں کر پایا، وہ بہت خوش تھی گویا ہفت اقلیم کی دولت پالی ہو اس نے، اس نے بہت آس سے مجھے دیکھا تھا کہ شاید میں بھی اسی کی طرح خوشی کا اظہار کروں گا مگر اسے میرے سپاٹ چہرے پر کوئی تاثر نہیں ملا

"آپ خوش نہیں ہیں کیا؟" اس نے آہستگی سے مجھ سے پوچھا میں نے محض اسکے خیال کی نفی کی اور پھر چپ ہو گیا مجھے لگا وہ مجھ سے کچھ بولنا چاہتی ہے مگر پھر جانے کیوں وہ خاموش ہوگئی

ان دنوں وہ بہت ڈل بہت نڈھال سی رہنے لگی تھی، گھر کے سارے کام تو کرتی مگر پھر تھک سی جاتی، سجل گھر آئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ کچھ ماہ کیلیے ہی سہی میں ایک ملازمہ رکھ لوں

"ہم دو بندوں کا کام ہی کتنا ہوتا ہے سجل، ضرورت کیا ہے بلاوجہ کسی ایرے غیرے کو گھر میں گھسانے کی"

"مگر پھر بھی فارس بھائی اس حالت میں ریسٹ کی ضرورت ہوتی ہے" سجل کو بحث کی عادت تھی

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا سجل، بلکہ اس حالت میں تو جتنا کام کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے سائنس ثابت کر چکی ہے"

"فارس ٹھیک کہہ رہے ہیں سجل۔ یوں بھی مجھے خود بھی بیٹھے رہنا اچھا نہیں لگتا ہے۔" سجل ابھی مزید بحث کے موڈ میں تھی مگر ہانیہ نے خود ہی اسے ٹوک دیا تھا، سجل اس دن مجھ سے خفا ہو کر گئی تھی مگر میں نے بھی اس بات کا زیادہ نوٹس نہیں لیا اب اسکی بات مان کر میں خوامخواہ ہی ہانیہ کو سر پر چڑھا لیتا

ایک دن جب میں آفس سے آیا تو وہ مجھے میرے اسٹڈی روم میں ملی اس رائٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی جہاں بیٹھ کر میں لکھا کرتا تھا، کچھ دنوں پہلے ہی میں نے اپنے نئے ناول کا آغاز کیا تھا وہ اسی کا مسودہ لئے بیٹھی تھی مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی تھی

"کیا ملائکہ اور زاویار مل جائیں گے؟" میں نے اسکی اس بات کا جواب نہیں دیا بلکہ غصے سے اس پر دہاڑا تھا کہ اس نے کیسے میرے مسودے کو چھیڑا اور کیوں وہ میری اسٹڈی میں بیٹھی اسے میرے اتنے جارحانہ انداز نے حیرت زدہ کیا تھا

"میں تو بس یونہی۔ مجھے لگا کہ۔" وہ بے ربط بولی اور پھر جانے کیا ہوا وہ پہلی بار میرے سامنے بلک بلک کر رو دی، اسنے کبھی مجھ سے نہ کوئی شکوہ کیا تھا نہ ہی گلہ یہ پہلی بار تھا کہ وہ رو رہی تھی اور میں بھی پہلی بار پگھلا، مجھے لگا میں ناحق اسکے ساتھ زیادتی کرتا ہوں، میں نے پہلی بار اسے چپ کرایا۔

"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا ہانیہ، میں بس اپنی کچھ چیزوں کو لیکر بہت حساس ہوں اور میرے لئے لکھنا، میرے کردار شاید اتنے ہی اہم

ہیں، یہ میری دنیا ہے"
"شاید آپکی دنیا بس یہی کہانیاں، یہ کردار اور آپکا آفس ہی ہے، میں تو کہیں ہوں ہی نہیں" شکوہ اسکے لبوں سے پھسلا تھا اور مجھے اسکا شکوہ طنز لگا تھا اور مجھے موم سے پتھر بننے میں وقت نہیں لگا تھا، میں اسی طرح چھوڑ کر اٹھ گیا تھا اور وہ جو میری طرف سے کسی خوبصورت تسلی دیتے مرہم لگاتے جواب کی منتظر تھی، میرے اس انداز پر ایک بار پھر حیرت کا شکار ہوئی تھی اور پھر اسکی آنکھوں میں دوبارہ پانی جمع ہونے لگا تھا
"ایک تو نجانے ان لڑکیوں کی آنکھوں میں اتنا پانی کہاں سے آجاتا ہے" میں نے سوچا اور جھنجھلا کر کمرے سے نکلا اور وہ وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔
پھر کچھ عرصے بعد ہی خدا نے یمینہ کو میری جھولی میں ڈال دیا، اور تب میں زندگی کے ایک نئے مطلب سے روشناس ہوا، یہ تو سراپا محبت ہے، اتنا پیارا گل گوتھنا سا وجود، میری بیٹی، ہانیہ سے پہلے میں نے اسے گود میں لیا تھا اور اتنے چھوٹے سے وجود کو اٹھاتے ہوئے بھی مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں یہ میرے ہاتھوں سے گر نہ جائے پھسل نہ جائے
یمینہ کے آنے کے بعد ہانیہ پر زمہ داری بڑھ گئی تھی، اسے گھر کے سارے کام کرنے کے ساتھ ساتھ یمینہ کو بھی دیکھنا پڑتا تھا، کہنے کو یہ دو بندوں کا گھر تھا مگر یہاں کام اتنا ہی تھا جتنا ایک بھرے پرے گھر کا ہوتا ہے، میں اکثر تولیہ جہاں ہوتا وہیں پھینک دیا کرتا، جوتے کہیں اتارتا تو موزے کہیں، مجھے کھانا فوراً چاہیے ہوتا پھر چاہے وہ کوئی کام کر رہی ہو یا یمینہ کو سنبھال رہی ہو مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی تھی، وہ کھانا بنانے کھڑی ہوتی تب مجھے میرا کوئی اور کام یاد آجاتا اور وہ ماتھے پر ایک بھی شکن لائے بغیر میرا وہ کام بھی کر دیا کرتی، مجھے کبھی

کبھی اس پر حیرت بھی ہوتی تھی کہ وہ کیسے یہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہے، میں اکثر کوشش کرتا کہ اسکے ساتھ ٹھیک سے پیش آؤں کیونکہ ضمیر نام کی ایک چیز ہمارے اندر کہیں نہ کہیں کلبلاتی ضرور ہے مگر پھر جانے مجھے کیا ہو جاتا، میں اسکے ساتھ بالکل اجنبی بن جاتا، میں نے بہت سے رشتوں کو کھو دیا تھا اسی لئے مجھے اس سے اس رشتے سے insecurities تھیں اور پھر ایسا بھی ہوتا کہ میں اپنے ہر کئے گئے عمل کی توجیح دیکر خود کو مطمئن کر لیتا۔
پھر کچھ ہی عرصے میں وہ ایک بار پھر پریگنیٹ ہوگئی، اس بار ڈاکٹر کے نزدیک کافی complications تھیں، انہوں نے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ کوئی مشکل تھکا دینے والا کام نہ کرے، بھاری چیزیں نہ اٹھائے وغیرہ وغیرہ
"یہ ڈاکٹرز کی تو عادت ہوتی ہے خوامخواہ ٹینشن دینے کی، یہ سب طریقے مریض کو متاثر کرنے کے ہوتے ہیں، بس بستر سے لگ کر بیٹھ جانا بھی کوئی عقلمندی ہے بھلا" وہاں سے واپسی پر میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے یہ تبصرہ کیا تھا جواباً وہ خاموش ہی رہی تھی
سجل نے اس بار گھر آنے پر ہانیہ کی حالت دیکھی تو اس بار وہ کچھ نہ بولی مگر اگلے ہی دن اس نے اپنے گھر کام کرنیوالی ملازمہ کو میرے گھر بھی بھیجنا شروع کر دیا تھا، سجل کا گھر میرے گھر کے قریب ہی تھا، میں نے اسے روکنا چاہا مگر وہ بھی میری ماں جائی تھی کچھ دیر کی بحث کے بعد ہی وہ مجھے قائل کر چکی تھی
"کچھ دنوں کی ہی تو بات ہے فارس بھائی اور پھر کھانا ہانیہ ہی بنایا کرے گی بس باقی جو چھوٹے موٹے کام ہے وہ معصومہ کر دیا کرے گی"

مجھے یہ چیز کچھ خاص پسند تو نہیں آئی تھی مگر میں چپ ہو گیا تھا اور یوں معصومہ روزانہ ہمارے گھر آکر صفائی ستھرائی اور استری کا کام کر جاتی، میں اسکے ہر کام میں مین میخ نکالتا تو ہانیہ وہ کام خود سے دوبارہ کرنے بیٹھ جاتی اور میں اسے روکتا نہیں تھا، ان دنوں میں اپنے ناول کے اختتام پر تھا اور جلد از جلد اسے مکمل کر کے اپنے پبلشر کو دینا چاہتا تھا، میں گھر آنے کے بعد اسٹڈی روم میں بند ہو جاتا، ایک دو بار اس نے مجھے کہا بھی کہ اسکی طبیعت ٹھیک نہیں میں مارے باندھے اسے بولتا کہ میں دوائی لا دیتا ہو، میرا انداز اتنا بیزاریت لئے ہوتا کہ وہ خود منع کر دیتی اور میں پھر اپنے کام میں لگ جاتا، اسکی یہ تکلیف جو میرے نزدیک کچھ زیادہ خاص نہیں تھی بڑھتی چلی گئی مگر اس نے مجھے بتانا چھوڑ دیا تھا مگر جب ایک دن اسکی طبیعت حد سے خراب ہوئی تو وہ مجھے بتانے آئی اور قبل اسکے کہ وہ مجھے بتاتی اسے زور کا چکر آیا، وہ گرنے کے قریب ہی تھی کہ میں نے اسے سنبھالا اور فوراً ہاسپٹل لیکر بھاگا مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی، کئی گھنٹے وہ وارڈ میں جان کنی کے عالم میں رہی، اور اس دن پہلی بار تھا کہ میں جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا، ڈاکٹر کافی دیر بعد جب باہر نکلیں تو میں فوراً انکی طرف لپکا، انہوں نے متاسفانہ انداز سے مجھے دیکھا۔

" آئی ایم سوری ہم آپکی مسز اور بے بی دونوں کو نہیں بچا سکے " ڈاکٹر کے الفاظ نہیں تھے پگھلا ہوا سیسہ تھا جو اس نے میرے کانوں میں انڈیلا تھا" میں نے پہلے ہی انہیں وارن کیا تھا کہ اپنا بہت خیال رکھیں، ٹوٹل بیڈ ریسٹ پر رہیں، کوئی تکلیف ہو فوراً میڈیسن لیں مگر انہوں نے لاپروائی سے کام لیا"

اب میں انہیں کیا بتاتا کہ لاپروائی کس کی تھی، مجھے اسکا تکلیف میں بار بار اپنی طرف آنا یاد آیا، ساتھ ہی میری بیزاری اور پھر اسکا دھواں دھواں ہوتا چہرہ۔ اب یاد آرہا تھا، اب سب یاد آرہا تھا، میں جو اسکے آنسوؤں سے الجھن میں آیا کرتا تھا اب خود وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر زار و قطار رو رہا تھا، کچھ ہی دیر میں نجل بھاگتی ہوئی وہاں پہنچی تھی، مجھے اسی نے اٹھایا تھا ورنہ شاید میں وہیں کا وہیں بیٹھا رہتا۔ اسکی ڈیڈ باڈی گھر لانے سے لیکر دفنانے تک کا مرحلہ کب اور کیسے طے ہوا مجھے ہوش ہی نہیں تھا، گھر میں لوگوں کا تانتا بندھا تھا، وہ ہر فن مولا تھی ہر دلعزیز، کتنے ہی لوگ تھے جو اسکے گرویدہ تھے مگر میری rudeness کی وجہ سے اس نے ان سب سے رابطہ توڑ لیا تھا، وہیں مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کالج کے میگزین کی سب ایڈیٹر بھی رہ چکی ہے اور کئی افسانے لکھ چکی ہے، اور مجھے لگتا تھا کہ وہ اسے کہانی کرداروں کا کیا پتہ جملوں کی کیا سمجھ۔ میں نے نجل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ آپ نے کبھی ہانیہ کے بارے میں مجھ سے پوچھا ہی نہیں جو میں بتاتی اور مجھے حیرت ہے کہ اس نے بھی آپکو یہ کیوں نہیں بتایا، نجل میری چھوٹی بہن تھی اسلئے بولی تو مجھے کچھ نہیں مگر وہ اندر ہی اندر مجھ سے خفا تھی، کہیں نہ کہیں اسے لگتا تھا کہ میری بے اعتنائی اور سنگدلی نے ہانیہ کی جان لے لی اور جو وہ اگر یہ جان جاتی کہ واقعتاً ایسا ہی تھا یہ میری ہی سنگدلی کی انتہا تھی جو ہانیہ اپنی جان سے گئی تو شاید وہ کبھی مجھے معاف نہ کر پاتی، اس سے یہ اعتراف کرنے کی مجھ میں ہمت کہاں تھی۔ ہاں میرا ضمیر اکثر مجھے کچوکے لگایا کرتا تھا اور ساری زندگی میں نے ایسے ہی اس پچھتاوے اور ندامت کی آگ میں جلنا تھا۔

یمینہ محض تین سال کی تھی، اسکے ننھیال والوں نے بھی کہا کہ اسے انہیں دیدیا جائے، نجل نے بھی

کہا کہ اسے میں رکھ لیتی ہوں مگر میں نے یہ گوارا نہیں کیا، جاب چھوڑ دی، یہ جاب ہی تھی جسکی وجہ سے میں بلاوجہ غرور اور تکبر میں مبتلا کر دیا تھا، کبھی کبھار میں خود کو باپ کے چلے جانے، یتیمی کی زندگی بسر کرنے اور پھر امی کے انتقال کا مارجن دیکر اپنی مظلومیت خود پر ہی ثابت کرنا چاہتا، مگر اپنے لیے سب سے بڑا منصف انسان خود ہوتا ہے، جو کچھ بھی میرے ساتھ ہوا اس میں ہانیہ کی کیا غلطی اسکا کیا قصور تھا؟ سب جرم اپنے ہی تھے، میرے اندر کی انا، کمپلیکسز کب میری زات پر اس قدر حاوی ہو گئے کہ مجھے پتہ ہی نہ چلا اور اسکے باعث میں نے ہانیہ کو کھو دیا، مجھے بعد میں ادراک ہوا کہ میں اسکا کس قدر عادی ہو چکا ہوں، جب وہ ساتھ تھی تب وہ کہیں نہیں تھی اور اب وہ ہر جگہ تھی، اسکے ساتھ کھانے کی، بیٹھنے کی، رہنے کی عادت ہو چکی تھی مجھے، اسکے دم سے آباد تھا میرا گھر اور جاتے جاتے وہ سب کچھ ویران کر گئی تھی۔ جاب چھوڑی تو مشکل تو ہوئی مگر میں نے ایڈجسٹ کر لیا، کچھ سیونگز بھی تھیں پھر میرے لکھنے لکھانے کا اچھا خاصا کام چل نکلا تھا، مجھے یاد ہے ہانیہ کے جانے کے بعد جس ناول کے اختتام پر میں تھا کئی دنوں تک اسے ہاتھ بھی نہیں لگا پایا تھا، ہر بار اسکا میرے پاس تکلیف سے آ کر گڑگڑانا اور اپنی بے رخی یاد آتی تو قلم رک سا جاتا لفظ کھو سے جاتے۔ کاغذ پر ہر طرف بس اسکا عکس اسکی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں نظر آنے لگتیں اور میں لکھ نہیں پاتا، پھر کتنی ہی مشکل سے میں اس فیز سے نکلا تھا اور لکھ پایا تھا اور لکھنے پر مجھے احساس ہوا کہ جو ایک طربیہ انجام میرے زہن میں تھا اس کہانی کا وہ کہیں محو ہو گیا تھا اب تو بس بے چینی تھی، تشنگی تھی، آنسو تھے، میں نے وہی ان کرداروں کو ودیعت کر دیئے۔ وہ میرا پہلا ناول تھا جو تشنہ رہ جانیوالے کرداروں کی کہانی تھی اور اسکے بعد آنیوالے میری ہر کہانی کے ساتھ ایسا ہی ہوا، میں چاہ کر بھی کسی کہانی کا خوشگوار اختتام نہیں کر پاتا، میرے قارئین نے بھی شاید اس بات کو قبول کر لیا تھا اسلیئے میرے پڑھنے والوں میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوا

زندگی کب رکتی ہے، اسے اپنے مدارج طے کرنے ہی ہوتے ہیں وہ گزرتی رہی، کتنا وقت گزرا ، بجل میری اجاڑ حالت پر اکثر پریشان رہتی مجھ سے دوسری شادی کا کہتی اور اس بات پر میں بدک جاتا، جو جا چکی تھی وہی مجھ پر اسقدر حاوی تھی کہ میں کسی اور کو وہ جگہ کیسے دے پاتا، میرے پاس یمینہ تھی، میری تحریریں تھیں اور ہانیہ کی یادوں سے آباد یہ گھر، مجھے زندگی سے اور کچھ نہیں چاہئے تھا، یمینہ کیلئے میں ایک آئیڈیل باپ تھا اور اسکی اس بات پر میں اسے یہ یاد دلانا نہیں بھولتا تھا کہ اسکی ماں مجھ سے کہیں زیادہ عظیم عورت تھی اور وہ سر ہلاتی، میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ اسکی تربیت میں کوئی کمی نہ رہے گھر کے سارے کام ملازمہ ہی کیا کرتی تھی مگر یمینہ کے سارے کام میں کیا کرتا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ اتنی بڑی ہو گئی کہ میرے کندھے سے آ لگی اور کچھ ہی عرصے میں بجل نے اسے اپنے حنین کیلئے مانگ لیا ، حنین بھی اپنے باپ کی طرح لائق فائق سلجھا ہوا لڑکا تھا مجھے اور کیا چاہئے تھا میں نے فوراً ہاں کر دی یوں یمینہ بھی اس گھر کو چھوڑ کر چلی گئی اور میں بالکل تنہا رہ گیا، ہانیہ کے جانے کے بعد یمینہ نام کا ایک جاگتا جاگتا کھلونا میرے پاس موجود تھا، مگر اب تو بس تنہائی تھی، اکیلا پن تھا اور ہانیہ کی یادیں۔ میں نے خود کو اپنے کرداروں میں گم کر لیا، مگر ہر بار جب لکھنے بیٹھتا تو کہیں نہ کہیں سے ہانیہ آ جاتی، ہنس کر مجھ سے میرا مسودہ لیکر پڑھنے لگتی اور پھر مجھ سے

میرے کرداروں کے ملن میں کے بارے میں پوچھنے لگتی اور میں اسے چاہ کر بھی نہیں بتا پاتا کہ اب میری کہانیوں کے بس المیہ انجام ہوتے ہیں، کوئی کردار مل نہیں پاتا، مجھے ویسی ہی چپ لگ گئی ہے جو میرے اکتانے، بیزاری دکھانے اور جھنجھلانے پر اسکی زات کا حصہ بن گئی تھی، اور یوں ہی ایک مرحلے پر آکر مجھے لگا کہ اب بہت لکھ لیا، اب بس خود کو وقت دینا ہے۔ میں پہلے frequently نماز نہیں پڑھ پاتا تھا، ایسے ہی ایک دن دل میں سمائی تو جائے نماز بچھا کر کھڑا ہو گیا اور وہ زندگی میں پہلی بار تھا جب میں نے دل لگا کر خشوع و خضوع سے نماز پڑھی، اور دعا مانگتے مانگتے میں اللہ سے ہانیہ کی مغفرت مانگنے لگا اور پھر ہانیہ کی باتیں یاد کرنے لگا۔ مجھے لگا کہ کوئی ہے جو میری ساری باتیں سن رہا ہے "اللہ" سن رہا ہے اور پھر میں ہر نماز کے وقت اس سے ایسے ہی ہمکلام ہوتا ہے، نجانے ہم ناعاقبت اندیش لوگوں کو جب زندگی آخری سانسیں لینے کے قریب ہو تب ہی خدا کیوں یاد آتا ہے، مگر کچھ لوگ میری ماں اور ہانیہ جیسے بھی ہوتے ہیں، گھر کے کام کاج ہوں یا بچوں کو سنبھالنا وہ نماز پڑھنا نہیں بھولتی تھیں، یہاں بھی ان جیسی عورتیں ہی بازی لے جاتی ہیں اور ہم مرد جو خود کے نزدیک برتر و بالا ہوتے ہیں یہاں بھی کہیں پیچھے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ خیر دیر سے ہی سہی میں نے نماز کو اپنی روٹین میں شامل کر لیا تھا اور واحد یہ چیز تھی جو مجھے سکون دیا کرتی، میں نے اپنے پبلشر کو مطلع کر دیا تھا کہ میرا اگلا ناول میرا آخری ناول ہوگا، وہ پہلے تو مجھے قائل کرنے لگا مگر میرے نہ ماننے پر پھر وہ اس ناول کی ہی بات کرنا شروع ہو گیا تھا، اسے مارکیٹنگ کیلئے ایک نیا رخ مل گیا تھا کہ فارس گردیزی کی اگلی کتاب انکا آخری ناول ہوگا، وہ اس کتاب کو کس کس طرح بیچ سکتا ہے، وہ ان پہلوؤں پر غور کرنے لگا تھا، یقیناً میں اسکے لئے آخری رائٹر نہیں تھا میرے علاوہ بھی اور لکھاری تھے۔ دنیا میں ہر چیز کا replacement ہوتا ہے، اگر میں نہ لکھتا تو اس سے صرف مجھے ہی فرق پڑنا تھا۔ پبلشر کو چھاپنے کیلئے اور لوگوں کو پڑھنے کیلئے کئی نام دستیاب تھے

میں نے ناول لکھنا شروع کر دیا، یمینہ اکثر آجایا کرتی اور بالکل ماں کے سے ہی انداز میں میرا مسودہ لیکر بیٹھتی مگر میں اسے نہیں ٹوکتا، اسے بھی اس بار المیہ انجام نہیں چاہیئے تھا مگر اس معاملے میں میرا قلم خود میری بھی نہیں سنتا تھا اور آج میں نے بالآخر اسے اختتام تک پہنچا ہی دیا اور انجام اس بار بھی ویسا ہی ادھورا سا تھا۔ اسے ادھورا ہی ہونا تھا۔ جن کے دل کے اندر محض ویرانیاں بستی ہوں وہ کیسے دل آباد کرنیوالی تحریر لکھ سکتے ہیں۔

آخری صفحات کو فائل میں لگاتے ہوئے میں اب کمرے کی حالت درست کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں، کیونکہ کچھ ہی دیر میں یمینہ آنے والی ہے، اسے میری تحریر کا انجام پڑھنا تھا اور وہ سگریٹ کے ٹوٹے اور کمرے کی بے ترتیبی دیکھتی تو یقیناً اس نے مجھ سے ناراض ہو جانا تھا، یہ بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، انکی خفگی کا تصور بھی جان لیوا ہوتا ہے، سو میں یہ سارا پھیلاوا سمیٹنے لگا ہوں مگر اپنے ناول کا ایک آخری کام کو جو میں پچھلی کتابوں پر پہلے ہی کر لیا کرتا ہوں وہ باقی تھا، میں نے ایک سادہ صفحہ نکالا اور اس پر لکھنے لگا۔

"انتساب"

ہانیہ فارس کے نام۔ جسکی یادیں میرا کل اثاثہ ہیں، متاع دل ہیں۔

☆☆......☆☆

افسانہ

شائستہ انور

محبت ہم نے بھی کی تھی

اچانک ہلکی ہلکی سی پھوار شروع ہوگئی۔ وہ بے خودسی ہوگئی۔ ماموں قریبی چھتری والی بنچ پر چلے گئے اور وہ وہیں سے موسم کا نظارہ کرنے لگی۔ ایک دم اسے بالکل پیچھے کسی کی موجودگی کے احساس نے خوفزدہ کردیا۔ ایک گول مٹول نیلی نیلی آنکھوں والا بچہ......

''نواز صاحب' کیا سوچا ہے آپ نے؟'' سعیدہ بیگم نے شوہر کو گھنٹہ بھر سے کتاب کے مطالعے میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا۔

''آں......ہاں......'' وہ کچھ چونک کر گویا ہوئے۔

''آئیں' یہ کیا' اب ہاں اور ہوں کی ضرورت نہیں ہے' سویرے ہی نازل ہوجائیں گے اس کے لاڈلے۔'' وہ زچ ہوکر کشن کے کونے پر ہاتھ مار کر روئی اِدھراُدھر کرنے لگیں۔

''ارے بیگم' کیوں پریشان ہیں آپ؟ اس کا ماموں ہے' اگر بھانجی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے تو لے جانے دو۔ ماشاء اللہ' دولڑکے بھی ہیں۔ کیا پتا ایسا ہی کچھ سوچا ہو جو میں سوچ رہا ہوں۔'' وہ کتاب ایک طرف رکھ کر رسان سے بولے۔

''یہ اچانک محبت کیسے جاگ گئی؟ بہن بیوہ ہوئی تو کبھی نہ آئے' اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی لندن سے کراچی دوڑ لگادی۔ اے' میں کہتی ہوں' کب آپ کی آنکھیں کھلیں گی؟ زینت کے بعد اب عصمت ہی کا آسرا ہے۔ کیوں میری جان کو روگ لگاتے ہو؟ منع کردو صاف اکرام الدین کو' اپنی محبت اپنے پاس رکھے' بھتیجی کو ہم خود سنبھال لیں گے۔ کوئی بوجھ نہیں ہے وہ ہم پر' خون ہے ہمارا۔'' وہ مفت کی ملازمہ کے جانے کے خیال ہی سے ہول رہی تھیں۔

''پاگل ہوئی ہو تم' اس کا عصمت پر اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا۔ میں خوامخواہ کی بدمزگی نہیں چاہتا۔'' انہوں نے بیوی کی بات یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔

''آہ......کیا تھا زینت' جو تُو جی جاتی۔ مگر سنو' مراد کا کیا کروگے؟ اسے بھی تو......''

''نام مت لو اس کا میرے سامنے' پانچ سال پہلے مٹی ڈال چکا ہوں اس پر' عصمت کا سرپرست میں ہوں' اس کا تایا باسط احمد' سمجھیں تم؟ اور خبردار اگر دوبارہ اس ناہنجار کا نام میرے سامنے لیا تو......'' وہ بیگم کی بات کاٹ کر بولے۔

''ارے' بھاڑ میں گیا بھتیجا اور بھاڑ میں گئی بھتیجی' وہ خود ہی آکر ماں جائی کے بابت پوچھے گا نا تو پھر میں آپ کو بھی دیکھ لوں گی۔ ہونہہ' بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔'' وہ جو تایا جی کے لیے اسٹرانگ کافی اور تائی کے لیے لائٹ Tea لے کر دروازے تک پہنچی تھی' ان کی باتیں سن کر خاموشی سے کچن کی جانب پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

رات کے دو بج رہے تھے' عجیب سی سوگواری اس

کے کمرے میں ڈیرے جمائے ہوئے تھی۔ اس کی ذات میں اَن گنت جالوں کے مضبوط تار تنے ہوئے تھے۔ نائٹ بلب کی مدہم روشنی میں اس کے سامنے گرین ڈائری کے دودھیا ورق چمک رہے تھے۔ 'شاید یہ اس گھر میں میرا آخری دن ہے۔' اس نے قلم تھاما اور ورق سیاہ کرنے لگی۔

''آج...... آج کے دن کو کیا نام دوں؟ کس تاریخ سے یاد کروں؟ اسیری سے رہائی کا دن۔ خواہشوں کے چھن چھن کر پالینے کی آخری ساعتیں کس قدر روح کو ہلکا کرتی ہیں۔ میرا گھر' میرا جنم اس گھر میں ہوا' میرے پاپا کتنے پیارے تھے جن کے لبوں پر ہر دم مسکراہٹیں رقصاں رہتی تھیں۔ میری ائی آئیڈیل ماں' میرا بڑا بھائی مراد احمد کتنا پیار کرتا تھا مجھ سے' آج میں تہی داماں ہوں۔ باپ بچپن ہی میں مسکراتے ہمیں الوداع کہہ گئے۔ میری ماں کے لیے امتحان شروع ہوگیا۔ رشتے ناتے سب کچے دھاگوں میں بندھے تھے' آہستہ آہستہ ٹوٹتے چلے گئے۔ تایا ابا کی ذات تھی جو ہم لوگوں کے لیے گھنی چھاؤں ثابت ہوئی۔ مراد بھائی کو وہ توجہ نہ مل سکی جو اُن کی شخصیت کو نکھارتی' وہ آہستہ آہستہ ہم سے دور جانے کن دوستیوں میں پڑ کر غائب ہوگئے۔ پانچ سال سے میں نے اپنے سگے بھائی کو نہ دیکھا' وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟' یہ سوال ہر پل ذہن کے دریچوں میں گھومتا ہے لیکن اب تک جواب سے قاصر ہوں۔ چونکہ میری ماں نے تائی اماں کی خدمت ساس سمجھ کر کی کہ ہم تو اب ان ہی کے

ٹکڑوں پر پل رہے تھے لیکن پھر بھی تائی ماں نے اُن کی قدر نہ کی۔ جوان جہان بیٹا' مستقبل کا امین' سہارا' اس کے دکھ نے بہری ماں کو عین جوانی میں منوں مٹی تلے پہنچا دیا۔ ماں کے رشتے دار تو کوئی نہ تھے' ہاں' لے دے کے ایک بھائی ضرور تھے لیکن وہ ایسے لندن گئے کہ اپنے ماں باپ کے جنازوں تک میں نہ آئے تو ان سے کسی بھی قسم کی آس لگانا فضول تھی۔ ماں کو میرے غم نے بھی تو جھٹ پٹ کر دیا تھا بلکہ میرا غم ہی تو انہیں لے ڈوبا۔ میں دنیا کی پہلی لڑکی ہوں جسے اب تک اس گھر میں سوائے ترس کے کوئی اور جذبہ کہیں دکھائی نہ دیا ہوگا۔

او' اے ڈائری! دیکھو تو میں تو کتنی دیر سے اپنی ہی باتیں لے کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ میں تو صرف آج تم سے یہ کہنے کے لیے بیٹھی تھی کہ کل تُو اور میں' دیکھو کہاں ہوں گے؟ یا اپنی زمین' اپنے وطن کی سوندھی سوندھی مہک دیتی خاک پر یا گوروں کی ان کے اندر کی طرح ٹھنڈی' یخ' جذبات سے عاری برف کی سل جیسی سخت زمین پر۔ بس اب میں سو رہی ہوں' کل ملیں گے۔'' اس نے خاموشی سے ڈائری کو بند کیا اور بیگ کے اندر رکھ لیا۔

☆......☆......☆

جہاز ہزاروں فٹ کی بلندیوں پر ہواؤں میں رستہ بناتا' بادلوں سے کھیلتا اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔

''اپنا خیال رکھنا' کیا کریں بہت مجبور ہیں ورنہ جانتی ہونا' کبھی تمہیں یہاں سے جانے نہ دیتی' جانے یہ جدائی کتنے برس کی ہو؟ خدا خوش رکھے۔ وہ گوروں کا دیس ہے' میمیں خود خیال کرتی ہیں اپنا' اپنی اس تتلی جیسی ممانی کی آس میں نہ رہنا' کمال اور نہال کے نمبر تو تمہارے پاس ہیں ہی' میری بچی' کوئی مسئلہ ہو' اطلاع ضرور دے دیجیو۔'' تائی اماں اچانک اس قدر بدل کیسے گئی تھیں؟ وہ جہاز کی کان بند کر دینے والی آواز میں بھی اب تک تائی اماں کی محبت یاد کر کے آنکھیں نم کر رہی تھی۔

''خوش رہو' جہاں رہو۔ خدا تمہارا مددگار ہوگا۔'' تایا ابا نے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دکھ سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ''اپنی تائی کی کسی بات کو دل میں نہ رکھنا۔'' وہ کہہ کر یکدم ہی پیچھے کو مڑ گئے تھے۔

''ارے بہن' آپ بھی نا بس خوامخواہ ہی پریشان ہوتی ہیں۔ بھئی' بچی ہے ہماری' ہم خیال نہیں رکھیں گے کیا؟ ذمہ داری اٹھائی ہے' پورا کر کے دکھاؤں گی۔'' ممانی' تائی اماں کو دلاسہ دیتے ہوئے بولیں۔

ماموں میاں اسے پکڑ کر ایئرپورٹ کے Entrance کی طرف چلے گئے تھے۔ آخری بار اس نے تائی اور تایا کو کانچ کی دیوار کے پیچھے سے دیکھا تھا اور پھر آنسو بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ تمام کارروائیوں کو پورا کرتی رہی تھی۔ اسے دکھ تھا تو یہ کہ شاید ماں جایا کبھی مل پائے گا یا نہیں؟ آس اسے بار بار چہروں کی بھیڑ میں اپنے بھیا کو ڈھونڈنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اب سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا بچپن' جوانی' ماں باپ' بھائی کی یادیں' وہ سب کچھ وہیں چھوڑ آئی تھی۔ اس کی آنکھیں برسات بن گئیں۔

☆......☆......☆

اسے لندن آئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ ہفتے بھر ہی میں اس نے عمروں کے فاصلے طے کر لیے تھے۔ اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے' اب اسے سمجھ آ گئی تھی۔

ماموں اپنی لانڈری چلے جاتے۔ صابر اور ظاہر سارا دن اپنے ہی دھندوں میں الجھے رہتے۔ مامی جی کی ماشاء اللہ' دوستیاں لندن بھر میں تھیں۔ ان کے گھر کو ایک ایسی ملازمہ چاہیے تھی جو خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہے۔ اسے باہر کی دنیا کی کوئی خبر نہ ہو' بس اسی لیے اسے یہاں لایا گیا تھا۔ سپاٹ لہجوں اور یخ جذبات والی زمین نے اپنوں کے جذبات کو بھی ہر تپش سے عاری کر دیا تھا۔ اسے اب اپنی زمین بہت یاد آ رہی تھی۔ وہ اچانک خاموشی سے کلینز سے پورے گھر کی صفائی کر کے کانچ کے بڑے دروازے سے باہر کی سرسبز دنیا کو محسوس کرنے نکل کھڑی ہوئی۔ گھر کے سامنے ہی ایک سرسبز پارک نظر آ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اسی طرف چل پڑی اور ایک سنگی بنچ پر بیٹھ کر آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگی۔ کچھ دیر تک اِدھر سے اُدھر ہریالی دیکھتی رہی پھر وہ بنچ سے اتر کر شبنمی گھاس کو چھو کر دیکھنے لگی۔ 'بالکل ایسی ہی تو پاکستان کی ہریالی ہوتی ہے۔' اس نے دل میں سوچ کر کچھ گھاس

نوچ کراپنے گال سے لگالی۔
"Hey, You! What are you doing?" وہ جانے کون کافی دیر سے اسے دیکھ رہا تھا؟ وہ ایک ٹک اسے دیکھنے لگی' اس کے رخسار اس کی نظروں کی تپش سے دہکنے لگے۔ یہ سحر انگیز لمحہ اس انگریز کو مشرقی حسن کا اسیر کر گیا۔
"Please, don't cry." اس کی آنسو بھری ہوئی آنکھیں دیکھ کر وہ ٹشو جیب سے نکال کر اسے دینے لگا۔
وہ اس کے ہاتھ سے ٹشو لے کر واپس بنچ پر بیٹھ گئی۔ گھاس کے پتے اس نے ابھی تک مٹھی میں سختی سے دبائے ہوئے تھے۔
"Hey,Are you listening Me" وہ اس کے سامنے ہی کھڑا اسے محویت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
وہ گم صم نیچے لانبی پلکوں سے تکے جارہی تھی۔
"Oh dear,please, never mind it."
وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ وہ سمٹ کر سائیڈ پر ہوگئی۔
"Are you angry with me?" اجنبی گورا شاید اپنی نادانستہ غلطی پر شرمسار تھا۔ وہ سفید ہوئی جارہی تھی۔
"Oh sorry," وہ کہہ کر دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"I'm Tom." وہ کہہ کر اس کی سیاہ گرم شال میں چاند سے مکھڑے کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔
اس کی گویا جان میں جان آگئی۔ وہ جلدی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتی بے جان جسم کو گھسیٹتے ہوئے گھر میں آگئی۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے فوراً ڈائری نکالی۔ ہاتھ میں دبی گھاس کو قرینے سے اندرونی اوراق کے اندر قید کر دیا اور مسکراتے ہوئے کچن کی جانب چل پڑی۔ مامی جی کسی بھی وقت آسکتی تھیں۔ سب کچھ تو ہو چکا تھا' بس مامی جی کے وجیٹیبل سوپ کو ریڈی کرنا تھا۔ وہ منہمک سی کچن کا حصہ بن گئی۔

☆......☆......☆

لندن کی ٹھنڈی رات میں وہ نائٹ لیمپ کے سوئچ کو آن' آف کر کے ڈائری میں سے گھاس کے پتوں کو بے خیالی میں اپنے گالوں اور ہونٹوں سے مس کر رہی تھی پھر اچانک اس نے پاس پڑے قلم کو اٹھایا اور ڈائری میں کچھ لکھنے لگی۔
''ڈیئر ڈائری' دیکھو' میں نے تم سے کہا تھا نا کہ آگے آنے والا وقت ہماری زندگی میں کیا لاتا ہے؟ آج میں اپنی مٹی' اپنے وطن سے بہت دور ہوں' میں اپنے ہر رشتے کی گرمی اس ٹھنڈے ملک میں رہتے ہوئے بھی محسوس کرتی ہوں۔ اپنی بچپن کی سکھیوں کو یاد کر رہی ہوں۔ اچھے برے دن یہاں آکر سب کچھ یاد آرہا ہے۔ میں جانے کتنے سمندروں' صحراؤں کو عبور کر کے آئی ہوں' پلٹ کر دیکھتی ہوں تو لگتا ہے' کھو جاؤں گی۔ آج میں پہلی مرتبہ اس گھر میں تنہائی کی گھٹن سے تنگ آکر باہر نکلی تھی۔ میرے اپنے!! آخاہ...... کس چاہ سے مجھے لائے تھے۔ میں تو ماموں کو ماں کا منہ سمجھی تھی لیکن شاید میرا نصیب ہی ایسا ہے۔ میں شاید اسی طرح خاموشیوں کے ویرانے ہی میں دفن ہو جاؤں گی۔ آج جب میں پہلی مرتبہ گھر کے سامنے والے پارک میں گئی تو ایک اجنبی کی آنکھوں میں پیار کی چمک' شناسائی کی رمق دیکھی تھی مگر میں اس سے کچھ بھی اظہار نہ کر پائی' دوستی تک حاصل کرنے میں اپنی جانب سے کوئی پیش قدمی نہ کر سکی۔ نہیں' میں نے شاید ٹھیک کیا۔ میں بھلا کیا جانوں' وہ ہے کون؟ ارے ہاں' اس نے نام تو بتایا تھا۔ Tom' اچھا اب میں تم سے بعد میں باتیں کروں گی' Take Care۔'' آخری لفظ لکھ کر اس نے ڈائری بند کر دی اور نیند کی وادی میں کھو گئی۔

☆......☆......☆

موسم صبح سے ہی ابر آلود تھا۔ گھر کے مکین تو ایسے موسم کے عادی ہی تھے لیکن آج اسے یہ موسم بہت کھل رہا تھا۔ رات جانے کس طرح گھر میں کوئی پاکستانی چینل لگ گیا تھا۔ ڈرامے میں ماں' بیٹی کا کردار ادا کرنے والی اداکاراؤں نے اس خوبصورتی سے اپنے کردار نبھائے کہ اسے اپنی ماں یاد آگئی تھی۔ وہ اپنی ماں کو یاد کرتی صوفے ہی پر اپنے گھٹنوں میں سر دے کر اس طرح یادوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی کہ پتا ہی نہ چلا کہ کب ماموں اس کے

پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اچانک اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ماموں کے شفقت بھرے ہاتھ اس کے سر پر تھے۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہو کر اٹھنے لگی۔ انہوں نے اشارے سے منع کر دیا۔

''اداس ہو بالکل زینت کی طرح' وہ بھی بچپن میں اسی طرح گھٹنوں میں سر دیے کر روتی تھی۔ چلو تم تیار ہو جاؤ' باہر چلتے ہیں۔ تم بھی کیا سوچتی ہو گی کہ دیکھو ماموں اتنی دور لے کر بھی آئے لیکن پھر بھی فاصلے بجائے کم ہونے کے اور زیادہ ہو گئے۔ بیٹا...... یہاں کی زندگی ایسی ہی بزی ہے' کئی کئی دن ہم ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھ پاتے۔ چلو آج تمہیں باہر کی دنیا دکھاتے ہیں۔''

وہ اٹھ کر اندرونی کمرے کی جانب چل دی اور موسم کی مناسبت سے گرے ویلوٹ کا سوٹ فر کے کوٹ کے ساتھ میچ کر کے اس نے وہی سیاہ گرم شال بھی اوڑھ لی۔

''ارے بیٹا......! اس شال کو تو رہنے دو' تم میرے ساتھ ہو' ہم کون سا بہت دور جا رہے ہیں؟ اسے یہیں رکھ دو۔'' ماموں کے کہنے پر اس نے شال اتار دی لیکن پھر بھی دوپٹہ اس نے مضبوطی سے سر پر اوڑھ لیا۔ اسے دیکھ کر وہ کچھ مسکرائے اور پھر لکڑی کے نقش و نگار بے شیشے کے دروازے سے باہر نکل گئے۔

دونوں ماموں بھانجی گھر کے قریبی پارک میں ٹہلنے لگے۔ اس سے پہلے بھی وہ یہاں آ چکی تھی لیکن آج بہت فرق محسوس کر رہی تھی۔ آج اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے گھاس کے سبز قالین پر آرام آرام سے اپنے گداز پیر رکھتی چل رہی تھی۔ وہ دونوں کافی دیر تک ساتھ چلتے رہے اور پھر کچھ دیر میں پارک کے بالکل آخر میں ایک اسٹور سے ماموں نے اسے آئس کریم کا بڑا کپ' پاپ کارن اور توڈلز کی بنی چاکلیٹ دلا کر بل پے کیا اور پھر واپس ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کے کین لے کر پارک کے بیچ میں ایک بڑی سی بینچ پر بیٹھ گئے۔

قریب ہی ایک لڑکا چھوٹے چھوٹے بچوں کو تازہ تازہ گلاب کی ادھ کھلی کلیاں دے رہا تھا۔ اس کا دل چاہا' بھاگ کر جائے اور اس سے ڈھیر ساری کلیاں لے لے۔

اچانک ہلکی ہلکی سی پھوار شروع ہو گئی۔ وہ بے خود سی ہو گئی۔ ماموں قریبی چھتری والی بنچ پر چلے گئے اور وہ وہیں سے موسم کا نظارہ کرنے لگی۔ ایک دم اسے بالکل پیچھے کسی کی موجودگی کے احساس نے خوفزدہ کر دیا۔ ایک گول مٹول نیلی نیلی آنکھوں والا بچہ ہاتھ میں ڈھیر ساری کلیاں لے کر کھڑا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ بچہ ہنس کر دوسری جانب اشارہ کرنے لگا۔

'ارے' یہ تو Tom...... اوہ' تو یہ سب ٹام نے......'

وہ سوچ کر رہ گئی اور پھر خاموشی سے اس نے سارے پھول اپنے سینے سے لگا لیے۔ ٹام اسے دیکھ کر ہاتھ سے ہیلو ہائے کرنے لگا۔ وہ اشارے سے او کے کہہ کر واپس ماموں کی طرف چل دی۔

موسم کی شرارت تیز ہو رہی تھی' وہ ماموں سے گھر جانے کا اشارہ کرنے لگی اور وہ دونوں آہستہ روی سے گھر کی جانب چل دیے۔

☆......☆......☆

پھر بہت سارے دن اس حسین دن کی خوشبو سے مہکتے گزر گئے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ آج کل گھر کی فضا کچھ بوجھل بوجھل ہے۔ کوئی ان دیکھا تناؤ ہے' جس نے گھر بھر میں کشیدگی پیدا کر رکھی ہے۔ وہ بس سب کچھ دیکھ' سن کر اپنا کام خاموشی سے نمٹاتی کہ ہر کام مشین سے ہوتا تھا لیکن مشین بھی ذرا سا لاپروائی سے کام اوندھا کرنے میں اہم کردار ادا کر دیتی ہے لہٰذا وہ سارے کام انتہائی ذمہ داری اور برق رفتاری سے نپٹایا کرتی تھی۔

اس دن بھی وہ خاموشی سے اپنے کام میں مگن تھی جب ممانی کے ساتھ ایک خاتون اسکرٹ بلاؤز زیب تن کیے ٹک ٹک کرتی اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں' ان کے چہرے سے اس کا مضحکہ اڑتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"Oh what a foolish girl." خاتون نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے سارا دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیا۔ ممانی انہیں واپس ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ وہ انہیں کافی سرو کرنے جا رہی تھی کہ اندر آتی آوازوں نے اس کے قدم روک لیے۔

''اوہ ڈارلنگ' واٹ آ بیچ۔ آئی شوٹ ہر' آئی ڈو وانٹ ہر میرج ودھ مائی Tom۔''

''اوہ میرے خدا...... !یہ تو شاید ٹام ہی کی کوئی رشتے دار ہیں۔ وہ دل میں سوچ کر اپنے بارے میں ان کے خیالات سن کر کانپ سی گئی۔

''ٹرائی ٹو انڈراسٹینڈ۔ دیز بلڈی ریلیٹیوز۔ آئی ڈونٹ وانٹ ہر کمپنی بٹ مسز فیلا' شی از این ایکسیلنٹ سرونٹ اینڈ واچ کیپر آف مائی ہاؤس۔''

ممانی کے منہ سے جھڑتے موتیوں نے اس کا دل ریزہ ریزہ کردیا۔ اسے ایسا لگا جیسے اسے تپتی ریت پر سے رگیدا جارہا ہو۔ اچانک اسے ہیٹر سے گرم، کمرے میں ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اسے کچھ ہوش نہیں رہا کہ وہ کہاں ہے؟ اور کافی کے گرم مگ کارپٹ پر اس کے ساتھ ہی لڑھک گئے۔

☆......☆......☆

جینے کی کوششوں میں مرے جارہے ہیں ہم
تعمیر ہی کے ساتھ کوئی انہدام ہے
ہے جستجو نہ شوق نہ امید نہ امنگ
یہ زندگی کا مجھ سے کوئی انتقام ہے

آج ہی وہ ہاسپٹل سے گھر آئی تھی۔ نروس بریک ڈاؤن نے اس کی ساری توانائیاں سلب کردی تھیں۔ وہ بیڈ پر پڑے پڑے بس خلاؤں ہی میں گھورے جاتی تھی۔ جانے کس کھوج میں اس کی آنکھیں ایک ہی سمت دیکھا کرتی تھیں؟ سب ہی اس کی اس حالت سے پریشان تھے مگر وہ...... وہ تو گویا اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔ ''کیا سوچتے ہوں گے سب...... مگر میرا قصور کیا تھا؟ میں نے تو ٹام سے کسی بھی طرح کا کوئی تعلق قائم نہیں کیا' نظروں ہی نظروں میں اس کو دیکھا بھی بمشکل دو تین دفعہ ہی ہے پر یہ سب کیوں ہوا یہ سب کچھ اور میرے ساتھ ہی کیوں؟ میں جو ہر ایک سے صرف ہمدردی اور ترس کی توقع ہی رکھتی ہوں' میرے دل کے اندر تو ہر جذبے نے ایک قبرستان بنادیا ہے۔ میرے خدا! اس بھنور سے نکال دے مجھے۔ مولا! رستہ دکھادے۔''

☆......☆......☆

طوفاں ہی میں رہے گی مری کشتی حیات
بحر وفا میں کوئی شناور ملا کہاں

آج وہ ہمت کرکے اٹھ گئی تھی۔ اسے سب کچھ نیا نیا لگ رہا تھا۔ گھر میں حسب معمول کوئی بھی نہ تھا' اچانک بیل بج اٹھی' ویسے تو اس گھر میں اجازت کا کوئی رواج نہ تھا مگر یہ کون ہے؟ وہ الجھتی ہوئی دروازے تک پہنچ گئی۔

"Hello." وہ مخاطب کو دیکھ کر بری طرح پیچھے ہٹی تھی جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

''اوہ......'' وہ اس کی کیفیت سمجھ کر کچھ مسکرانے لگا۔

وہ فوراً کچن کی طرف چلی گئی۔ وہیں پر پھولوں کے نقش و نگار سے سجا ایک گتہ سا پڑا تھا' اس نے وہ گتہ اٹھایا اور اسے فولڈ کرکے کارڈ کی شکل دے دی' پاس پڑے پین سے اس نے خوشخط کچھ جملے لکھے اور باہر چلی گئی۔ وہ اب تک وہیں کھڑا تھا۔

''آپ میرا وجہ سے worry فیل کیے' آئی ایم سوری' آئی ڈونٹ نو، اپنی بڈی از ہیئر بٹ ایک بات بتانا ہے' اردو لینگویج کا کلاسز آئی اٹینڈ ڈناؤ' سون لی' آئی اسپیک اردو۔ یو انڈراسٹینڈ' واٹ آئی سیڈ ٹو یو؟'' وہ بے ربط اردو اپنے انگلش لہجے میں بولتا چلا گیا۔ جواب میں اس نے اس کے صبیح چہرے کی جانب دیکھا' اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں جن پر لانبی پلکیں سایہ فگن تھیں۔

اس نے خاموشی سے اپنے ہاتھ سے لکھا اور بنایا کارڈ اس کی جانب زمین پر گھورتے ہوئے آگے کردیا۔ اس نے کارڈ کھولا' پڑھ کر وہ خاموشی سے مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔

اس نے اس کے جاتے ہی دروازہ لاک کیا' قریب ہی ریک پر اسے ایک گلاب کی تازہ سی کلی نظر آئی' اس نے کلی اٹھائی تو اس کے نیچے ایک گلابی رنگ کا ورق از خود ہاتھ میں آگیا۔

ڈیئر ASMAT!

GOD BLESS YOU.

یہ خط تمہارے لیے اپنے ایک اردو دان دوست سے لکھوا رہا ہوں' یہ translation ہے میرے جذبوں کی' میں فیلا بیکر کا بیٹا ہوں' بچپن میں میری ماں مجھے جنم دے کر GOD کے پاس چلی گئی تھی۔ میرے والد ایک بزنس مین تھے لہٰذا میری تنہائی وہ کسی نرسری کے سپرد کرنے کی بجائے میرے لیے stepmother لے آئے۔ میں اپنی اسٹیپ مدر کی چھاؤں میں جوانی تک آ پہنچا لیکن ان کی محبت اور توجہ حاصل کرنے میں ہمیشہ

ناکام رہا۔ زیدی کی عدم دستیابی نے بھی میرے اندر ایک پر نہ ہونے والا خلا پیدا کر دیا' اس خلا کو میں نے ڈرگز میں ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن بے سود...... دنیا میں جتنے کام اچھے یا برے تھے' کچھ مہربان دوستوں کی سنگت میں سب ہی کر چکا ہوں۔

مجھے ہر طرف سے سوائے متزلزل عکس ذات کے کچھ نظر نہ آیا۔ ہاں' ایک کام میں نے کبھی نہیں کیا محبت' اسے کام کہنا غلط ہوگا' کبھی کسی کو دیکھ کر' کسی کے پاس بیٹھ کر بھی کبھی یہ جذبہ دل میں بیدار نہ ہوسکا۔ میں اب تم سے سچ کہتا ہوں' اس دن پارک میں تمہیں دیکھا تو خود بخود تمہاری تلاش میں دوسرے دن میں اسی مقام پر انتظار کرتا رہا۔ دن گزرتے رہے لیکن میرے انتظار میں فرق نہ آیا۔ آخر کار ایک دن تم نظر آ گئیں' بے اختیار دل سے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ دن کتنا خوبصورت تھا' ہر شے نکھری نکھری لگ رہی تھی۔

مجھے ایسا لگا' میں نے ابھی جنم لیا ہے۔ اس جذبے کو کیا نام دوں؟ سوچ میں پڑ گیا۔ اسے محبت ہی کہتے ہیں' میں محبت کے جرم میں مبتلا ہو کر تمہارا اسیر ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں' جذبے سچے ہوں تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ میں نے اس دن تمہارے انکل اور تمہارے متعلق تمام investigation جمع کر لی تھیں پھر میں نے اپنا پروپوزل انکل کو دیا' بیچ میں مذہب کی دیوار ہے لیکن بہت جلد میں اس دیوار کو پار کر لوں گا۔

تمہارے بارے میں انکل نے سب کچھ صاف صاف بتایا تھا لیکن تمہیں دیکھ کر میں جس جذبے کا شکار ہوا تھا' سچ کہتا ہوں' تم مریم کی طرح پاکیزہ اور معصوم ہو۔ کوشش کروں گا تمہیں پا کر تمہارے تمام زخموں پر مرہم رکھ کر تمہارے درد کی زبان بن جاؤں۔ میں اسلامک سینٹر جوائن کر چکا ہوں۔

تمہارے امن و آشتی والے مذہب کی مضبوطی آہستہ آہستہ مجھے سچے رب کا راستہ دکھا رہی ہے۔ دعا کرو' میں جلد صراطِ مستقیم پر چل کر نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ تم نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی مجھے سچے راستے کی جانب گامزن کر دیا ہے۔ اپنے بارے میں' میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ لیکن چونکہ مذہب اسلام کہتا ہے' شادی سے پہلے لڑکی کی مرضی معلوم کر لینا چاہیے تو میں تم سے اپنے بارے میں رائے مانگتا ہوں۔ کیا میرے ساتھ تمام عمر زندگی گزارنا تمہیں منظور ہے؟ اگر تمہارا جواب ہاں ہے تو تم شام کو پارک میں اسی جگہ آ جانا۔ میں سمجھ جاؤں گا۔

تمہارا ٹام۔''

☆......☆......☆

خط پڑھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے کارڈ پر اپنے بارے میں جو معلومات اسے فراہم کی تھیں' وہ تو سب اسے معلوم تھیں مگر مجھے کسی نے کچھ کیوں نہ بتایا؟

ٹام مسلمان ہو رہا ہے میری خاطر۔ یا خدا! کہیں یہ سب خواب تو نہیں؟ میرے مالک! میں...... میں تو بندۂ ناچیز بہت بے بس اور کمزور ہوں۔ ماموں جی کو اب بھی ہوں۔ ممانی کو سمجھا تو میرا اندازہ کتنا غلط ثابت ہوا۔ میں ثابت قدم رہ کر بھی ان کی نظر میں ایک نوکر سے زیادہ کی حیثیت نہ پا سکی۔ ٹام میں کس طرح تم پر بھروسہ کر لوں؟ میں بہت مشکل میں ہوں۔

زندگی' تُو مجھے کس دوراہے پر لے آئی ہے؟ میرے جیسی لاچار' قابل رحم لڑکی پر تُو کہیں کوئی عذاب نہ ڈال دینا۔ مالک ارحم و سما! رحم کرنا۔''

وہ گلابی کاغذ میں ٹام کی زندگی کے نہاں راز اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گئی اور اسے اپنی ڈائری میں سنبھال کر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

سورج کی لالی بھی دن اور رات کے ملاپ کی تیاری کر رہی تھی کہ وہ اپنی سیاہ گرم شال اوڑھ کر پارک کی سمت چل پڑی۔ پارک میں پہنچ کر وہ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئی۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا۔ سامنے سے اسے ٹام آتا دکھائی دے گیا تھا۔ وہ اسی لمحے فوراً اٹھی اور گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔ ٹام اس جگہ پر آیا' سنگی بنچ پر ایک گلاب کی کلی پڑی تھی' نیچے ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ پڑا تھا۔ اس نے وہ پرزہ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ پرزے پر صرف ایک شعر درج تھا۔

نہ جانے کیوں ہمیں تم پر بڑا بھروسہ ہے

خیال رکھنا کہ قائم یہ اعتبار رہے

☆......☆......☆

ٹام کو گرین سگنل مل چکا تھا' اسے اس کا اردو دان دوست ابراہیم آفندی وہ شعر سنا کر عصمت کی طرف سے رضا مندی کا اشارہ دے چکا تھا۔

ٹام کے اسلام قبول کرنے کی خبر شہر بھر میں پھیل چکی تھی۔ وہ اپنے ہر بیان میں عصمت سے محبت کا اقرار کر رہا تھا۔ اس کی عصمت کے ساتھ شادی اب ہاٹ کیک بنی ہوئی تھی۔ آخر کار ایک مبارک جمعے کو ٹام نے اسلام قبول کر لیا اور ٹام سے احمد رضا بن گیا۔ اس سے اگلے ہی جمعے عصمت' احمد رضا کی دلہن بن کر اس کے آراستہ فلیٹ میں آ گئی۔

دونوں کی رخصتی کے وقت عصمت کے ماموں نے احمد رضا کو الگ بلا کر ہمیشہ کے لیے اپنی بے زبان بھانجی کی خوشیوں کے لیے جھولی پھیلا کر بھیک مانگی تھی۔ احمد رضا نے ان سے عہد کیا کہ وہ کبھی اس کی کم مائیگی کا احساس دلا کر اسے پریشان نہیں کرے گا بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ تا عمر ایک نایاب ہیرے کی طرح رکھے گا' ایک پھول کی طرح اسے تازہ دم رکھ کر اس کی حفاظت کرے گا۔

ماموں نے زبردستی پچاس ہزار پونڈز کا چیک اس کی جیب میں ڈال دیا تھا۔

عصمت کے تمام گونگے جذبات کو احمد رضا کے ساتھ نے زبان دے دی تھی۔ سگھڑ اور سلیقہ شعار تو وہ تھی ہی لیکن احمد رضا کی محبت نے اسے ایک بہترین ایڈمنسٹریٹر اور ڈیکوریٹر بھی بنا دیا تھا۔

شادی کے بعد اس نے آراستہ فلیٹ کو اپنے ذہن سے اس قدر خوبصورت ڈیکوریٹ کیا کہ احمد رضا بھی اس کی داد دیے بنا نہ رہ سکا۔ اسی طرح زندگی رواں دواں ہو گئی۔ شام میں اکثر وہ لوگ آؤٹنگ پر نکل جاتے تھے۔ عصمت زندگی کے اس حسین موڑ پر اپنے رب کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ دنوں سے احمد رضا پریشان پریشان سا رہنے لگا تھا۔ اسی دوران عصمت نے اسے نئے مہمان کی آمد کی خوشخبری سنائی۔ احمد رضا یہ خبر سن کر خوشی سے پاگل ہو گیا۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر باہر لے آیا اور کار میں آرام سے بٹھا دیا۔

''عصمت......! آئی لو یو' آئی ریئلی لو یو۔ یو آر سو لکی فار می' بٹ مائی ڈیئر' آئی وانٹ ٹو سیٹل ان پاکستان ناؤ بی کاز مسز پریزیڈینٹ می ہیئر' ہم جلد پاکستان چلے جائیں گے' تم اپنا خیال رکھو۔ خدا ہمارے نیک ارادے سے واقف ہے۔ ضرور بہتری ہو گی۔ باقی جو GOD کا مرضی۔''

کار خوبصورت سی بل کھاتی سڑک پر رینگ رہی تھی۔ عصمت' احمد رضا کے کاندھے پر سر رکھے مستقبل کا کوئی سپنا دیکھ رہی تھی۔ اچانک کار ایک زبردست دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

سامنے ہی ایک کار رکی تھی اور ساتھ ہی چار لمبے تڑنگے قوی ہیکل آدمی پورے چہرے پر ربڑ کا ماسک لگائے کھڑے تھے۔

ہاتھوں میں اسلحہ لیے ان کی پوزیشن اس طرح تھی کہ اگر ان میں سے کوئی کار سے باہر نکلتا تو پیر سے دروازے پر ضرب لگا کر دروازہ بند کیا جا سکتا تھا۔

''کم آن...... بلڈی باسٹرڈ...... کم آن...... یو ایکسپینڈ اسلام...... کم آن...... وی وانٹ یور مسلم بلڈ......'' ایک نے احمد رضا کو للکارتے ہوئے گریبان سے پکڑ کر کار سے باہر کھینچا۔

"shoot him....." عصمت کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سیکنڈوں میں خون کی ہولی کھیل لی۔ وہ گم صم کومے کی حالت میں بیٹھی رہی۔

وہ سہاگ کے لٹ جانے پر احتجاج بھی نہ کر سکی۔ آج اسے اپنے بے زبان ہونے کا بری طرح احساس ہوا تھا۔

وہ ڈمی بن کر بیٹھی تھی کہ ایک نقاب پوش نے اسے بھی بالوں سے پکڑ کر باہر کھینچا اور پھر اس کے پیٹ پر لاتعداد پڑنے والی ضربوں نے اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔

☆......☆......☆

سب سے بڑی جمہوریت میں ہونے والا یہ واقعہ بغیر کسی صدا کے ایوانوں میں دب کر رہ گیا تھا۔

☆☆......☆☆

قصہ اُس زلف کا

اچھا چلو جلدی کرو۔ وہ لوگ آنے والے ہوں گے تم ان بے تکے کپڑوں کی جگہ کوئی اچھا سا شلوار سوٹ پہن لو میچنگ جیولری بھی پہن لینا اور یہ بال سلیقے سے بنا لینا یوں نہ لگے کہ کسی سے لڑ کر آ رہی ہو اور وہ بھی باقاعدہ مار پیٹ کے ساتھ میری خواہش ہے کہ اس مرتبہ......

یہ بارش بھی آج ہی برس کر دم لے گی اتنے دنوں سے روز بادل آتے جاتے رہے اور مہمانوں کو آنا ہے تو برسات نے جل تھل مچا دی۔'' زرتاج بانو نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے خود کلامی کی۔

''اماں!'' آپ تو موسم پر بھی اپنی مرضی چلانے کی خواہش مند ہیں۔ دیکھیے موسم کتنا خوشگوار ہو گیا ہے گرمی کی شدت بھی کم ہو گئی ہے میں تو ابھی بارش کے پکوان بناؤں گی اور بارش کو انجوائے کروں گی۔''سندس نے آنگن میں کھڑے ہو کر بارش میں بھیگتے ہوئے اپنے پروگرام کا اعلان کیا۔

ہماری صاحبزادی بھی خوب ہیں، تیس برس سے اوپر کی عمر ہو گئی ہے لیکن بارش کی بوندوں کے برستے ہی نوعمر نوخیز لڑکیوں کی طرح دیوانی ہو جاتی ہیں۔ ہم مہمانوں کی فکر میں پریشان ہیں اور یہ موسم کو انجوائے کر رہی ہیں، ارے بانو مہمان خانے کی صفائی مکمل ہو گئی۔

''جی بیگم صاحبہ گیسٹ روم صاف کر دیا ہے۔'' زرتاج بیگم کو بانو نے اپنی انگریزی کی واقفیت سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔

اب ایسا کرو، نئے کشن اور پلنگ پوش وغیرہ اسٹور سے لے آؤ اور مرزا صاحب مرحوم جو خوبصورت رنگوں اور نقش و نگار والا غالیچہ لائے تھے۔ اسے اس کے کمرے کے درمیان میں بچھا دینا۔ انہوں نے بانو کو مزید ہدایت دیں۔

اس آثار قدیمہ کو جتنا بھی ڈیکوریٹ کر لو یہ مغل طرز تعمیر کا شاہکار تو بن نہیں سکتا، جدید تعمیر ہونے والی عمارتوں کا مقابلہ کر سکے گا میرا تو مشورہ ہے اسے بیچ کر کوئی فلیٹ خرید لیں۔ سندس نے پکوڑوں کے لیے بیسن پھینٹتے ہوئے خیال آفرینی کی...... سندس تم تو اپنے مشورے رہنے دو ہر نئی شے اور نئے فیشن کو اپنانے کے لیے بے قرار رہتی ہو کچھ عرصہ پہلے جو نئے فیشن کی انتہا سے زیادہ طویل قمیصیں جن کے دامن چمگادڑوں کے پروں کی طرح ہوتے تھے برائے نام آستین اور اس پر

آدھی کھلی ٹانگوں والے ٹراوزر یہ واہیات فیشن کتنی جلدی اپنایا تھا۔ انہوں نے سندس کو یاد دلایا۔

او ہو اماں! زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جو زمانے کا ساتھ نہیں دیتا اسے زمانہ بے کار سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔ آپ جانتی ہیں آپ کی عمر کی خواتین یہی جدید فیشن اپناتی ہیں اور لوگ انہیں میڈم اور چارمنگ لیڈی کہتے ہیں۔

''تم اپنی یہ فضول بک بک بند کرتی ہو یا اتاروں پیر سے جوتی اور کروں تمہارا مزاج درست۔''

''ایک تو اماں! آپ فوراً تشدد پر اتر آتی ہیں ایسا نہیں کرتے ہم امن پسند شہری ہیں یہ جوتی وغیرہ کی دھمکی دینا ٹھیک بات نہیں ہے۔'' اس نے اماں کے گلے میں اپنے بازو ڈالتے ہوئے اس پیار سے کہا کہ وہ مسکرانے لگیں۔

اچھا چلو جلدی کرو۔ وہ لوگ آنے والے ہوں گے تم ان بے تکے کپڑوں کی جگہ کوئی اچھا سا شلوار سوٹ پہن لو میچنگ جیولری بھی پہن لینا اور یہ بال سلیقے سے بنا لینا یوں نہ لگے کہ کسی سے لڑ کر آ رہی ہو اور وہ بھی باقاعدہ مار پیٹ کے ساتھ میری خواہش ہے کہ اس مرتبہ یہ بات بن جائے۔'' زرتاج بیگم نے گھر کی تزئین و آرائش کو مکمل کراتے ہوئے اپنی بیٹی کو سمجھایا۔

گلابی موسم کی طرح خوشبو سے لبریز ایک سندیسہ تھا۔ جو اسفند بیگ کے رشتے کی شکل میں

سندس کی زندگی میں آیا تھا۔ زرتاج بیگم کی بھی ہر ماں کی طرح یہ کوشش تھی کہ سندس کی اب شادی ہو جائے کیونکہ اس کی عمر کی لڑکیاں مائیں بن گئی تھیں لیکن سندس کو تو سنہری سلکی بالوں والا دولہا چاہیے اسی آئیڈیل نے مصیبت ڈال رکھی تھی اور سندس کی ماں سمجھتی تھیں کہ اگر اب اس کی بیٹی کی شادی نہ ہوئی تو عمر بھر اسی گھر میں بدروح کی طرح بھٹکتی پھرے گی۔ زرتاج بیگم کی بہن افروز جہاں نے اپنے سسرال کے عزیزوں میں سے اسفند بیگ کا رشتہ بھیجا تھا جو کہ حال ہی میں اپنی بیوی کی موت کے بعد نئے شریک سفر کی تلاش میں تھے افروز جہاں نے خاص تاکید کی تھی کہ اس رشتے کو اللہ کی نعمت سمجھیں پہلی بیوی سے کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ اپنا جنرل اسٹور ہے گھر ہے اب ایسا معقول رشتہ سندس کے لیے کہاں ملے گا۔

اسی لیے زرتاج بیگم اسفند بیگ کے استقبال کی تیاریوں میں بہت زیادہ مصروف تھیں لیکن سندس کے دماغ میں تو سنہرے ریشمی بالوں والا آئیڈیل سما گیا تھا اور ہر آنے والے رشتے کے بارے میں اس کی دلچسپی لڑکے بالوں میں ہی ہوتی اکثر رشتے کرانے والیاں اس کی اس عادت پر جلی کٹی باتیں سنا کر چلی جاتیں زرتاج بیگم بھی اس کی اس عادت سے بیزار تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ آج کل کم عمر خوبصورت ہونے کے باوجود بھی لڑکیوں کو ڈھیر سارے جہیز کے ساتھ ہی لڑکے والے قبول کرتے ہیں یہاں تو شکل و صورت بھی معمولی ہے اور عمر بھی زیادہ ہے اور عالیشان جہیز دینے کی حیثیت بھی نہیں ہے، لیکن سندس ان مشکلات کو سمجھتی نہیں۔

گھر کی صفائی اور آرائش مکمل ہوتے ہی زرتاج بیگم نے بانو کی مدد سے مہمانوں کے پُرتکلف کھانوں کی تیاری شروع کردی، مہمان بھی بہن کی سسرال کی طرف سے رشتے دار تھے۔ اور دوسرے شہر سے آرہے تھے۔ اس لیے تو خاطر داری تو لازمی تھی۔

''بی بی بیگم! مہمان آگئے ہیں جیسے ہی بانو نے اطلاع دی زرتاج بیگم اپنا بڑا سا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اور سلیقے سے سر پر جماتے ہوئے بیرونی دروازے کی جانب چل پڑیں بڑی گرمجوشی اور تپاک سے استقبال ہوا۔

اسفند میاں آپ طویل سفر سے تھک گئے ہوں گے آپ نہا لیجیے میں چائے لگواتی ہوں۔ زرتاج بیگم اسفند کو وی آئی پی پروٹوکول دینے میں مصروف تھیں اور اسفند کے سنہرے سلکی بالوں پر ''بوکاٹا ہوگیا۔''

دونوں جانب شادی کی گہما گہمی شروع ہوگئی خریداری بازار اور درزیوں کے چکر لگنے لگے۔

''سندس اپنا خیال رکھنا یہ جو تمہارے بالوں میں سفید بال سر اٹھا اٹھا کر تمہاری عمر کی چغلی کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

ان کو رنگ لیا کرنا۔ مرد عورت کی کسی بھی کمی کو درگزر نہیں کرتا بلا سے اس کے اپنے اندر بے شمار خامیاں ہوں۔'' سندس ماں کی باتیں سن کر مسکرا دی۔

سارے گھر میں گہما گہمی تھی زرتاج بیگم کے پیروں میں پہیہ آ گیا تھا وہ سارے گھر میں گھومتی رہتیں بانو کو کاموں کی ہدایتیں دیتیں اور تمام کاموں کا جائزہ لیتی رہتیں۔

ارے لڑکیو! جلدی کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں اور وہاں شادی ہال میں بارات پہنچ گئی تو ان کا استقبال کون کرے گا اور پھر نئی نئی رشتے داری میں اس طرح بدگمانیاں اور شکایتیں جنم لیتی

ہیں۔'' زرتاج بیگم نے دوراندیشی سے صلاح دی۔

ہنسی خوشی استقبال اور نکاح کے مراحل طے ہوئے اور پھر مہمانوں کی عمدہ لذیذ کھانوں سے خاطر کی گئی اور یوں مبارک سلامت اور دعاؤں کی گونج میں سندس اسفند کے ساتھ رخصت ہوگئی۔ سندس بھی سنہری بالوں والے اسفند کو پا کر بہت خوشی تھی لیکن چند دن بعد ہی سندس کے چہرے پر خوشی کی کھلنے والی کلیاں مرجھا گئیں۔ اس کی دمکتی آنکھوں کا کندن ماند پڑ گیا ماں نے سندس کی اس تبدیلی کو یہی سمجھا کہ ماں اور گھر سے جدا ہونے کا سبب ہے۔ جو کچھ عرصے میں ختم ہو جائے گا اور پھر شوہر کی محبت اس کے چہرے کی رونق بڑھا دے گی۔ رسموں اور دعوتوں میں شادی کے ابتدائی دن گزر گئے لیکن سندس کے چہرے پر رونق کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ زرتاج بیگم نے سندس سے پوچھ لیا سچ بتاؤ کیا بات ہے تم خوش تو ہو؟''

جی اماں سب ٹھیک ہے میں بہت بہت زیادہ خوش ہوں۔'' سندس نے ماں کو اطمینان دلایا۔

''لیکن تمہارے چہرے پر تو وہ خوشی دکھائی نہیں دیتی کہیں تمہارے سیاہ بالوں میں چھپے سفید بالوں کا راز تو اسفند کو معلوم نہیں ہوگیا۔'' زرتاج بیگم نے تجسس بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اچھا ہوتا اگر انہیں میرے سفید بالوں کو رنگنے کا راز معلوم ہو جاتا اور اسی بالوں کی سفیدی کو بہانا بنا بنا کر مجھے خود سے علیحدہ کر دیتے لیکن کاش وہ نا ہوتا جو میرے ساتھ ہوگیا میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں خود اپنے ان ہیئر کلر سے رنگے بالوں کا سیاہ رنگ اتار دوں، زیادہ سے زیادہ عمر کی زیادتی

ورزش

دفتر کے جنرل منیجر کی کاہلی مثالی تھی۔ ایک روز اچانک انہوں نے یہ اعلان کر کے سب کو حیران کر دیا۔ ''بھئی آج میں جمنازیم ضرور جاؤں گا۔''

''بہت خوب......!'' ایک صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''آخر آپ کو ورزش کا خیال آ ہی گیا۔''

''ورزش کرنے کو کون کمبخت جا رہا ہے......''

جی ایم منہ بنا کر بولا۔ ''مجھے تو اپنی ممبر شپ کینسل کروانے کے لیے جانا ہے۔''

(مرسلہ: سامعہ رزمان۔ کوئٹہ)

کا ہی ایک لیبل لگ جائے گا لیکن مجھے میرے خوابوں کے ٹوٹنے کی اذیت سے تو نجات ملے گی۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ شادی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہوا ہے اور تم اس قدر بیزار ہو اپنی ازدواجی زندگی سے آخر کیوں سندس تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟

بی بی ماں! میرے سب خواب ٹوٹ گئے میرا سنہرے بالوں والا آئیڈیل کرچی کرچی ہوگیا دراصل اسفند کے جن سنہری بالوں کو دیکھ کر میں نے انہیں پسند کیا تھا وہ بال تو ان کے ہے ہی نہیں ان کے سر پر تو نقلی بال ہیں۔

اور پھر دیر تک سندس کی سسکیوں اور آہوں کا سلسلہ چلتا رہا اور ان سسکیوں میں زرتاج بیگم کے مدھم ہنسی گھلی ہوئی تھی اور وہ کیوں نہ ہنستی اسفند بیگ کے سر پر لگے نقلی بالوں کا آئیڈیا بھی تو زرتاج بیگم کا ہی تھا۔

☆☆......☆☆

اسماء اعوان

حمد باری تعالیٰ

تو ہی آقا ہمارا رب پیارا
تو ہی مالک ہمارا اور مولا
صرف تو ہی بے مثال ہے یارب
بڑا صاحب کمال ہے یارب
رحمٰن و رحیم تو ہے بڑا
رحمتوں کا نزول تجھ سے جڑا
تیری ہی سب پر حکمرانی ہے
بس تیری سلطنت لا فانی ہے
عشق تجھ سے ہی تو ہم کرتے ہیں
اور تجھ ہی سے بے حد ڈرتے ہیں

شاعرہ: شگفتہ شفیق۔ کراچی

اقوال حضرت علی

☆) اے اللہ! جس نعمت کو تو روک دے۔ اسے دینے والا کوئی نہیں او جو نعمت تو دینا چاہے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔

☆) اگر کوئی شخص اپنی بھوک مٹانے کے لیے روٹی چوری کرتے تو چور کے ہاتھ کاٹنے کے بجائے بادشاہ کے ہاتھ کاٹے جائیں۔

☆) کبھی کسی کے سامنے اپنی صفائی پیش نہ کرو کیونکہ جسے تم تم پر یقین ہے اسے ضرورت نہیں اور جسے تم پر یقین نہیں وہ مانے گا نہیں۔

☆) جھگڑے میں کودنا آسان ہے نکلنا مشکل ہے۔

مرسلہ: معصومہ رضا۔ گلستان جوہر۔ کراچی

کینسر کا علاج

کینسر خواہ کسی بھی قسم کا ہو۔ ایک کلو زیتون کے تیل میں 100 گرام ہلدی پکا کر جلا کر چھان کر رکھیں ہر غذا کے بعد بیس قطرے پی کر نیم گرم پانی پیا کریں۔ انشاء اللہ مرض ختم ہو جائے گا اگر شفا ہو تو مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

مرسلہ: فہمیدہ نسرین۔ کراچی

وجہ

دوست: تم نے گانے کی مشق کیوں چھوڑ دی؟
دوسرا دوست: اپنے گلے کی وجہ سے۔
پہلا دوست: کیوں کیا ہوا تمہارے گلے کو۔
دوست: پڑوسی نے اسے دبانے کی دھمکی دی تھی۔

مرسلہ: راز عدنان۔ بحرین

مثال

سب نے پوچھا خزاں کیا ہوتی ہے
تم نے میری مثال دی ہوتی
پوچھا موسم بدلتے ہیں کیسے
تم نے اپنی مثال دی ہوتی
پوچھا کیسے گھٹا برستی ہے
میری آنکھوں کی بات کی ہوتی
پوچھا رک رک کے کون چلتا ہے

میرے دل کی مثال دی ہوتی
کاش سب کچھ یوں نہ ہوا ہوتا
بات تم نے سنبھال لی ہوتی

شاعرہ: پروین شاکر۔
پسند انعم زہرہ۔ حیدر آباد

سنہری باتیں

☆) اللہ کی قربت کا بہترین راستہ عاجزی ہے۔
☆) ایک میٹھا بول خیرات سے بہتر ہے۔
☆) درخت اپنے پھل سے اور انسان اپنے قول وفعل سے پہچانا جاتا ہے۔
☆) جسے ہار جانے کا خوف ہو وہ ضرور ہارے گا۔
☆) ایک لمحے کی نفرت سال ہا سال کی محبت بھلا دیتی ہے۔
☆) انسان کی اصلیت غصے میں ظاہر ہوتی ہے۔
☆) کامیابی کا سب سے بڑا راز خود اعتمادی میں ہے۔

مرسلہ: ریحانہ مجاہد۔ کراچی

بچے اس دور کے

امریکہ میں ایک بوڑھی ٹیچر بچوں کو چڑیا گھر کی سیر کرا رہی تھی۔ جب وہ لوگ بگلے کے پنجرے کے پاس پہنچے تو ٹیچر بولی۔ ''اور یہ ہے وہ پرندہ جو اپنی چونچ میں ایک جھولا اٹھائے آتا ہے اور ننھے بچوں کو ماں باپ کے پاس چھوڑ جاتا ہے۔ تم سب کو بھی یہ ہی لے کر آیا تھا۔ تب ایک بچے نے سرگوشی میں دوسرے بچے سے کہا۔'' کیا خیال ہے بے چاری ان بے وقوف ٹیچر کو اصل بات نہ بتا دیں......؟

مرسلہ: فرید ارسلان۔ ایبٹ آباد

ہونٹوں کو گلابی بنائیں

☆ روغن بادام اور شہد ملا کر روزانہ ہونٹوں پر لگائیں۔
☆ دودھ کی بالائی میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر لگائیں۔
☆ شہد اور زیتون کا تیل مکس کر کے لگائیں۔
☆ تازہ دودھ کی جھاگ کو ہونٹوں پر ملنے سے ہونٹ گلاب کی طرح سرخ ہو جائیں گے۔
☆ گلاب کے عرق میں گلیسرین ملا کر دن میں دو مرتبہ لگائیں۔

مرسلہ: شہناز ہاشمی۔ سیالکوٹ

میرا کیا قصور

''امی! گڈو نے آپ کی کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا۔''
''وہ کیسے۔''
''میں نے اسے پتھر کھینچ کر مارا تھا وہ سامنے سے ہٹ گیا۔

مرسلہ: درخشاں یاسمین جعفری۔ سرگودھا

تمہارا اور میرا رشتہ

میں کیا لکھوں کے جو میرا رشتہ ہے
وہ عاشقی کی زباں میں کہیں درج نہیں
لکھا گیا ہے بہت لطف وصل و درد فراق
مگر یہ کیفیت اپنی رقم نہیں ہے کہیں
اس عشق خاص کو ہر ایک سے چھپائے ہوئے
گزر گیا ہے زمانہ گلے لگائے ہوئے

شاعر: فیض احمد فیض
پسند: ماہین خاور۔ سیالکوٹ

بیڑہ غرق

سردار جی: ہیلو سویٹ ہارٹ آئی مس یو یار۔ ابھی پندرہ منٹ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں بتاؤ پکوڑے لاؤں یا جلیبی۔
سردارنی: کمینے ابھی آدھا گھنٹا پہلے تو مجھ سے لڑ کر گالیاں دیتے ہوئے گھر سے گئے اب اتنا پیار آ رہا ہے۔
سردار جی: اوئے تیرا بیڑہ غرق ہر نمبر تے توں ہی

بیٹھی ہے۔

مرسلہ: شاہ زیب انصاری۔ جہلم

فرقے کیوں؟؟

میں علی کا ذکر کروں تو لوگ مجھے شیعہ سمجھتے ہیں
میں عمر کی تعریف کروں تو لوگ مجھے سنی سمجھتے ہیں
دونوں اسلام کے محسن اور دونوں سے تھا نبی ﷺ کو پیار
اور میں نبی ﷺ کو مانتا ہوں تمہارے فرقے کو نہیں یار

پسند: اسلم شہزاد رحمانی۔ سیالکوٹ

گھریلو آزمودہ ٹوٹکے

☆ جسم پر مچھر کے کاٹنے سے کھجلی ہو تو لیموں کا عرق لگا ئیں۔
کچی پیاز کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ بہ شرطیکہ چار پانچ روز متواتر استعمال کی جائے۔
☆ ہرا دھنیا سونگھنے سے چھینکیں آنا بند ہو جاتی ہیں۔
☆ پھول جس گل دان میں لگے ہوں اس کے پانی میں صابن کے ٹکڑے ڈال دیں پھول زیادہ دیر تک تر و تازہ رہیں گے۔
☆ اگر آپ کے لباس پر لپ اسٹک کا داغ لگ گیا ہے تو فکر نہ کریں جہاں یہ داغ لگا ہے اس نشان کو پانی سے گیلا کر کے ٹوتھ پیسٹ ملیے۔ داغ صاف ہو جائے گا۔
☆ نیم کے سبز پتے پانی میں پکا کر اس میں ذرا سی پھٹکری ملالیں اس سے رات کو سوتے وقت کلیاں کر لیجیے۔ دانت کا درد ختم ہو جائے گا۔
☆ جلی ہوئی جگہ پر شہد لگانے سے زخم جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: نگہت غفار۔ کراچی

شکایت

امی امی اگر کوئی شخص دیوار کے ساتھ سیڑھی لگا کر چپکے چپکے ساتھ والوں کے صحن میں جھانکے تو کیا کرنا چاہیے۔
ماں غصے سے: ارے ایسا کرنے والے شخص کے نیچے سے سیڑھی کھینچ لینی چاہیے۔
بچہ: روہانسی آواز میں۔ میں نے ایسا ہی کیا تھا ابو نے بہت مارا۔

مرسلہ: احسن رضا۔ اسلام آباد

کہو!

تمہیں کوئی فرق پڑتا ہے
میرے ہونے نہ ہونے سے؟
میرے ہنسنے سے، رونے سے؟
یا پھر
میرے بہت...... خاموش ہونے سے
کہو تمہارے دل پر
کیا میرا کوئی اشک گرتا ہے
تصور کے پردوں میں
میرا کوئی عکس ابھرتا ہے
کہو......
تمہیں کوئی فرق پڑتا ہے

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: راحت وفا راجپوت۔ لاہور

سوال؟؟

نفرتوں کا اثر دیکھو جانوروں کا بٹوارہ ہو گیا۔
گائے ہندو ہو گئی اور بکرا مسلمان ہو گیا۔
سوکھے میوے بھی یہ دیکھ کر حیران ہو گئے
نہ جانے کب ناریل ہندو اور کھجور مسلمان ہو گیا
جس طرح سے دھرم مذہب کے نام پہ ہم رنگوں کو بانٹتے جا رہے ہیں۔
کہ ہرا مسلم کا رنگ ہے اور لال ہندو کا رنگ ہے۔

تو وہ دن دور نہیں جب ساری کی ساری ہری سبزیاں مسلمانوں کی ہو جائیں گی اور ہندوؤں کے حصے میں بس ٹماٹر گاجر آئیں گے اب یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ تربوز کس کے حصے میں آئے گا یہ بے چارہ تو اوپر سے مسلمان اور اندر سے ہندو رہ جائے گا۔

مرسلہ: سلیم رضوی۔لندن

مثال

ایک بس حادثے کا شکار ہوگئی۔لڑکی رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ ہائے ''میرا بازو ٹوٹ گیا۔''
پٹھان نے لڑکی سے کہا۔کنٹرول یور سیلف پلیز۔اس بندے کو دیکھو وہ مرگیا ہے۔لیکن پھر بھی چپ چاپ لیٹا ہوا ہے اور تم ایک بازو کے ٹوٹنے پر اتنا واویلا مچا رہی ہو۔صبر نام کی چیز نہیں ہوتی تم لڑکیوں کے پاس۔

مرسلہ: عمران سومرو۔گلستان جوہر، کراچی

حُسن

حسن کی بھی ایک اپنی زبان ہوتی ہے۔یہ لفظوں اور ہونٹوں کی محتاج نہیں ہوتی۔یہ ایک غیر فانی زبان ہے اور کائنات کا ہر انسان اسے سمجھتا ہے۔یہ آفاقی زبان جھیل کی مانند ہے جو ہمیشہ خاموش رہتی ہے لیکن گنگناتی اور شور مچاتی ندیوں کو اپنی گہرائی میں اتار لیتی ہے اور پھر وہی ازلی اور ابدی سکون چھا جاتا ہے۔
(خلیل جبران) مرسلہ: نیلم اسلم۔کراچی

بے وفا

ان ہی خوش گمانیوں میں کہیں جاں سے بھی نہ جاؤ
وہ جو چارہ گر نہیں ہے اسے زخم کیوں دکھاؤ
یہ اداسیوں کے موسم یونہی رائیگاں نہ جائیں
کسی یاد کو پکارو کسی درد کو جگاؤ
وہ کہانیاں ادھوری جو نہ ہو سکیں گی پوری
انہیں میں بھی کیوں سناؤں انہیں تم بھی کیوں سناؤ
کسی بے وفا کی خاطر یہ جنوں فراز کب تک
جو تمہیں بھلا چکا ہے اُسے تم بھی بھول جاؤ
شاعر: احمد فراز
پسند: سعدیہ سیٹھی

بریک

ایک بار ایک مولوی کسی عورت سے ٹکرا گیا
عورت (بہت غصے سے) شرم نہیں آتی داڑھی رکھ کر عورتوں کو ٹکر مارتے ہو۔
مولوی: محترمہ یہ داڑھی ہے کوئی بریک نہیں۔
مرسلہ: منصور خان جمالی۔کراچی

اعتراف

شادی کی رات دولہا نے اپنی دلہن سے کہا۔
''آج سے تم ہی میری زینت ہو۔عزت ہو اور تمنا ہو۔
نئی دلہن نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔
''میرے لیے بھی آج سے آپ شاہد عابد اور شفیق ہوگے۔

مرسلہ: افشاں U.K

یہ حقیقت ہے کہ......

☆ صبر کا گھونٹ دوسروں کو پلانا آسان ہے خود پیتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ ایک ایک قطرہ پینا کتنا بھاری پڑتا ہے۔
☆ رزق ہی نہیں کچھ کتابیں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے پڑھنے سے پرواز میں کوتاہی آ جاتی ہے۔
☆ دھمکیوں سے لوگ کبھی اچھے نہیں بنتے۔تبدیلی محبت کی زمین میں اگتی ہے۔دل کی آمادگی کے ساتھ پھل پھول دیتی ہے۔انسان کمپیوٹر کے 'کی بورڈ' نہیں ہوتے کہ جب جو جی چاہا ٹائپ کرلیا۔
(اختر عباس کی باتوں سے اقتباس)
افشاں رضا۔اسلام آباد

غزل

جینے کے میسر مجھے سامان بہت ہیں
مجھ پہ میرے محبوب کے احسان بہت ہیں
غارت ہوا جاتا ہے سکون، چین، سبھی کچھ
دل کو بھی لگانے میں تو نقصان بہت ہیں
یادوں تری باتوں کا زمانہ چلا آیا
لگتا ہے کہ بارش کے بھی امکان بہت ہیں
خاموش میں بیٹھی ہوں نہ چھیڑے مجھے کوئی
دل میں میرے اُٹھے ہوئے طوفان بہت ہیں
باندھے رہے ہاتھ تو کچھ بھی نہ ملے گا
ہر سمت ترقی کے تو میدان بہت ہیں
بہبودی کے کچھ کام بھی تو کر کے دکھائیں
اونچے تو میرے ملک کے ایوان بہت ہیں
انعام یہ اُلفت کا شگفتہ کو ملا ہے
دل خالی ہے آنکھیں میری ویران بہت ہیں

شاعرہ: شگفتہ شفیق۔ کراچی

کیا ہے زندگی

کہیں سسکتی بلکتی ہے زندگی
تو...... کہیں......
تر بیہ نغمات گنگناتی ہے زندگی
اور...... کہیں
آدفعاں مچاتی ہے زندگی
کہیں......
مستی میں جھومتی اٹھلاتی ہے زندگی
کہیں......
تمام تر ضرورتوں سے محروم ہے زندگی
کہیں......
عالیشان محلوں میں مسرور ہے زندگی
کہیں......
مذہب سے بے خبر بے لگام ہے زندگی
کہیں......
اللہ کے حضور ندامت سے شرمسار ہے زندگی
تارِ عنکبوت ہے یا کیا ہے زندگی ؟؟

شاعرہ: مسز نگہت غفار۔ کراچی

غزل

لوحِ تقدیر پہ لکھوالیا عنوان اپنا
زیر ہو جائے گا ہر دشمنِ جان اپنا
موجِ دریا کی بہالے گی سب کچھ میرا
میں کھڑی دیکھتی ہی رہ گئی ساماں اپنا
دیکھ لو ہم کو بھی جی بھر کے بوقتِ رخصت
لوٹ کر اب نہیں آنے کا ہے امکان اپنا
خشک آنکھیں ہیں کوئی آنکھ میں آنسو بھی نہیں
ہو گیا ہے کیسا عیاں غم جو تھا پنہاں اپنا
کیوں ہمیں دیکھتے ہی موڑ لیا رُخ تم نے
اتنی ہی جلدی بھلا بیٹھے مہربان اپنا
روح شفاف ہو اِنزاء تو یہ کیسی ظلمت
روشنی کا یہ سفر ہو گیا آساں اپنا

شاعرہ: انزاء نقوی۔ کراچی

غزل

مجھے تم نے بھلایا ہے
تمہیں میں بھی بھلادوں تو
شبِ فرصت کا وہ قصہ

تمہیں میں سناؤں تو
تھا وعدہ ساتھ رہنے کا
اگر وہ نہ نبھاؤں تو
تمہارا اصرار آنکھوں پر
اکیلے آنہ پاؤں تو
ہے گھر میں تیرگی بے حد
تمہارے خط جلاؤں تو
وہ لڑکی جس پہ مرتے ہو
تمہاری دلہن بناؤں تو

شاعرہ: صفیہ سلطانہ مغل۔

غزل

جب سے یہ زندگی تیرے حوالے کردی
ہر غم اپنا رکھا ہر خوشی تیرے نام کردی
ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا ہے تم نے
میں نے بھی اپنی وفا میں تیرے نام کردی
چھوڑ دے اس دنیا کے پیچھے مت بھاگ
مین نے اپنے دل کی دنیا تیرے نام کردی
حیات میں نفرت کا ہر لمحہ اپنے پاس رکھا
محبت کی ہر گھڑی تیرے نام کردی
زندگی نے مجھ سے کی دفا تو جان نسیم
تاج محل تو نہیں یہ جان تیرے نام کردی
جب سے یہ زندگی تیرے حوالے کردی
ہر غم اپنا رکھا ہر خوشی تیرے نام کردی

شاعرہ: شبانہ نسیم۔ جہانگیر آباد

دسمبر!

دسمبر مجھ! کو بتلاؤ
کیا بس تم ہی اکیلے ہو
مرے اطراف میں دیکھو
لگے ہیں چار سو ہر دم
مری تنہائی کے میلے
کیا بس تم ہی ہو افسردہ؟
ذرا میری طرف دیکھو
مرے جلتے ہوئے رخسار پہ
بہتے ہوئے آنسو!
مرا غم بس مرا غم ہے
مگر پھر کیوں نہیں دکھتا......؟
دسمبر تم مجھے دیکھو
اکیلے تم نہیں تنہا
دسمبر! میں بھی تنہا ہوں

شاعرہ: فرح علی۔ کراچی

انتظار

ہر لفظ اس کا مرے دل میں بسا ہے
یادمیں اس کی کئی بار یہ جلا ہے
اسے کہہ جا کر کوئی رانی کہ لوٹ آئے
انتظار میں اب بھی یہ دل سجا ہے

شاعرہ: رانی۔ کراچی

مرا ہمدم

دکھوں کے صحرا میں کبھی راحت نہیں ملتی
کبھی ساتھی نہیں ملتے کبھی چاہت نہیں ملتی
عجب عشق ہے تیرے ہمدم کا ثناء
تجھے یاد کرنے کی اُسے فرصت نہیں ملتی

شاعرہ: ثنا نہال۔ کراچی

قطعہ

میری پلکوں پہ جما دی گرم صحراؤں کی دھوپ
اپنی آنکھوں کے لیے اس نے سمندر رکھ لیا
دید کی جھولی کہیں خالی نہ رہ جائے عدیم
ہم نے آنکھوں پر تیرے جانے کا منظر رکھ لیا

حمیرا ظفر......کراچی

ڈی خان

وہ خبریں جو آپ کا موڈ بدل ڈالیں......

فلم اسٹار ریما خان کی ازدواجی زندگی

پاکستان کی سابقہ مشہور ہیروئن ریما جو شادی کے بعد مستقل امریکہ شفٹ ہوگئی ہیں۔ اب ایک

بیٹے کی ماں بننے کے بعد اپنی شادی شدہ زندگی میں مزید مگن ہوگئی ہیں اور کہتی ہیں کہ وہ اپنے چاہنے والے شوہر اور پیارے سے بیٹے کے ساتھ ایک مکمل لائف گزار رہی ہیں۔ اپنے شوہر کے تعاون سے امریکہ میں انہوں نے اپنی تعلیم بھی مکمل کر لی ہے اور ڈائریکشن کے شعبے میں وہ مزید سیکھنے کے مراحل بھی طے کر رہی ہیں۔ ریما جلدی ہی پاکستان آ کر اپنی ایک ذاتی فلم پروڈیوس اور ڈائریکٹ کریں گی۔

پاکستان کے دو مشہور خان انڈین فلم میں ساتھ ساتھ

لاکھوں دلوں کی دھڑکن فواد خان جو کرن جوہر کی فلم دل ہے مشکل میں بطور ہیرو کام کر رہے ہیں آج کل

اسی سلسلے میں پیرس گئے ہوئے ہیں جہاں رنبیر کپور اور انوشکا شرما کے ساتھ وہ شوٹنگ میں مصروف ہیں مزے کی بات یہ ہے کہ اسی فلم میں پاکستان کے مشہور ٹی وی آرٹسٹ احسن خان کو بھی کاسٹ کر لیا گیا ہے جبکہ ایشوریہ رائے بھی اس فلم کا ایک حصہ ہیں لیکن دیکھنا یہ

ہے کہ ان دونوں ہیروز کے حصے میں کون سی ہیروئن آتی ہیں ایشوریہ یا انوشکا......؟ ویسے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کرن جوہر ایش کا پیئر کپور کے ساتھ بنا دیں اور یہ دونوں......

کرینہ کپور کا شعیب منصور کی فلم سے انکار

بھارت کی مشہور اداکارہ کرینہ کپور نے شعیب منصور کی فلم میں کام کرنے سے انکار کر دیا ہے شعیب منصور کا کہنا ہے کہ کرینہ کپور میرے ساتھ

کام کرنے کی خواہش مند تھیں اور ان کے کردار کے حوالے سے انہیں تفصیلات بھی فراہم کر دی گئی تھیں۔لیکن پھر انتہاء پسندوں کے خوف سے انہوں نے فی الحال شعیب منصور کی فلم میں کام کرنے سے معذرت کر لی ہے لیکن شاید حالات بہتر ہونے پر وہ دوبارہ اس پاکستانی فلم میں کام کرنے کے لیے راضی ہوجائیں۔

بابرہ شریف دوبارہ فلم میں

ماضی کی حسین اور معروف اداکارہ بابرہ شریف کے مداحوں کے لیے یہ خبر خوشی کا باعث بنے گی کہ وہ دوبارہ فلموں میں "ٹو پلس ٹو" کے ذریعے لوٹ رہی ہیں ڈاکٹر شاہق شفاعت کی زیر ہدایت اس مزاحیہ فلم میں وہ بلال شریف کی ماں کا کردار نبھائیں گی۔اور یہ

کردار بہت دلچسپ اور پاورفل ہے اب دیکھنا یہ ہے

کہ اب بھی ان کے حسن کے آگے نئی لڑکیوں کا چراغ جلتا بھی ہے یا نہیں۔

کترینہ کیف نے بڑی بڑی فلمیں ٹھکرا دیں

ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کترینہ کیف کو کپور خاندان نے بہو بنانے کا گرین سگنل دے دیا ہے کیونکہ پچھلے کچھ عرصے سے وہ مسلسل بڑے بڑے بینرز کی فلمیں کرنے سے بھی انکار کر رہی ہیں۔شاید اپنے محبوب کی

مرضی کے سامنے ان کے لیے ان فلموں کی کوئی اہمیت نہیں۔ان کے ایک قریبی دوست کا کہنا ہے کہ ان فلموں کو چھوڑنے کی وجہ ذاتی ہے۔اس سے پہلے بھی رنبیر اور کترینہ کے بارے میں اس طرح کی خبریں

گردش کرتی رہتی ہیں دیکھتے ہیں کہ اس بار واقعی میں دونوں ایک ہو جانے والے ہیں یا پھر کوئی اور بات ہے۔

شاہ رخ خان کا نیا اسٹائل

آج کل کوئی فلم آنے سے پہلے اس کے پروموشن پر پروڈیوسر کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں لیکن شاہ رخ خان پر یوں اپنی آنے والی فلم ''دل والے'' سے

متعلق کوئی تصویر پوسٹ کردیتے ہیں تو کبھی شوٹنگ سے متعلق کوئی واقعہ۔ حال ہی میں جب انہوں نے ٹیوٹر پر کاجول کے ساتھ اپنی ایک تصویر لگائی تو پاکستانی اداکارہ ماہرہ خان نے بھی اس پر واؤ لکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جواباً شاہ رخ خان نے فوراً ٹوئٹ کیا کہ فلم ''رئیس'' ہماری جوڑی بہت اچھی لگے گی۔ شاہ رخ خان کا یہ نیا اسٹائل بہت مشہور ہونے والا ہے۔

سلمان خان کا بلقیس ایدھی کو خراج عقیدت

بالی ووڈ کے معروف اداکار سلمان خان نے پاکستان سے بھارت آنے والی لڑکی گیتا کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ گیتا بہت جلدی اپنے خاندان سے جا ملے اس کے ساتھ انہوں نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا کہ جس قدر محبت بلقیس ایدھی اور ان کے بیٹے نے گیتا کو دی ہے اتنی ہی محبت اسے اپنے اہل خانہ سے بھی ملے کہیں ایسا نہ
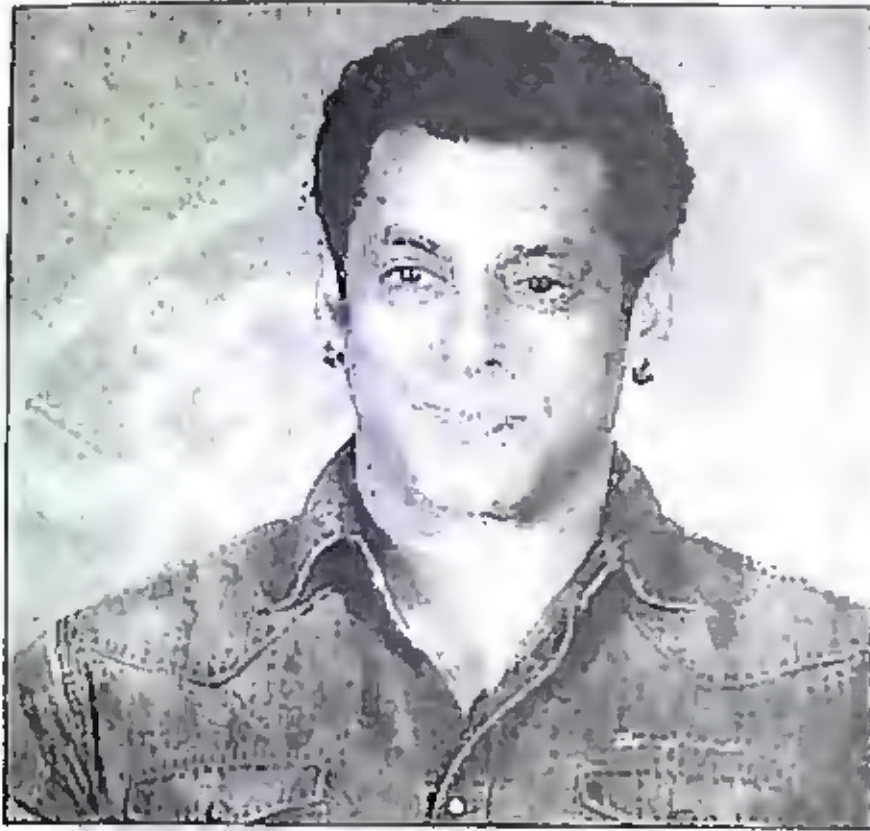
ہو کہ اسے اتنی محبت نہ ملے اور وہ یہاں سے واپس جانے کا مطالبہ شروع کردے۔

حمیما ملک

حمیما ملک نے شان شاہد کے ساتھ نئی فلم سائن کرلی ہے اس فلم کی ہدایات بھی شان کریں گے۔ خبر یہ ہے کہ حمیما آج کل بھارت میں اپنی دو فلموں میں مصروف ہیں، اس سے قبل حمیما کی پہلی فلم راجہ نٹور

لال بری طرح فلاپ ہوگئی تھی۔ تاہم خوبرو اداکارہ نے بھارتی فلم سازوں کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔

☆☆......☆☆

پڑوسی ملک کی شرارہ صفت

اداکارہ

عالیہ بھٹ

اداره

15 مارچ 1993ء، ممبئی فلمساز مہیش بھٹ کے گھر عالیہ پیدا ہوئی۔ عالیہ کی پہلی فلم اسٹوڈنٹ آف دا ایر تھی۔ اس کے علاوہ 'High Way' 2 States' ہمپٹی شرما کی دلہنیا شاندار ہیں۔

عالیہ بھٹ اداکاری کے علاوہ گانے بھی گاتی ہیں اور بہت اچھے گاتی ہیں۔ اداکارہ کے ساتھ

پسند ہے۔ جس ہیرو کے ساتھ کام کرتی ہے پھر مہینوں اسی کے ساتھ نظر بھی آتی ہے (فلم کے بعد)

ہائی اسکول کے بعد تعلیم کو خیر باد کہنے والی عالیہ اسٹیج شوز کی بھی جان ہے یہاں اس کی پرفارمنس بھی بڑی جان دار ہوتی ہے۔ عالیہ نے پچھلے دنوں اپنے لیے Audi (Black) خریدی ہے جس کا نمبر اُس کی سال گرہ کی تاریخ پر ہے یعنی MH02W1500 جس کو وہ ممبئی کی سڑکوں پر اڑاتی پھرتی ہے۔

عالیہ بھٹ کی آنے والی فلم کپور اینڈ سنز ہے۔ جس میں اُس کے مقابل سدھارتھ اور
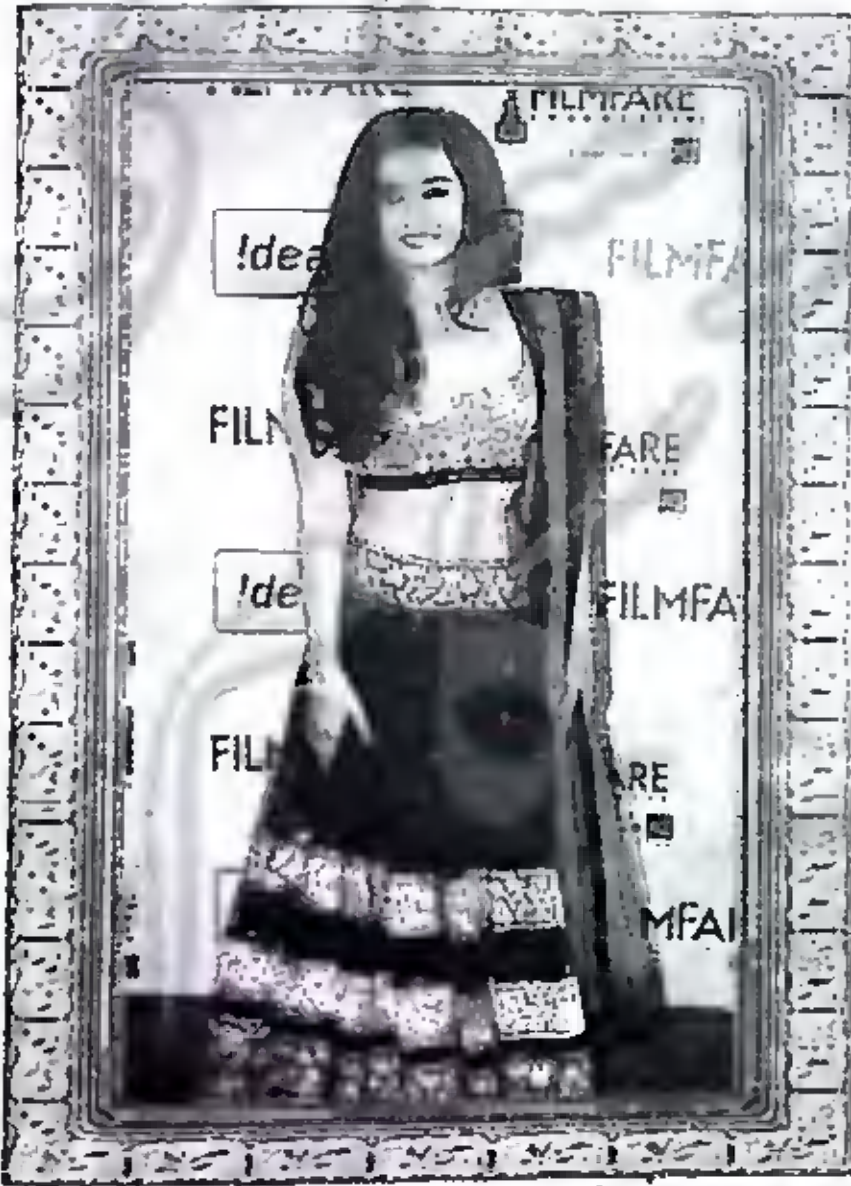
خوبصورت نیم فواد خان ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کپور اینڈ سنز کے بعد بھارتی ہیرو چھاتے ہیں یا پاکستانی ہیرو کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ ہماری اور آپ کی دعائیں تو ظاہر ہے اپنے چاکلیٹی ہیرو فواد خان کے ساتھ ہیں۔

☆☆......☆☆

ساتھ بزنس وومن بھی ہیں اُن کا اپنا بوتیک ہے۔ عالیہ بھٹ کی خوبصورتی کا راز اُن کے والد کا کشمیری اور والدہ کا جرمن ہونا ہے۔ عالیہ کوکا کولا، گارنیئر اور میبلین کی برانڈ ایمبیسیڈر بھی ہیں۔

عالیہ بھٹ کا آج کل اسکینڈل ورن دھون کے ساتھ سوشل میڈیا پر دھوم مچا رہا ہے۔ ویسے وہ سدھارتھ کے ساتھ بھی بہت دیکھی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے مہیش بھٹ کی بیٹی اور عمران ہاشمی کی بھتیجی ہونا اُس کے رنگ ڈھنگ سے تو ظاہر ہوگا۔ فلموں سے زیادہ اسکینڈلز کی زد میں رہنا عالیہ کو شاید زیادہ

نادیہ طارق

مرغ چاٹ

اجزاء

بون لیس چکن	دوسو گرام
لال لوبیا	آدھ پیالی
انڈے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
آلو ابلے ہوئے	دو عدد
ٹماٹر	ایک عدد
ہری مرچ	چار عدد
لیموں کا رس	دو چائے کے چمچ
چاٹ مسالا	چار چائے کے چمچ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:

چکن کی بوٹیوں کو نمک مرچ لگا کر لیموں کے رس میں ......الٹ پلٹ کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔لوبیا ابال کر ٹھنڈا کر لیں۔انڈے ابال کر ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ٹماٹر اور سبز مرچو ں کو کاٹ کر باریک باریک کر لیں۔ چکن کی بوٹیوں کو گرل کر لیں تاکہ بوٹی گل جائے تمام چیزوں کو شیشے کے پیالے میں ڈال کر چاٹ مسالا اور لیموں کا رس ڈال کر مکس کر لیں اور بیس منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں اور مزیدار مرغ چاٹ کا مزہ لیں۔

تھائی ٹوسٹ

اجزاء

آلو (ابلے ہوئے)	دو عدد
ابلی ہوئی مرغی	ایک دو بوٹیاں (باریک ریشے کر لیں)
نمک	حسب ضرورت
انڈا	ایک عدد
ڈبل روٹی	چھ سلائس
تیل	فرائی کے لیے

ترکیب:

ابلے ہوئے آلوؤں کو اچھی طرح میش کر کے اس میں مرغی کے ریشے اور نمک، کالی مرچ ملا دیں اب یہ آمیزہ ڈبل روٹی کے سلائسز پر جیم والی چھری کی مدد سے لگائیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کر لیں اور سلائز کو پھینٹتے ہوئے انڈے میں اچھی طرح ڈبو کر فرائی کر لیں پہلے آمیزے والا حصہ اچھی طرح فرائی کریں پھر پلٹ کر دوسرا حصہ فرائی کر لیں تھائی ٹوسٹ تیار ہیں۔

نوٹ: مرغی کی جگہ بچے ہوئے سالن کی بوٹیاں یا بچا ہوا قیمہ بھی استعمال کی جا سکتا ہے اور ڈبل روٹی ایک روز کی باسی ہو تو اچھا ہے۔

شلجم کا قورمہ

اجزاء:

گوشت	آدھا کلو

شلجم	آدھا کلو
گھی	تین چھٹانک
لونگ	دس عدد
الائچی	چار عدد
لہسن	ایک گٹھی
پیاز کے لچھے	آدھا پاؤ
ادرک	ایک گرہ
دھنیا بھنا ہوا	دو تولہ
سرخ مرچ پسی ہوئی	حسب ضرورت
لیموں کا رس	حسب ذائقہ
جاوتری	ذرا سی
دار چینی	تھوڑی سی
کالی مرچ	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
جائفل	ذرا سا

ترکیب: پہلے شلجم چھیل کر بڑے بڑے ٹکرے کرکے کسی نوک دار چیز سے گود لیں پھر انہیں گھی میں الائچی ڈال کر سرخ کر کے نکالیں اور پیاز کے آدھے لچھے گھی میں سرخ کر کے نکال لیں۔ بقیہ پیاز کو مسالے کے ساتھ ملا دیں۔لہسن، پیاز کے آدھے لچھے، ادرک، دھنیا اور سرخ مرچ ایک ہی بار پیس لیں اور گھی جو شلجم تلنے اور پیاز سرخ کرنے سے بچ گیا ہے اس میں پانچ لونگ اور دو سبز الائچی ڈال کر کڑکڑائیں پھر گوشت دھو کر اس میں ڈال دیں اور بھون کر سرخ کرلیں۔اس کے بعد باقی مسالے اور نمک حسب ضرورت ڈال کر بھونیں اور پانی ڈال کر گلنے کے لیے چڑھا دیں۔ جب گوشت گل جائے اور پانی جل جائے تو آدھا پاؤ دہی ڈال کر خوب بھونیں اگر ہو سکے تو ایک لیموں کا رس بھی ڈال لیں تاکہ تلے بھی گل جائیں اور آخر میں لال کی ہوئی پیاز، جائفل، جاوتری، دارچینی ،لونگ ،کالی مرچ، ہری الائچی پیس کر ڈال دیں اور کیوڑے کا عرق بھی ملا دیں تاکہ خوشبو آئے۔

مزیدار تکے

اجزاء

گوشت بغیر ہڈی (مرغی یا بیف)	آدھا کلو
ادرک لہسن (پسا ہوا)	ایک ایک چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ (پسا ہوا)
ٹماٹر	ایک پاؤ
آلو	چار عدد درمیانے
نمک، سرخ مرچ	حسب ذائقہ
دہی	ایک پیالی

ترکیب:

کسی بڑے برتن میں دہی نمک، مرچ لہسن ،ادرک، گرم مسالا اور ہلدی مکس کرلیں اور یہ مسالا گوشت کے پارچوں پر لگا کر گھنٹے بھر کر لیے رکھ دیں (بیف کو دو سے تین گھنٹے) اب ایک پھیلے ہوئے برتن میں تیل گرم کر کے گوشت کے پارچے بچھا دیں اور اس پر تہ در تہ آلو ٹماٹر اور پیاز گول گول کاٹ کر اور دو کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔گوشت گل جائے اور پانی بالکل خشک ہو جائے تو اوپر سے ہری مرچ، ہرا دھنیا اور باریک کٹی ہوئی ادرک چھڑک کر پیش کریں۔

☆☆......☆☆

بیوٹی گائیڈ

شبانہ عنایت

یہ ایک عام سا تصور ہے کہ میک اَپ اور خوبصورتی بڑھانے کے بنیادی گر سنگھار میز تک محدود ہوتے ہیں اور میک اپ کے لیے با قاعدہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ باورچی خانہ بھی سنگھار میز کا نعم البدل بن سکتا ہے۔ روزانہ کھانا پکانے میں ہم بہت سی ایسی اشیاء استعمال کرتے ہیں جو حسن آور ثابت ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ہمیں ان کا طریقہ استعمال معلوم ہو۔ گویا غذا ہمیں نہ صرف اندرونی طور پر طاقت اور صحت مند بناتی ہے بلکہ اس کا بیرونی استعمال بھی خوبصورتی عطا کرتا ہے۔

خشک دودھ

ایک چمچہ دودھ کو خوب اچھی طرح سے پھینٹی ہوئی انڈے کی سفیدی میں ملا کر چہرے پر اس آمیزے کا نقاب سا چڑھا لیں۔ دس منٹ کے بعد اسے دھو ڈالیں۔ اس سے چہرہ گورا اور نرم ہو جائے گا۔

انڈے کی زردی

انڈے کی زردی بہترین حسن آور شے ہے اگر تھوڑے سے بادام کے تیل میں انڈے کی زردی ملا کر یہ آمیزہ جلد پر ملا جائے تو یہ جلد کے چھوٹے چھوٹے مسامات سے میل کے ذرات کو کھینچ نکالے گا۔ اس کے علاوہ یہ جلد کے لیے غذائیت بھی بہم پہنچاتا ہے انڈے کی زردی کو شیمپو کے طور بھی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اسے دھونے کے لیے ٹھنڈا یا بہت ہی ہلکا گرم پانی استعمال کرنا چاہیے۔ مبادا آپ کے سر میں آملیٹ تیار ہو جائے۔

چقندر

یہ قرمزی رنگ کا مائع ہوتا ہے اور بوقت ضرورت بہترین قسم کے فطری رنگت کے روج کا کام دے سکتا ہے۔ فاؤنڈیشن استعمال کرنے سے پہلے اس کے چند قطرے تھوڑے سے پانی میں ملا لیں اور اس میں روئی کو بھگو کر چہرے پر اس کی تھپکیاں دیں۔ گالوں پر ذرا زیادہ اور بقیہ چہرے پر کم لگائیں۔ اس کے خشک ہونے کے بعد چہرے پر فاؤنڈیشن کریم لگائیں۔ آپ کو محسوس ہوگا کہ چہرے پر بالکل فطری قسم کی سرخی پھیلی ہوئی ہے۔

سویا

اگر آدھ پاؤ اُبلتے ہوئے پانی میں ایک چمچ سویا کے بیج ملا لیے جائیں اور پانی کے ٹھنڈا ہونے کے بعد اسے چہرے پر ملا جائے تو جلد کا رنگ بہت نکھر جاتا ہے سلاد اور مچھلی کی تیاری میں بھی سویا استعمال ہوتا ہے اور یہ خون کے ساتھ شامل ہو کر آپ کی رنگت اور جلد کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

ادرک اور لہسن

ادرک بہت اچھی جراثیم کش ہے اور اسے سونے سے پیشتر استعمال کرنے سے بڑی پرسکون نیند آتی ہے مختلف غذاؤں میں اس کی تھوڑی تھوڑی مقدار شامل کرکے کھانے کا ذائقہ اور خاصیت دونوں ہی بہتر ہوتے ہیں۔ اس میں آیوڈین خاصی مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ اگر آپ سلاد، چائے اور مختلف سالنوں میں ادرک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالنے کی عادت اختیار کرلیں تو آپ کے خون میں بیماریوں کے خلاف موثر دفاع کی قوت پیدا ہوجائے گی۔ ادرک غذا کو ہضم بناتی ہے۔ لہسن کی بھی کم و بیش یہی خصوصیات ہیں۔ گو یہ ضرور ہے کہ آپ لہسن کو سلاد میں استعمال نہیں کرسکتیں۔

شہد

شہد کو گرم پانی کے ذریعے پگھلا کر جلد پر لگانے سے جلد کے چوڑے چوڑے مسامات بھر جاتے ہیں۔ جلد پر شہد مل کر دس منٹ کے لیے چھوڑ دیں اور پھر گرم اور ٹھنڈے پانی سے بالترتیب جلد کو دھو ڈالیں۔ ایسی ریشم کی سی جلد نکلے گی کہ آپ حیران رہ جائیں گی۔ پگھلے ہوئے شہد کے ایک دو چمچے کو تین چمچے دودھ میں ملا کر دھوپ سے جلے ہوئے چہرے پر لگائیں اور چند گھنٹے بعد دھو ڈالیں۔ جلد دھوپ کے اثرات سے آزاد ہوجائے گی۔

لیموں کا عرق

انڈے کی سفیدی میں لیموں کا عرق ملا کر اس آمیزے کو گردن پر لگائیں اور تقریباً بیس منٹ کے بعد ٹھنڈے پانی سے گردن دھولیں۔ دھوپ کی وجہ سے گردن پر چڑھی ہوئی سیاہی ختم ہو جائے گی اور آپ کی گردن کی جلد نرم اور صاف ستھری نکل آئے گی۔ لیموں کا عرق نچوڑنے کے بعد لیموں کے جو خالی چھلکے رہ جاتے ہیں، انہیں ناخنوں پر ملنے سے ناخن صاف اور مضبوط ہوتے ہیں۔ اگر ان چھلکوں کو کہنیوں پر ملا جائے تو کہنیوں کی سیاہ اور سخت جلد نرم ہوجاتی ہے۔

دودھ

اگر رات کو سونے سے قبل آنکھوں کے گرد دودھ کی تھوڑی سی مقدار لگا کر رات بھر کے لیے یونہی چھوڑ دیا جائے تو آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے سیاہ حلقے مٹ جائیں گے دودھ کی اس تہہ کو پانی سے نہیں، بلکہ جلد کے کسی ٹانک کی مدد سے چھڑائیں۔ اگر پانی اور صابن سے اسے چھڑایا گیا تو اس کا تمام اثر زائل ہوجائے گا۔

جو کا آٹا

جو کے آٹے کو ویکسین کے ساتھ ملا کر صابن کی جگہ استعمال کرنے سے ہاتھ بہت صاف اور نرم ہوجاتے ہیں۔ اگر اسے دودھ میں ملا کر چہرے پر اس کا لیپ کیا جائے، تو چہرے کی جلد خوبصورت ہوجائے گی۔ چہرے پر آٹا لگا کر تھوڑی دیر بعد کسی نرم کپڑے کی مدد سے اسے صاف کردینا چاہیے۔ جو یا بیسن کے آٹے سے جسم کی مالش کے بعد صابن استعمال کیے بغیر غسل کیا جائے تو جسم کی جلد اچھی، تروتازہ اور نرم ہوجاتی ہے۔

نشاستہ

نشاستہ دھوپ سے جلی ہوئی جلد کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ آدھی پیالی نشاستے کو تھوڑے پانی میں اتنا پھینٹیں کہ محلول سا بن جائے پھر نیم گرم پانی میں اس محلول کو ملا کر نہالیں۔

ٹماٹر

ٹماٹروں کے ٹکڑوں کے جلد پر رگڑنے سے جلد خوبصورت اور سفید ہوجاتی ہے۔

☆☆ ...... ☆☆☆